تفسیرِ نُور

(جلد ہفتم)

:تالیف:
حجۃ الاسلام و المسلمین
حاج شیخ محسن قراتی

ضابطہ:

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	کچھ اپنے بارے میں .....الطاف حسین کلاچی	17
2	مقدمہ..... محسن قرائتی	20
3	مقدمہ دوم	24
	سورۃ یوسف	
4	سورۃ یوسف کی ایک جھلک	26
5	آیت نمبر 1۔2	27
6	آیت نمبر 3	28
7	آیت نمبر 4	31
8	آیت نمبر 5	35
9	آیت نمبر 6	37
10	آیت نمبر 7	39
11	آیت نمبر 8	40
12	آیت نمبر 9	42
13	آیت نمبر 10	44
14	آیت نمبر 11	45
15	آیت نمبر 12	46
16	آیت نمبر 13	47

17	آیت نمبر 14	48
18	آیت نمبر 15	49
19	آیت نمبر 16۔17	50
20	آیت نمبر 18	51
21	آیت نمبر 19	52
22	آیت نمبر 20	53
23	آیت نمبر 21	54
24	آیت نمبر 22	55
25	آیت نمبر 23	57
26	آیت نمبر 24	59
27	آیت نمبر 25	61
28	آیت نمبر 26۔27	62
29	آیت نمبر 28	64
30	آیت نمبر 29	65
31	آیت نمبر 30	66
32	آیت نمبر 31	67
33	آیت نمبر 32	69
34	آیت نمبر 33	70
35	آیت نمبر 34	71
36	آیت نمبر 35	72
37	آیت نمبر 36	73
38	آیت نمبر 37	74
39	آیت نمبر 38	76
40	آیت نمبر 39	77

41	آیت نمبر 40	78
42	آیت نمبر 41	79
43	آیت نمبر 42	80
44	آیت نمبر 43	81
45	آیت نمبر 44	82
46	آیت نمبر 45۔46	83
47	آیت نمبر 47	84
48	آیت نمبر 48۔49	86
49	آیت نمبر 50	88
50	آیت نمبر 51	89
51	آیت نمبر 52	90
52	آیت نمبر 53	91
53	آیت نمبر 54	93
54	آیت نمبر 55	95
55	آیت نمبر 56۔57	98
56	آیت نمبر 58	100
57	آیت نمبر 59	101
58	آیت نمبر 60	103
59	آیت نمبر 61۔62	104
60	آیت نمبر 63۔64	106
61	آیت نمبر 65	107
62	آیت نمبر 66	108
63	آیت نمبر 67	109
64	آیت نمبر 68	111

65	آیت نمبر 69	112
66	آیت نمبر 70	113
67	آیت نمبر 71۔72	114
68	آیت نمبر 73	115
69	آیت نمبر 74۔75	116
70	آیت نمبر 76	117
71	آیت نمبر 77	118
72	آیت نمبر 78	119
73	آیت نمبر 79	120
74	آیت نمبر 80	121
75	آیت نمبر 81۔82	122
76	آیت نمبر 83	123
77	آیت نمبر 84	125
78	آیت نمبر 85	126
79	آیت نمبر 86	127
80	آیت نمبر 87	128
81	آیت نمبر 88	129
82	آیت نمبر 89	130
83	آیت نمبر 90	131
84	آیت نمبر 91	132
85	آیت نمبر 92	133
86	آیت نمبر 93	134
87	آیت نمبر 94	137
88	آیت نمبر 95۔96	139

89	آیت نمبر 97	140
90	آیت نمبر 98	141
91	آیت نمبر 99	142
92	آیت نمبر 100	143
93	آیت نمبر 101	146
94	آیت نمبر 102۔103	150
95	آیت نمبر 104	151
96	آیت نمبر 105	152
97	آیت نمبر 106	153
98	آیت نمبر 107	154
99	آیت نمبر 108	155
100	آیت نمبر 109	156
101	آیت نمبر 110	157
102	آیت نمبر 111	159
	سورۃ رعد	
103	سورۃ رعد کی ایک جھلک	162
104	آیت نمبر 1۔2	163
105	آیت نمبر 3	165
106	آیت نمبر 4	166
107	آیت نمبر 5	167
108	آیت نمبر 6	168
109	آیت نمبر 7	170
110	آیت نمبر 8۔9	171
111	آیت نمبر 10	172

112	آیت نمبر 11	173
113	آیت نمبر 12۔13	175
114	آیت نمبر 14	177
115	آیت نمبر 15	178
116	آیت نمبر 16	179
117	آیت نمبر 17	180
118	آیت نمبر 18	182
119	آیت نمبر 19	185
120	آیت نمبر 20	186
121	آیت نمبر 21	187
122	آیت نمبر 22	190
123	آیت نمبر 23	192
124	آیت نمبر 24	193
125	آیت نمبر 25	196
126	آیت نمبر 26	197
127	آیت نمبر 27	198
128	آیت نمبر 28	200
129	آیت نمبر 29	205
130	آیت نمبر 30	206
131	آیت نمبر 31	207
132	آیت نمبر 32	208
133	آیت نمبر 33	209
134	آیت نمبر 34	210
135	آیت نمبر 35	211

136	آیت نمبر 36	212
137	آیت نمبر 37	213
138	آیت نمبر 38_39	214
139	آیت نمبر 40	217
140	آیت نمبر 42	218
141	آیت نمبر 43	219
	سورہ ابراھیم	
142	سورۃ ابراہیم کی ایک جھلک	222
143	آیت نمبر 1	223
144	آیت نمبر 2_3	224
145	آیت نمبر 4	226
146	آیت نمبر 5	227
147	آیت نمبر 6	228
148	آیت نمبر 7	229
149	آیت نمبر 8	230
150	آیت نمبر 9	231
151	آیت نمبر 10	232
152	آیت نمبر 11	233
153	آیت نمبر 12	235
154	آیت نمبر 13	236
155	آیت نمبر 14	237
156	آیت نمبر 15_16	238
157	آیت نمبر 17	239
158	آیت نمبر 18	240

159	آیت نمبر 19_20	241
160	آیت نمبر 21	242
161	آیت نمبر 22	243
162	آیت نمبر 23	244
163	آیت نمبر 24	246
164	آیت نمبر 25	247
165	آیت نمبر 26	248
166	آیت نمبر 27_28	249
167	آیت نمبر 29	250
168	آیت نمبر 30_31	251
169	آیت نمبر 32	252
170	آیت نمبر 33	253
171	آیت نمبر 34	254
172	آیت نمبر 35	255
173	آیت نمبر 36	257
174	آیت نمبر 37	258
175	آیت نمبر 38_39	260
176	آیت نمبر 40_41	261
177	آیت نمبر 42_43	263
178	آیت نمبر 44	264
179	آیت نمبر 45_46	265
180	آیت نمبر 47_48	266
181	آیت نمبر 49_50	267
182	آیت نمبر 51	268

183	آیت نمبر 52	269
	سورۃ حجر	
184	سورۃ حجر کی ایک جھلک	271
185	آیت نمبر 1_2	272
186	آیت نمبر 3	273
187	آیت نمبر 4_5	274
188	آیت نمبر 6_7	275
189	آیت نمبر 8	276
190	آیت نمبر 9	277
191	آیت نمبر 10_11	278
192	آیت نمبر 12_13_14	279
193	آیت نمبر 15	280
194	آیت نمبر 16_17	281
195	آیت نمبر 18	282
196	آیت نمبر 19_20_21	283
197	آیت نمبر 22	285
198	آیت نمبر 23_24_25	286
199	آیت نمبر 26_27	287
200	آیت نمبر 28	288
201	آیت نمبر 29_30_31	289
202	آیت نمبر 32_33_34_35	290
203	آیت نمبر 36	291
204	آیت نمبر 37_39_40	292
205	آیت نمبر 41_42	293

206	آیت نمبر 43_44	294
207	آیت نمبر 45_46_47_48	295
208	آیت نمبر 49_50	297
209	آیت نمبر 51_52	298
210	آیت نمبر 53_54_55_56	299
211	آیت نمبر 57	300
212	آیت نمبر 58_59_60_61	301
213	آیت نمبر 62	302
214	آیت نمبر 63_64_65_66	303
215	آیت نمبر 67_68	304
216	آیت نمبر 69_70_71	305
217	آیت نمبر 72_73_74	306
218	آیت نمبر 75_76_77	307
219	آیت نمبر 78_79	308
220	آیت نمبر 80_81_82_83	309
221	آیت نمبر 84_85	310
222	آیت نمبر 86_87	311
223	آیت نمبر 88	312
224	آیت نمبر 89_90_91	314
225	آیت نمبر 92_93	315
226	آیت نمبر 94_95_96	316
227	آیت نمبر 97_98_99	317
	سورہ نحل	
228	آیت نمبر 1_2	320

229	آیت نمبر 3_4	321
230	آیت نمبر 5_6	322
231	آیت نمبر 7	323
232	آیت نمبر 8	324
233	آیت نمبر 9_10	325
234	آیت نمبر 11_12	326
235	آیت نمبر 13_14	327
236	آیت نمبر 15	328
237	آیت نمبر 16	329
238	آیت نمبر 17_18	331
239	آیت نمبر 19_20	332
240	آیت نمبر 21_22	333
241	آیت نمبر 23_24	334
242	آیت نمبر 25	335
243	آیت نمبر 26	336
244	آیت نمبر 27	337
245	آیت نمبر 28_29	338
246	آیت نمبر 30	339
247	آیت نمبر 31	340
248	آیت نمبر 32	341
249	آیت نمبر 33	342
250	آیت نمبر 34_35	343
251	آیت نمبر 36	344
252	آیت نمبر 37	346

253	آیت نمبر 38_39	347
254	آیت نمبر 40	348
255	آیت نمبر 41_42	349
256	آیت نمبر 43	350
257	آیت نمبر 44	351
258	آیت نمبر 45_46_47	352
259	آیت نمبر 48	353
260	آیت نمبر 49_50	354
261	آیت نمبر 51_52	356
262	آیت نمبر 53_54	357
263	آیت نمبر 55	358
264	آیت نمبر 56_57	359
265	آیت نمبر 58	360
266	آیت نمبر 59	361
267	آیت نمبر 60_61	362
268	آیت نمبر 62_63	364
269	آیت نمبر 64	365
270	آیت نمبر 65_66	366
271	آیت نمبر 67	368
272	آیت نمبر 68	369
273	آیت نمبر 69	370
274	آیت نمبر 70	371
275	آیت نمبر 71	372
276	آیت نمبر 72	374

277	آیت نمبر 73	375
278	آیت نمبر 74	376
279	آیت نمبر 75۔76	377
280	آیت نمبر 77	378
281	آیت نمبر 78	379
282	آیت نمبر 79	380
283	آیت نمبر 80	381
284	آیت نمبر 81	382
285	آیت نمبر 82۔83	383
286	آیت نمبر 84	384
287	آیت نمبر 85۔86	386
288	آیت نمبر 87	387
289	آیت نمبر 88	388
290	آیت نمبر 89	389
291	آیت نمبر 90	391
292	آیت نمبر 91	392
293	آیت نمبر 92	393
294	آیت نمبر 93	394
295	آیت نمبر 94	395
296	آیت نمبر 95۔96	396
297	آیت نمبر 97	397
298	آیت نمبر 98۔99	398
299	آیت نمبر 100	399
300	آیت نمبر 101	400

301	آیت نمبر 102	401
302	آیت نمبر 103	402
303	آیت نمبر 104۔105	403
304	آیت نمبر 106	404
305	آیت نمبر 107	405
306	آیت نمبر 108۔109۔110	406
307	آیت نمبر 111	407
308	آیت نمبر 112	408
309	آیت نمبر 113۔114	409
310	آیت نمبر 115	410
311	آیت نمبر 116	411
312	آیت نمبر 117۔118	412
313	آیت نمبر 119	413
314	آیت نمبر 120	414
315	آیت نمبر 121۔122	415
316	آیت نمبر 123۔124	416
317	آیت نمبر 125	417
318	آیت نمبر 126	418
319	آیت نمبر 127۔128	419

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کچھ اپنے بارے میں

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوۡمِ ○
اِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ○
اِنَّہٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ ○

○ میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مقامات کی
○ اگر تمہارے پاس (ستاروں کے مقامات) کا علم ہوتا (تو تم جان لیتے) یقینا یہ بہت ہی عظیم قسم ہے
○ یہ قران یقینا بڑی تکریم و تعظیم والا ہے

جی ہاں خداوند متعال نے ستاروں کی منازل اور بروج و مقامات کی قسم کھائی ہے۔

اور قسم کھانے کے بعد اس قسم کی عظمت کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ قسم اتنی عظیم کیوں ہے؟ قسم اس لئے عظیم ہے کہ جس کی قسم کھائی جارہی ہے وہ اس سے بھی عظیم ہے۔ وہ چیز کیا ہے وہ ہے اربوں کھربوں ستاروں کا علم جو ہمارے خالق کے پاس ہے ہمارے پاس نہیں ہے۔ جب ہمارے پاس یہ علم نہیں تو اس قسم کی عظمت تک ہمیں کہاں رسائی حاصل ہوسکتی ہے جب قسم کی عظمت کو نہیں جانتے تو پھر قرآن کریم کی عظمت کا اندازہ کس طرح کر سکتے ہیں علم فلکیات کا پیغام یہ ہے کہ اس کائنات کی اربوں کہکشاؤں ہیں صرف ہماری یہ کہکشاں جس میں ہمارا نظام شمسی واقع ہے کئی ملین ستاروں پر مشتمل ہے۔ ہمارا خالق ان اربوں کہکشاؤں کا خالق بھی ہے اُن کی حرکت کو بھی جانتا ہے کہ وہ کہاں سے اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں اور کہاں منزل و مقام کرتے ہیں۔ یہ علم بشر کے حصے میں کہاں ہیں جی ہاں جب اس کے پاس یہ علم آجائے گا تو اس وقت قرآن کی عظمت بھی اس پر واضح ہوجائے گی۔

قرآن! عالم بشریت کے لئے آفاقی پیغام ہے۔
قرآن! اہل اسلام کے لئے دستور زندگی ہے۔
قرآن! اہل ایمان کے لئے نجات کی ضمانت ہے۔
سورہ عبس کے اندر ہے۔

(كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ) ہرگز نہیں یہ آیات یقیناً نصیحت ہیں (فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ) پس جو چاہے! انھیں یاد رکھے (فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ) یہ محترم و مکرم صحیفوں میں ہیں (مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ) جو بلند و بالا بھی ہیں اور پاک و پاکیزہ بھی (بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ) یہ ایسے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں (كِرَامٍ بَرَرَةٍ) جو بزرگوار بھی ہیں۔

قرآن مجید وہ کلام الٰہی ہے جسے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ پر نازل کیا گیا یہ ابدی سعادت کا پیامبر و بشیر ہے پوری انسانیت کو اس کا حقیقی مقام دلانے کے لئے درس انقلاب ہے۔

قرآن مجید کے لا تعداد پہلو ہیں اور ہر پہلو ایک ابدی معجزہ ہے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا فرمان ہے ۔قرآن حق کی وادی اور اس کا ہموار میدان ہے وہ ایسا دریا ہے جس کے چشمے کبھی خشک نہیں ہوتے وہ ایسی منزل ہے جس کا راہی کبھی نہیں بھٹکتا اللہ تعالیٰ نے اسے علماء کی تشنگی کے لئے سیرابی فقہاء کے دلوں کی بہار اور نیکیوں کی راہ گزر کے لئے شاہراہ قرار دیا ہے۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۶)

پیغمبر اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کے دور سے لے کر انٹرنیٹ دور تک ہزاروں مفسرین نے قران مجید کی تفسیر پر کام کیا ہر مفسر نے اپنی وسعت علمی کے مطابق بے پناہ کام کیا ہر مفسر کی کوشش و کاوش تعریف و ستائش کے لائق ہے۔ انشاء اللہ ان کی یہ کوشش ان کے لئے زاد آخرت بنے گی لیکن ان تمام تفاسیر میں زیادہ تر مختلف علوم مثلاً ادبیات اور اس کے شعبہ جات، علم کلام، فقہی مباحث پر زور دیا گیا ہے ہر صاحب فن نے اپنے فن کے دائرہ اور اس میں مروّج اصطلاحات پر بحث کی اور یہ بحثیں اس قدر طویل ہوگئیں کہ قاری پر ان تمام کا عبور مشکل ہوگیا۔ اس مصروف ترین انٹرنیٹ inter net دور ایسی تفسیر کی ضرورت تھی جو صرف اور صرف قرآنی مطالب اور قرآن فہمی پر مشتمل ہو جس میں آسان اور مختصر طریقے کے ساتھ قرآنی پیغام کو واضح کیا گیا ہو جس سے ایک قاری آسانی کے ساتھ اور مختصر وقت میں قرآنی مطالب کو درک کر سکے اس عظیم عالیشان کام کے لئے حجۃ الاسلام والمسلمین آقائی محسن قرائتی نے قدم اٹھایا انھوں نے عالم اسلام کو ایک عظیم الیشان ملکوتی قرآنی تحفہ پیش کیا ہے جس کا نام انہوں نے تفسیر نور رکھا ہے آپ کی یہ عظیم الشان تفسیر تمام تفاسیر میں ایک شان امتیازی رکھتی ہے آپ نے آیات قرآنی کا نتیجہ آیات کے ذریعے نکالا اگر ایک آیت میں پانچ الفاظ ہیں تو آپ نے اس آیت سے تقریباً دس نکات پیدا کئے دس پیام پیدا کئے۔ ہر آیت کو ٹکڑوں میں منقسم کر کے قاری کے لئے قرآن فہمی کی راہیں کھول دیں آپ نے میدان تفسیر میں ایک جدت پیدا کی ہے ایسی روش باقی تفاسیر میں نظر نہیں آتی آپ اپنے فن کے موجد ہیں۔ آپ اس وقت پورے ایران میں اپنے اس قرآنی کام کے حوالے سے چھائے ہوئے ہیں۔ ایرانی tv پر آپ نے بے پناہ کام کیا ہے خداوند عالم سے دعا ہے کہ کتاب اللہ کے اس عظیم الیشان عالم کا سایہ امت مسلمہ پر قائم و دائم رکھے اور ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اکثر سننے میں آیا ہے کہ جب آپ اپنی بچیوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے ہوں تو خیال کرنا سارے قرآن کی تعلیم دینا ان کے مطالب سمجھانا لیکن سورہ یوسف کی تعلیم نہ دینا شاید یہ وجہ ہو کہ اس داستان میں زلیخا کے عشق کا بیان ہے۔ یہ موقف اپنی جگہ پر درست ہے کہ بچیوں کو عشقیہ داستانیں نہ پڑھائی جائیں یہ حکم صرف بچیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ

بچوں کے لئے بھی ہے۔لیکن جب بات قرآن کی ہو جو خالق کا کلام ہے اس میں کسی قسم کا اشکال کرنا جرم ہے۔لیکن سارا قصور اُن لوگوں کا نہیں جو کہتے ہیں کہ سورہ یوسف بچیوں کو نہ پڑھائی جائے کیونکہ بعض مفسرین نے اس داستان کو کچھ اس طرح پیش کیا کہ واقعی وہ ایک عشقیہ داستان بن گئی اس لئے عوام نے کہنا شروع کر دیا کہ سورہ یوسف لڑکیوں کو نہ پڑھائی جائے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ سورہ یوسف کی تعلیم دینا چاہے لڑکے ہوں لڑکیاں ہوں دونوں کو واجب ہے لیکن اس کے لئے استاد محسن قرائتی کی تفسیر سورہ یوسف چاہئے جس انداز میں انہوں نے سورہ یوسف کا پیغام واضح کیا ہے ایسا انداز آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ آپ نے نہایت ہی حَسین وجمیل انداز میں یہ پیش کیا کہ ایک نیک و پارسا انسان کا انجام کیا ہوتا ہے ایک بدکار اور خطا کار انسان کا انجام کیا ہوتا ہے ایک سازشی اور مکار وعیار کا مقام کیا ہے اور ایک مظلوم کا انجام کیا ہوتا ہے

مصباح القرآن پبلیکیشنز لاہور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا تا کہ اردو دان طبقہ تفسیر نور سے استفادہ کرتے ہوئے قرآنی پیام کی منزل تک رسائی حاصل کر سکے اس ادارہ کے شیخ محمد امین صاحب نے پانچویں جلد کا کام حجۃ الاسلام آقائی محمد حسن جعفری صاحب کے ذمہ لگایا اور چھٹی جلد کا کام اس احقر کے ذمہ لگایا خداوند تعالیٰ ان کی سعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

آقائی محمد حسن قبلہ کی ذات محتاج تعارف نہیں ان کام پورے ملک میں مختلف کتب کی صورت میں پھیلا ہوا ہے آپ ہمہ صفات کے حامل ہیں جہاں آپ ایک توانا خطیب ہیں وہاں ایک اچھے اور منجھے ہوئے ادیب ہیں اس وقت آپ کی ساٹھ سے اوپر کتب ملک کی مارکیٹوں میں موجود ہیں۔

الطاف حسین کلاچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاہِرِیۡنَ

مقدمہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدَانَا لِہٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ ہَدَانَا اللّٰہُ

قرآن کریم عزت وعظمت پروردگار کا جلوہ ہے زندہ جاوید معجزہ ہے ایسی دلیل ہے جو روشن ومنور ہے ایسی پیشن گوئی ہے جو صادق ولاریب ہے ایسی تاریخ ہے جو حق حقیقت پر مبنی ہے جس کا نطق محکم ہے جس کی شھادت روشن ہے جس کے ذکر کی بیکرانیاں لامحدود ہیں جس کے نعمات کے سمندر ناپیدا کنار ہیں ۔خود ہی طور طریقے دیتا ہے نمونے بھی خود پیش کرتا ہے ترغیب وتشویق کی دعوت بھی دیتا ہے ہوش حواس کے انداز بھی سکھلاتا ہے ماضی کی داستانیں بھی سناتا ہے مستقبل کے مناظر بھی پیش کرتا ہے جہاں عوام کے مطالب کا سامان کرتا ہے وہاں خواص کی جھولیوں میں دُرہائے بے بہا کی بارش کرتا ہے جہاں غیب سے پردے اٹھاتا ہے وہاں شہود کی منازل کو طے کرنے کے ڈھنگ ورنگ سکھلاتا ہے جہاں عزت وعظمت کے آسمانوں کی رفعتیں دکھاتا ہے وہاں ذلت ورسوائیوں کے مرگھٹ کی نشاندہی بھی کرتا ہے جہاں فکر کو منور وروشن کرتا ہے وہاں نطق وبیان کو قوت وتاثیر عطا کرتا ہے اس دنیا میں بھی مونس وغمخوار ہے اور قبر ومحشر میں بھی دلدار ہے قابل توجہ امر یہ ہے حدیث میں آیا ہے کہ وجوب نماز کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم مجوریت سے باہر آجائے کیونکہ ہر نمازی پر واجب ہے کہ شبانہ روز دس بار سورہ حمد اور کوئی سورہ اپنی نماز میں پڑھے۔ جنگ احد میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے تھے جب ان شہداء کے جنازے پڑھنے کا وقت آیا تو پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہم سب سے پہلے اس کا جنازہ پڑھیں گے جسے قران زیادہ حفظ تھا ایک دفعہ کسی جنگ میں پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پرچم اسلام ایک صحابی کو دیا پھر اس سے لے کر دوسرے کو دیا اور فرمایا پہلے سے لے کر دوسرے کو پرچم اس لئے دیا کیونکہ وہ قرآن کا اس سے زیادہ عالم ہے حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں جو کچھ ہم سے سنو تو ہم سے قرآنی دلیل مانگو ہم اس کا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنی اس بات کے لئے قرآن مجید کی کس آیت سے استفادہ کیا ہے قرآن مجید نے انسان کو ایک سخت ترین لقب سے خطاب فرمایا ہے وہ ہے عقل سے عاری ہونا اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا اگر قرآن کریم پر عمل نہیں کرو گے تو عقل سے عاری ہو جاؤ گے۔

فرمایا: قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ (اے اہل کتاب تمہاری کوئی مذہبی بنیاد ہی نہیں جب تک کہ تورات اور انجیل اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے اُتارا گیا ہے اس کو قائم نہ رکھو) فرمایا: ''اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا''۔ (کیا وہ قرآن میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے یا اُن کے دلوں پر قُفل لگے ہوئے ہیں) قرآن میزانِ شناسائی ہے اور اولیاء اللہ کی ملکوتی ونورانی گفتگو ہے معصومؑ نے فرمایا: جب ہماری طرف سے منسوب بات سنو تو اسے قرآن کی روشنی میں دیکھو اگر وہ مخالف قرآن ہو تو اُسے دیوار پر پھینکو قرآن ثقل اکبر ہے اور اھل بیت پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ثقل اصغر ہیں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نے کئی مرتبہ فرمایا میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں وہ ایک دوسرے سے ہرگز ہرگز جدا نہیں ہوں گے قیامت کے دن حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں گے اُن میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری اہلبیتؑ ہیں

قرآن اور اہلبیتؑ کے جدا نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ ہمارے اِس دور میں حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن کی تفسیر معتبر روایات کے بغیر کرنا گمراہی ہے اس لئے پیغمبر اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا تھا ان دونوں سے تمسک رکھنا جب ان دونوں سے تمسک رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے جی ہاں اگر ان میں سے ایک سے تمسک رکھا دوسرے کو چھوڑ دیا تو پھر گمراہی ہی گمراہی ہے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی رفعت وبلندیوں تک پہنچنا تو ممکن ہی نہیں جی ہاں! ان کی کنیز حضرت فضہؑ کا مقام تو حاصل کیا جا سکتا ہے جب ہم تاریخ پڑھتے ہیں تو اِس بانو کے بارے میں موجود ہے کہ اس نے بیس سال مسلسل قرآن مجید سے تکلُّم کیا جس زمانے میں یہ سطور لکھ رہا تھا تو میری ملاقات ایک پانچ سالہ بچے سے ہوئی اس بچے نے تمام حوزہ جات اور یونیورسٹیوں کے افاضل اساتیذ کو حیران کر دیا انہوں اس بچے سے ہر موضوع پر سوال کیا اس نے ہر سوال کا جواب قرآن مجید سے دیا جمہوری اسلامی ایران کے اس بچے کو تمام عرب دنیا نے دعوت دی یورپی ممالک نے بلایا حتی کہ بعض ممالک کے ٹیلی ویژنوں نے اپنے معمول کے پروگرام روک کر اس کو تاریخی معجزے کا نام دے کر دنیا کو دکھایا میں اس بچے کے پاس تین گھنٹے رہا اُس پر ستر سوال کئے اس نے ہر سوال کا جواب قرآن مجید سے دیا اس بچے کی ملاقات نے میرے ذہن کے دریچے کھول دیئے جب یہ بچہ اس مقام تک پہنچ سکتا ہے تو فرزند رسول امام مہدی (عج) اپنی تین سال کی عمر میں اور امام تقیؑ نو سال کی عمر میں منصبِ امامت پر کیوں نہیں پہنچ سکتے اس عظیم فرزند کا نام سید محمد حسین طباطبائی ہے جنھیں حکومت برطانیہ نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی ہے

قرآن مجید تمام علوم ومعارف کا عظیم الیشان سرچشمہ ہے اور وہ آسمانی کتاب ہے جو تحریف سے محفوظ ہے جوں جوں سائنس کائنات کے سربستہ رازوں سے پردے اُٹھاتی جائے گی اسی طرح قرآن کے رموز دنیا کے سامنے آتے جائیں گے قرآنی تشبیہات اور اس کی روشن مثالیں نہ کبھی پرانی تھیں اور نہ ہوں گی جہاں تکرار ہے وہاں بھی قرآنی اسرار کے خزانوں کے انبار ہیں اس

جلد میں سورہ یوسف، سورہ رعد، سورہ ابراہیم، سورہ حج، اور سورہ نحل کی تفسیر ہے ویسے تو سورہ یوسف کو ایک خصوصیت حاصل رہی ہے کہ اس کے قارئین زیادہ ہیں اور اکثر مفسرین نے اس سورہ کی جداگانہ تفاسیر لکھی ہیں اس سورہ کی تفسیر کا مطالعہ دوسری سورتوں کی تفاسیر کے مطالعہ کے لئے مانوسیت کے سامان پیدا کرسکتا ہے لہذا اس سورہ کی تفسیر کو ایک علیحدہ کتاب کی شکل میں چھاپا جائیگا تا کہ ان لوگوں کا فائدہ ہو جو قرآن کی مکمل تفسیر کا مطالعہ نہیں کرسکتے کم از کم اِس سورہ کی تفسیر سے آشنائی تو حاصل کرسکیں گے

یہ کہنا بھی لازمی ہے قرآن مجید کے قصوں کی اساس نہ تو خیالات وتصورات پر ہے اور نہ یہ کوئی تاریخی داستانیں ہیں بلکہ تاریخی حقائق ہیں جس میں وعظ وعبرت کے بے پناہ سامان ہیں جب سورہ یوسف کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس میں جناب یوسفؑ کی عمر کی کوئی بات نہیں ہے نہ محل ومقام کی بات ہے نہ کنوئیں کی گہرائی کا نقشہ ہے برادرانِ یوسف کا تذکرہ ہے ان کے اسماء کا ذکر نہیں ہے کیونکہ ان باتوں میں سامانِ وعظ ونصیحت اور تربیت نہیں ہے حتّٰی کہ ان کی والدہ گرامی کا نام بھی موجود نہیں یا تو ان کی والدہ ان کے بچپن میں اس دنیا سے رخصت ہوگئی تھی یا پھر ان کی خالہ انہیں پال پوس رہی تھی جس وقت قرآن مجید اُن کے والد کی حالت بتاتا ہے کہ وہ ان کے فراق میں نابینا ہو گئے تھے حالانکہ وہ ایک برگزیدہ نبی تھے تو پھر ان کی والدہ کا کیا حال ہوتا ان کی اس ہیجانی کیفیت کے ذکر کا کوئی تربیتی فائدہ نہ ہوتا اس لئے اس منظر کو پیش نہیں کیا گیا لیکن یہ امر مسلّمہ ہے قرآن مجید کے داستانیں بیان کرنے کا انداز واقعیت دار ہے عبرت انگیز ہے اور جاذبِ نظر ہے جناب یوسفؑ نبی کی اس داستان میں تربیت وراھنمائی کے خدائی اصول اور عقائد وحقائق کا حصول ہوتا ہے اس سے خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی آیات کے نظارے ملتے ہیں کہ ایک ملکوتی اور روحانی انسان کو آزمائش کے کتنے مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اس لئے اس داستان میں سازشی انسانوں کی سازشوں کی ناکامی کے دروازے بھی کھلتے ہیں عزت وترقی کے عوامل کا درس بھی ملتا ہے صبر وتقوی کے ثمرات کا پتہ بھی چلتا ہے

اس بندہ حقیر کی اپنے محترم قارئین کرام کے حضور درخواست ہے اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد اس کے مطالب اور نکات کو اپنے حلقہ احباب میں پہنچانے کی کوشش فرمائیں ہمیشہ قرآن کا مطالعہ کریں صرف ایک مرتبہ مطالعہ کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا کیونکہ قرآنِ مقدس اُسے عالم ربانی سمجھتا ہے جو ہمیشہ آسمانی کتب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا عادی ہو ارشاد ربانی ہوتا ہے كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ○ تم اللہ والے ہو جاؤ اس بنا پر کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے ہو اور اسے پڑھتے رہے ہو میری یہ بھی درخواست ہے کہ ہر علاقہ میں متقی اور قرآن شناس علماء کو تلاش کیا جائے اور ان سے استفادہ کی کوشش کی جائے ہر ہفتے چند آیات قرآنی سے آشنائی حاصل کرنے کا ہدف بنایا جائے علاوہ ازیں مدارس کے اساتذہ ،علماء اور مدرسین سے بھی میری درخواست ہے کہ درس تفسیر کو اپنے نصاب تعلیم میں شامل کریں جہاں جہاں فضلاء کرام فقہ کے دروس کو نوٹ فرماتے ہیں وہاں تفسیر کے دروس کو بھی نوٹ فرمائیں یونیورسٹیوں کے اساتذہ کرام اور دوسرے صاحبان قلم کی خدمت میں میری گذارش ہے کہ وہ کسی معتبر تفسیر کا مطالعہ فرمائیں اور روزانہ کے معمولات میں اسے شامل کریں ۔ کیونکہ میدان حشر میں

پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ان الفاظ میں شکایت فرمائیں گے یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْآنَ مَھْجُوْرًا○ خداوندا! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا کہیں ہمارا شمار بھی انھیں لوگوں میں سے نہ ہو جائے صاحبانِ منبر سے میری اپیل ہے وہ اپنی تقاریر میں قرآن مجید اور احادیث کو زیادہ سے زیادہ بیان کریں نہ یہ کہ صرف آیت کو پڑھ کر سارا زور بیان اس پر صرف کر دیں میری اور درخواست بھی ہے کہ قرآنی آیات میں غور وفکر کریں اور ان سے دانش وحکمت کے جواہر حاصل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ قرآن مجید کی طرف سے تفکر وتدبر کی دعوت عام ہے اس نے اپنی اس دعوت کو کسی خاص زمانے کے لیے وقف نہیں کیا تدبر وتفکر سے یقیناً نت نئے نکات ملیں گے احساس کمتری سے دور رہتے ہوئے ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اَسلاف نے تمام مطالب کا ادراک کر کے زمانے کو اس کا ماحصل پیش کر دیا ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہر دور کے لوگوں کو غور وفکر کا حکم نہ فرماتا۔ آخر میں میری یہ بھی گذارش ہے کہ اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد اپنی قیمتی آرا وتجاویز اور تنقید برائے اصلاح سے ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشنوں میں آپ کی آراء کی روشنی میں کام کیا جا سکے جناب حجۃ الاسلام سید جواد بہشتی صاحب، حجۃ الاسلام محمود متوسلی صاحب حجۃ الاسلام بہرام محمدیان اور حجۃ الاسلام علی محمد متوسلی کا شکر گزار ہوں ان احباب نے آیات کی تفسیر اور تکمیل اور کتاب کی ترتیب وتنظیم میں میری نصرت فرمائی۔

محسن قرائتی

خریف ۱۳۷۸ ہجری شمسی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا و نبینا محمد وآلہ الطاھرین

مقدمہ دوم:

اگر چہ سورہ یوسف تفسیر نور کی چھٹی جلد میں چھپ چکی ہے لیکن حضرت یوسف کی داستان بہت زیادہ شیریں اور انتہائی جاذب ہے میں نے اس کی تفسیر وداستان ونکات اور اشارات کو نَسلِ نو کے لیے بہت زیادہ مفید پایا اس لیے میں نے عزم مصمَّم کرلیا کہ اس سورہ کی تفسیر کو ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں چھپواؤں گا تا کہ جو لوگ قرآن کریم کی مکمل تفسیر کا مطالعہ نہیں کر سکتے وہ اس نعمت سے محروم نہ رہیں کم از کم قرآن مجید کے ایک حصے کی آشنائی تو حاصل کرسکیں۔

۱۳۸۰ھ دفتر تفسیر قرآن کی طرف سے ایک مسابقہ منعقد کیا گیا اور صاحبان تدبر کو دعوت دی گئی کہ وہ غور وخوض کریں اگر انہیں جدید نکات ملیں تو ہماری طرف بھیجیں اور خصوصی انعامات حاصل کریں تو اس کوشش وکاوش میں ہمیں ستر خطوط موصول ہوئے جن میں ہزاروں نکات موجود تھے اور ہم نے ان میں سے جدید ترین اور غیر تکراری نکات کا استخراج کیا

موجودہ ایڈیشن تفسیر سورہ یوسف میں نکات و پیام کی تعداد ۹۰۰ تھی ہماری اس نئی کوشش سے ۷۰ ۳ پیام اور ملے جو اُن کے ساتھ ملحق کئے گئے اس کوشش سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے اختیار میں ہے وہ نکات پیدا کرسکتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ قرآن میں جتنا تدبر کیا جائے اسی قدر جدید مطالب سامنے آتے ہیں جو جدید پیام ہمیں ملے ہم نے انہیں اس علامت (☆) سے ظاہر کیا ہے علاوہ ازیں قارئین کرام نے جو تنقید برائے اصلاح کی ہم نے اُس پر بھی غور کیا اور اس پر عمل بھی کیا ہے

آخر میں یہ عرض ہے کہ جن عزیزان نے اپنے مطالب خطوط کے ذریعے ہمیں بھیجے ہیں اُن کے اسماء کا ذکر نہیں کیا گیا تو ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں آخر میں حجۃ الاسلام والمسلمین مجتبیٰ کلپاسی اور اُن کے معاونین کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے بڑی جانفشانی سے کام کیا۔

محسن قرائتی ۸۱۔۲۔۱۵

سورۃ یوسف

پارہ 12-13

سورۃ 12

تعداد آیات 111

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورہ یوسف کی ایک جھلک:

سورہ یوسف مکی سورہ ہے اس میں ایک سو گیارہ آیات ہیں۔حضرت یوسف کا نام قرآن مجید میں ۲۷ مرتبہ آیا ہے پچیس مرتبہ صرف اسی سورہ میں ہے اس سورہ کی آیات ایک دوسرے سے مربوط اور پر کشش انداز لئے ہوئے ہیں یہ آیات حضرت یوسف کی زندگی کے تمام ادوار کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہیں آپ کے بچپن سے لے کر مصر کی وزارت خزانہ تک کے حالات آپ کی عفت و پاکدامنی اور آپ کے خلاف ہونے والی مختلف سازشوں کی ناکامی اور قدرت الٰہی کی جلوہ آرائیاں سب کو اپنے دامن میں لیئے ہوئے ہیں۔حضرت یوسفؑ کی داستان صرف سورہ یوسف میں بیان ہوئی ہے حالانکہ باقی انبیاء علیھم السلام کے حالات قرآن مجید کی مختلف اور متعدد سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔حضرت آدم اور حضرت نوح کی داستانیں بارہ سورتوں میں آئی ہیں حضرت ابراہیمؑ کی داستان اٹھارہ سورتوں میں حضرت صالحؑ کی داستان گیارہ سورتوں حضرت داؤدؑ کی داستان پانچ سورتوں میں حضرت ھود اور سلیمان کی داستان چار سورتوں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت زکریاؑ کی داستان تین سورتوں میں بیان ہوئی ہے(۱)

حضرت یوسف کی داستان تورات کے سفر پیدائش فصل ۳۷ تا ۵۰ میں بیان ہوئی ہے لیکن جب اس کا تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے تو قرآن مجید کی اصلیت اور تورات کی تحریف واضح آجاتی ہے۔جب انسان دنیائے ادب میں قدم رکھتا ہے تو یوسف و زلیخا کی داستان ایک منفرد انداز میں نظر آتی ہے اس داستان پر شعراء نے کام کیا ہے نظامی گنجوی کی منظومہ کتاب یوسف و زلیخا،، اور فردوسی کی کتاب یوسف و زلیخا مشہور ہیں اسی قرآنی داستان میں حضرت یوسف کی عظیم والا شان شخصیت اور حوادث سے بھر پور زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔جبکہ دوسرے انبیاء علیھم السلام کی داستانوں میں زیادہ تر ان کے مخالفین کے حالات ان کا انبیاء کے ساتھ سلوک اور ان کی ہلاکت و نابودی کو بیان کیا گیا ہے کچھ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ عورتوں اور لڑکیوں کو سورہ یوسف کی تعلیم نہ دو لیکن صاحبانِ نظر کی تحقیق کے مطابق ایسی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔ایسی روایات جو نہی پر مبنی ہیں وہ اس لئے کہ اس سورہ میں عزیز مصر کی بیوی زلیخا کے عشق کا منصوبہ بیان ہے لیکن قرآنی بیان کے مطابق اس میں کوئی منفی نقطہ نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1-2

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۝ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝

الف، لام، را، یہ روشن واضح کتاب کی آیات ہیں ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم سمجھ سکو۔

نکات:

حروف مقطعات کے بارے میں مختلف نظریات ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں (۱) قرآن مجید خداوند تعالیٰ کا معجزہ ہے پورا قرآن حروف ابجد سے مرکب ہے۔ حروف ابجد کا استعمال نوع بشر کے ہاتھ میں ہے

(۲) جن حروف سے سورہ کا آغاز ہوا ہے وہی حروف اسی سورہ کا نام ہے (۳) قسم الٰہی کی نوع ہے (۴) خداوند تعالیٰ اور اُس کے پیغمبر اکرم کے درمیان اسرار و رموز ہیں۔ قرآن مجید کی ۲۹ سورتیں ایسی ہیں جن کا آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ اِن تمام نظریات میں پہلا نظریہ سب سے بہتر ہے

عربی زبان کی خصوصیات: ۔ قرآن مجید جس زبان میں بھی نازل ہوتا لوگ اس سے آشنائی حاصل کر لیتے لیکن قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا زبانِ عربی اپنے دامن میں خصوصیات رکھتی ہے (الف) قواعد و قوانین جس طرح عربی زبان پائے جاتے ہیں اسی طرح کسی اور زبان کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے (ب) روایات کے مطابق اھل بہشت کی زبان عربی ہے (ج) جس علاقے میں قرآن مجید نازل ہوا ان کی زبان عربی تھی یہ ممکن نہ تھا کہ آسمانی کتاب کسی اور زبان میں نازل ہوتی

قرآن بھی رحمت و باران بھی رحمت: ۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے قرآن کریم اور بارش کو لفظ نزول کے ساتھ تعبیر کیا ہے اِن دونوں کے درمیان تشبیہات ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(الف) دونوں آسمان سے نازل ہوئے (وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً) ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا

(ب) دونوں خود بھی پاک ہیں دوسروں کو پاک کرنے صلاحیت بھی رکھتے ہیں (وَیُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمۡ) آسمان سے تمہارے لئے پانی برسا رہا تھا تا کہ اس سے تمہیں پاک کرے (رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا ---- یُّعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَیُزَکِّیۡہِمۡ) اَے ہمارے رب ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما۔۔۔۔ اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کر دے

(ج) دونوں وسیلہ زندگی ہیں (دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ) (لِیُحۡیِیَ بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا) تا کہ ہم اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندگی بخشیں

(د) دونوں مبارک اور سرمایہ برکت ہیں (وَ ہٰذَا کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ مُبٰرَکٌ) اور یہ کتاب جو ہم نے نازل ہے بڑی بابرکت ہے (وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا) اور نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا (ھ) جیسے بارش قطرات کی شکل میں نازل

ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید آیات کی شکل میں نازل ہوا (نزول تدریجی)

رد اقوال:۔ یہ بھی ممکن ہے قرآن مجید کو عربی زبان میں اس لئے نازل کیا گیا ہو کہ بعض لوگوں نے کہہ دیا تھا رسول اللہ نے قرآن ایک عجمی سے سیکھا (اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ) اور بتحقیق ہمیں علم ہے کہ یہ لوگ آپ کے بارے کہتے ہیں اس شخص کو ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ جس شخص کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن تو واضح عربی زبان ہے۔

پیام

(۱) قرآن مجید حروف تہجی الف لام را سے تالیف ہوا ہے اگر تم قدرت رکھتے ہو تو انھیں حروف تہجی سے قرآن کی مثل لے آؤ۔

(۲) قرآن مجید بہت بڑے مقام و مرتبے کا مالک ہے۔

(۳) قرآن مجید اپنے قاری کو آغاز میں اپنی آیات کے استحکام سے واقف کرتا ہے پھر اُسے مطالب کی طرف لے آتا ہے (تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ)

(۴) پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کے اندر تدبر و تفکر پر زور دیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ عربی سیکھیں (قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)

(۵) قرآن مجید صرف تلاوت و تبرک کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ نوع انسانی کے لیے وسیلہ تعقل و رُشد ہے (لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)

(۶) قرآن مجید کی تحریریں خود بھی منور اور دوسروں کو بھی منور کرنے والی ہیں ہر تحریر جہاں ہدف دار ہے وہاں ہادی بھی ہے

(۷) قرآن کا نزول کافی نہیں ہے بلکہ اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے (اَنْزَلْنٰهُ ۔۔۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)

آیت نمبر 3

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○

ہم آپ کے سامنے خوبصورت ترین قصے سناتے ہیں اس سے جو ہم نے آپ کی طرف اس قرآن کی وحی بھیجی ہے اگرچہ آپؐ اس سے قبل بے خبر تھے۔

نکات

قصص کا معنیٰ داستان بھی ہے اور داستان کا نقل کرنا بھی ہے کوئی قصہ ہو یا داستان انسانی تربیت میں اس کا بہت بڑا کردار ہے کیونکہ داستان کسی امت کی زندگی کو مجسم صورت میں پیش کرتی ہے اور قوم کے تجربات کو عملی صورت میں پیش کرتی ہے تاریخ اقوام کا آئینہ

ہے تاریخ اور اقوام گزشتہ کے حالات وواقعات سے جس قدر زیادہ معلومات ہوں گے اُسی نسبت سے ان لوگوں کے ساتھ رہن سہن کر چکے ہوں گے۔

نہج البلاغہ کے مکتوب نمبر ۳۱ میں آیا ہے کہ حضرت امام علیؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ سے فرمایا اے میرے فرزند! میں نے گزشتہ اقوام کا اس قدر مطالعہ کیا ہے کہ گویا میں ان کے ساتھ رہ چکا ہوں اور ان کی زندگی کے برابر زندگی بسر کر چکا ہوں۔

انسان پر قصہ و داستان کے موثر ہونے کے دلائل میں سے شاید ایک یہ بھی دلیل ہو کہ فطری طور پر انسان داستانوں کی طرف بہت زیادہ میلان رکھتا ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ تاریخی کتب اور قصے اور کہانیوں نے نوع بشریت کو اس کے آغاز سے بہت زیادہ متاثر کیا کیونکہ ہر کہانی اور قصہ قابل فہم اور قابل درک ہوتا ہے۔ جبکہ استدلالی مباحث اور معقولات کو بہت کم لوگ درک کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید نے حضرت یوسفؑ کی داستان کو احسن القصص کا نام دیا ہے جب روایات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو تمام قرآن کریم کو احسن القصص کہا گیا ہے تو یہاں کوئی ایسی بات نہیں جو ان کے آپس میں تضاد پر مبنی ہو تمام آسمانی کتب میں قرآن کریم احسن القصص ہو سکتا ہے اور تمام قرآنی سورتوں میں سورہ یوسف احسن القصص ہے۔

قرآنی داستانیں

قرآنی کہانیاں عام کہانیوں کی نسبت امتیازی شان رکھتی ہیں۔

(۱) قصہ گو خود خداوند متعال ہی ہے (نَحْنُ نَقُصُّ)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳

(۲) قرآنی کہانیاں اہداف ومنازل رکھتی ہیں (وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ)

(۳) ان کی اساس حق ویقین پر ہے نہ کہ خیال پر (نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ)

(۴) ان کی اساس علم ونور پر ہے نہ کہ وہم وگمان پر (فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ)

(۵) یہ داستانیں غور فکر کا ذریعہ ہیں حیرانیوں پریشانیوں سے دور ہیں (فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ)

(۶) درس عبرت ووعظ ونصیحت ہیں نہ کہ تفریح وسرگرمی (لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ)

داستانِ حضرت یوسف احسن القصص ہے

(۱) معتبر ترین اور عزت وعظمت والی داستان ہے (بِمَآ اَوْحَيْنَآ ۔۔۔۔) اس داستان میں جہاد بالنفس کا ذکر ہے اور جہاد بالنفس ہر جہاد سے بزرگ ترین جہاد ہے

(۳) اس ملکوتی داستان کا ہیرو وہ ملکوتی نوجوان ہے جو تمام کمالات انسانی کا مجموعہ ہے جہاں صبر وایمان ہے وہاں تقویٰ وعفت ہے جہاں امانت وحکمت ہے وہاں عفو واحسان ہے (نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا

الْقُرْاٰنَ ۚ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ)

(۴) یہ داستان اپنے آغاز میں دردناک ہے آزمائش کے بعد ہر زاویہ خوشیوں اور کامیابیوں سے بھرپور ہے مثلاً جناب یوسف کو حکومت مل جاتی ہے۔ برادرانِ یوسف توبہ کر لیتے ہیں اور آپ سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ لیتے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار کو بینائی مل جاتی ہے قحط زدہ ملک خوشحال ہو جاتا ہے عداوت وحسد محبت و پیار میں بدل جاتے ہیں

(۵) اس داستان میں کئی رنگ ہیں جہاں فراق ہے وہاں وصال ہے جہاں غم ہے وہاں خوشی ہے جہاں بھوک وافلاس ہے وہاں خوشحالی وفارغ البالی ہے جہاں وفاداری ہے وہاں جفا کاری ہے جہاں مالک ہے وہاں مملوک ہے جہاں تیرہ وتاریک کنواں ہے وہاں خوبصورت روشن محل ہے جہاں فقر ہے وہاں تونگری ہے جہاں غلامی ہے وہاں بادشاہی ہے جہاں نابینائی ہے وہاں بینائی ہے جہاں تہمت ہے وہاں عفت و پاکدامنی ہے

ہر کام احسن:

(۱) جہاں الٰہی داستانیں حسین و دلربا ہیں وہاں اس توانا ذات کا ہر کام خوبصورت اور احسن ہے کیونکہ (۱) وہ بہترین خالق کون مکاں ہے (اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ) (سورہ مومنون ۴

(۲) وہ اس بہترین کتاب کا مالک ہے نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (سورہ زمر ۲۳)

(۳) وہ بہترین مصور ہے (فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ)

(۴) اس کا دین بہتر و برتر ہے (وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ)

(۵) وہ بہترین جزا دینے والا ہے (لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا) ان تمام بہتریوں کے مقابلے میں خداوند تعالیٰ اپنے بندے سے بہترین عمل کا تقاضا ہے (لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا)

غفلت کے تین معانی:۔ لفظ غفلت قرآن مجید میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے

(الف) ناپسندیدہ غفلت قرآن مجید نے اس غفلت کو یوں بیان کیا ہے (وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ) لوگوں میں سے اکثر ہماری آیات سے غافل ہیں

(ب) پسندیدہ غفلت کے بارے میں قرآن فرماتا ہے (اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ) جو لوگ پاکدامن برائی سے بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں

(ج) فطری غفلت یعنی کسی امر پر مطلع نہ ہونا اس بارے قرآن فرماتا ہے (وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ) پیغمبر اکرمؐ کی عزت وعظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا (وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْجَاهِلِيْنَ)

پیام

(۱) قرآنی داستانوں میں قصہ گو خود خداوند تعالیٰ ہے (نَحْنُ نَقُصُّ)

(۲) قصہ گو مطمئن ہے (نَحْنُ نَقُصُّ)
(۳) تربیت و تاثیر پیدا کرنے کے لئے قصہ کو ان الفاظ کے ساتھ شروع کرنا چاہئے میں چاہتا ہوں کہ میں قصہ بیان کروں (نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ)
(۴) بہترین باتیں بہترین افراد کے اختیار میں ہیں (نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ) ہم احسن ترین قصے بیان کرتے ہیں (۵) دوسرے کے سامنے نمونہ پیش کرنے کے لئے بہترین انتخاب کر کے اس کا تعارف کرایا جائے (اَحْسَنَ الْقَصَصِ)
(۶) قرآن بار بار اپنی داستانوں کو بیان کرتا ہے اور اس کا بیان بہترین و زیباترین بیان ہے (اَحْسَنَ الْقَصَصِ)
(۷) سب سے بہترین داستان وہ ہے جس کی اساس وحی ربانی پر ہو (اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ)
(۸) پیغمبر کو چاہیئے کہ وہ ان کو جانے (اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ) ہم تمہیں قصے بیان کرتے ہیں ۔۔۔ہم نے تیری طرف وحی کی
(۹) پیغمبر اکرمؐ وحی الٰہی سے قبل گزشتہ تاریخ سے ناآشنا تھے (لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ) آپ ناآشنا تھے
(۱۰) قرآن اُن لوگوں میں نازل کیا گیا جو بے خبر تھے (وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ) آپ اس سے قبل غافلین میں سے تھے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۚ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ)

آیت نمبر 4

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ○

جب حضرت یوسف نے اپنے والد سے کہا اے باباجان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا

نکات

(۱) حضرت یوسف کی داستان کا آغاز خواب سے ہوتا ہے۔علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں فرماتے ہیں داستان یوسف خواب سے شروع ہوئی اور انہیں بہتر مستقبل کی بشارت دی گئی تاکہ یہ خوشخبری انہیں الٰہی تربیت کی راہوں میں صابر برد بار بنادے
(۲) جناب یوسف اپنے برادر بنیامین کے بعد پیدا ہوئے جناب بنیامین کے علاوہ باقی بھائی دوسری ماں سے تھے حضرت یعقوب حضرت اسحاق کے فرزند ہیں اور حضرت اسحاق حضرت ابراہیم کے فرزند ہیں
(۳) اولیاء اللہ کے خواب مختلف ہوتے ہیں کچھ تعبیر کی احتیاج رکھتے ہیں۔جس طرح حضرت یوسف کا خواب ہے کچھ خواب تعبیر کے محتاج

نہیں ہوتے عین واقعہ ہوتے ہیں جس طرح حضرت ابراہیم کا خواب تھا جب آپ کو حکم دیا گیا کہ اپنے بیٹے جناب اسماعیل کو ذبح کریں۔

کچھ خوابوں کے بارے میں:۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا خواب کی تین قسمیں ہیں ایک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتا ہے دوسرا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے جو غم واندوہ کا حامل ہوتا ہے تیسری قسم وہ ہوتی ہے جس میں انسان اپنی روز مرّہ کی مشکلات کو دیکھتا ہے۔اکثر اہل دانش وبینش نے اور اس فن کے ماہرین نے خواب دیکھنے کو ناکامی وشکست سے تعبیر کیا ہے ایک قدیم ترین ضرب المثل کو بطور استشہاد کے پیش کیا جاسکتا ہے۔جیسے۔بلی کے خواب میں چھیچھڑے۔کچھ دوسرے ماہرین خواب کو خوف کا نتیجہ قرار دیتے ہیں دلیل کے طور پر یہ ضرب المثل پیش کرتے ہیں کہ اونٹ سے دور ہو کر سوتا کہ خوفناک خواب نہ دیکھے۔ان مختلف آراء کے مطابق خواب کی ایک حقیقت ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

استاد علامہ طباطبائی کا نظریہ:۔علامہ نے اپنی کتاب المیز ان میں فرمایا ہے عالم تین ہیں۔عالم طبعیت و عالم مثال اور عالم عقل ،روحِ انسانی اپنے تجرد اور جوہر ہونے کے اعتبار سے عالم خواب میں ان سے اتصال پیدا کرتی ہے اپنی استعداد اور وسعت کے اعتبار سے حقائق کو درک کرتی ہے۔اگر روح انسانی کمال کے آخری درجے تک رسائی نہیں رکھتی تو حقائق کو دوسرے قالب میں درک کرتی ہے جس طرح ہم بیداری کے عالم میں شجاعت و بہادری کو شیر میں ،مکر وحیلہ کو لومڑی میں،اور بلندی کو پہاڑ میں دیکھتے ہیں اسی طرح علم کو نور کی صورت میں،شادی وعقد کو لباس کی صورت میں جہالت اور بے علمی کو تاریکی کی صورت میں دیکھتے ہیں اب ہم اس حاصل بحث کو چند مثالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو لوگ خواب دیکھتے ہیں اُن کی چند اقسام ہیں

(اول) وہ لوگ جن کی روح کامل اور مجرد ہوتی ہے تو ان کے حواس جب جب عالم خواب چلے جاتے ہیں تو ان کا عالم عقل کے ساتھ رابطہ ہو جاتا ہے تو حقائق کو صاف طور پر دوسری دنیا سے الگ تھلگ دریافت کرتے ہیں (جس طرح ایک ٹیلی ویژن کے ساتھ اِنٹینا ہوتا ہے) جو سٹلائٹ کی موجوں کو دور ترین علاقے سے اخذ کرتا ہے اور ٹیلی ویژن کی سکرین پر بالکل صحت مند تصویر دکھاتا ہے اس طرح ایسی روح رکھنے والے افراد بھی ایسے خواب دیکھتے ہیں جو حقیقت ہوتے ہیں ان کے لئے تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی

(دوم) ایسے لوگ جن کی صلاحیت متوسط قسم کی ہوتی ہے وہ عالم خواب میں حقائق کو غبار آلود صورت میں دیکھتے ہیں ان کے ہمراہ مشابہات اور تخیلات ہوتے ہیں ایسے خوابوں کے لئے مفسر کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح ٹی وی کی سکرین دھندلی ہو جائے تو سکرین پر چلنے والی فلم کی وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔

(سوم) کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی روح اس قدر متلاطم اور ناموزوں ہوتی ہے کہ ان کے خواب کا کوئی مقصد اور مفہوم نہیں ہوتا جیسے ٹی وی کی اس سکرین سے کسی قسم کا کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا جس پر مکمل سفیدی آجائے اور تصویر کا پتہ ہی نہ چلے اس قسم کے خواب قابل تعبیر نہیں ہوا کرتے ۔قرآن کریم ایسے خوابوں کو ،،اضغاث احلام،، کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔یعنی پریشان خواب،ابن سیرین کی کتاب تعبیر خواب میں آیا ہے کہ ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی ،،خواب میں کوئی شخص لوگوں کے منہ اور

شرمگاہ پر مہر لگا رہا ہے،، تو اس نے اس خواب کی تعبیر میں کہا ایسا شخص ماہ رمضان میں مؤذن بنے گا جو اذان کے ذریعے خورد ونوش اور مباشرت کی ممنوعیت کا اعلان کرے گا۔ قرآن مجید نے مختلف سورتوں میں ایسے خوابوں کی نشاندھی فرمائی ہے جن کی حقیقت نے عملی صورت اختیار کی۔ ان میں سے چند قابل ذکر ہیں:

(۱) حضرت یوسف کا خواب انہوں دیکھا کہ انہیں گیارہ ستارے، چاند، سورج، سجدہ کر رہے ہیں جس کی تعبیر یہ ہوئی کہ انہیں حکومت ملی اُن کے برادران اور والدین نے ان کی حکومت کو تسلیم کیا۔

(۲) حضرت یوسف کے دو ساتھی قیدیوں کا خواب کہ جن سے ایک کو رہائی ملی اور دوسرے کو پھانسی ملی۔

(۳) بادشاہ مصر کا خواب کہ کمزور گائیں، موٹی تازی گائیوں کو کھا رہی ہیں۔ اس خواب کی تعبیر اس طرح کی گئی کہ پہلے قحط سالی اور خشک سالی آئے گی اُس کے بعد خوشحالی اور فارغ البالی آئے گی۔

(۴) جنگ بدر میں رسول اللہ نے خواب میں دیکھا کہ مشرکین تعداد کے لحاظ سے بہت قلیل ہیں یہ خواب مشرکین کی شکست کے ساتھ تعبیر ہوا۔

(۵) رسول اللہ نے مسلمانوں کو سر منڈائے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا آپ کا خواب فتح مکہ اور زیارت بیت اللہ سے تعبیر ہوا۔

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے یہ خواب میں دیکھا اسے کہا جا رہا ہے کہ اپنے نومولود کو صندوق میں رکھ کر دریا کی موجوں کے حوالے کر دو (اِذۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّکَ مَا یُوۡحٰۤی اَنِ اقۡذِفِیۡہِ فِی التَّابُوۡتِ) جب ہم تمہاری ماں کی طرف وحی کی کہ تم اُسے (جناب موسیٰ) کو صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ روایات کے مطابق اس وحی سے مراد خواب ہے۔

(۷) حضرت ابراہیمؑ کا خواب: آپ نے دیکھا کہ آپ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ ہم اپنی زندگی میں ایسی شخصیات سے بھی واقف ہیں جو خواب کے ذریعے ایسے امور سے مطلع ہوئے ہیں جن تک عمومی طور پر انسان کی رسائی ناممکن ہے صاحب مفاتیح الجنان حاج شیخ عباس قمی نے اپنے فرزند کو خواب بتایا کہ میرے پاس فلاں صاحب کی کتاب امانت تھی وہ کتاب مالک تک پہنچا دو تا کہ مجھے عالم برزخ میں سکون حاصل ہو جائے جب ان کے بیٹے بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے والد کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق اس کتاب کو تلاش کیا اور مالک کتاب کو دینے کے لئے گھر سے روانہ ہوئے گھر سے باہر نکلتے ہوئے کتاب ان کے ہاتھوں سے گر پڑی اور تھوڑا سا اس کا نقصان ہوا انہوں نے کتاب مالک تک پہنچا دی ساتھ معذرت بھی کی دوبارہ اپنے والد کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا تم نے اسے یہ کیوں نہیں بتایا کہ کتاب گر پڑی تھی اور اس کا نقصان ہوا تھا اگر وہ چاہتا تو اس نقصان کا عوض وصول کرتا یا راضی ہو جاتا۔

پیام

(۱) بیٹوں کو چاہیئے کہ اپنے آباء پر اعتماد رکھیں اور اپنے مسائل زندگی میں ان سے مشورہ کریں (اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ) جناب

یوسف نے اپنے باپ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

(۲) اپنے باپ کو ان کے نام کے ساتھ آواز نہ دیں (یٰۤاَبَتِ) اے باباجان

(۳) والدین اپنے اولاد کی مشکلات کے حل کے لئے اعلیٰ ترین معاون ہوتے ہیں (یٰۤاَبَتِ ۔۔۔۔)

(۴) آباء اور ان کے بیٹوں کو چاہیئے کہ جب ایک دوسرے سے مخاطب ہوں تو رحمت وشفقت سے بھرپور الفاظ استعمال کریں (یٰۤاَبَتِ)

(۵) والدین کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کے خوابوں پر توجہ دیں (یٰۤاَبَتِ ۔۔۔)

(۶) حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں خواب کی تعبیر نہیں جانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر اپنے باپ سے پوچھی (یٰۤاَبَتِ ۔۔۔۔)

(۷) کبھی خواب حقائق کے دریافت کا ذریعہ ہوتے ہیں (اِنِّیۡ رَاَیۡتُ ۔۔) میں نے خواب میں دیکھا۔

(۸) اپنے بھائیوں کو ستاروں کی شکل میں دیکھنا ان کے روشن مستقبل کی علامت تھی (اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا) میں نے گیارہ ستارے دیکھے۔

(۹) آپ نے اپنے خواب میں جو جو چیز دیکھی ان میں سے ہر چیز ایک حقیقت کی طرف اشارہ تھا مثلاً سورج سے والدین کی نشاندھی ہوئی چاند والدہ کے لئے علامت تھی ستاروں سے بھائیوں کی طرف اشارہ تھا (رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا)

(۱۰) سورج اور چاند ستاروں کو اکٹھا دیکھنا حضرت یوسفؑ کے عجیب وغریب خوابوں میں سے ایک تھا (کَوۡکَبًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ) ستارے سورج اور چاند۔

(۱۱) اولیاء اللہ کے خواب حقیقت ہوتے ہیں (رَاَیۡتُ) میں نے خواب میں دیکھا اس آیت مقدسہ میں رایت کا تکرار دلیل ہے کہ میں نے خواب میں ان چیزوں کو حتماً دیکھا ہے کوئی خیالی بات نہیں ہے۔

(۱۲) حضرت یوسف نے جو خواب میں دیکھا کہ سورج چاند ستارے سجدہ کر رہے ہیں یہ تمام موجودات عقل رکھنے والے ہیں کیونکہ "رَاَیۡتُهُمۡ" عاقل افراد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

(۱۳) برگزیدہ انسان عزت وعظمت کے ان مراتب پر پہنچتے ہیں کہ دوسرے انسان ان کا سجدہ کرتے نظر آتے ہیں (رَاَیۡتُهُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ) میں نے انہیں دیکھا وہ میرا سجدہ کر رہے ہیں۔

(۱۴) بعض اوقات کچھ ایسے عظیم المرتبت جوان ہوتے ہیں کہ بزرگ لوگ ان کا سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں (لِیۡ سٰجِدِیۡنَ)

(۱۵) داستان حضرت یوسفؑ خواب سے شروع ہوئی اور اس کا اختتام تعبیر خواب پر ہوا اس داستان کا انداز داستان لکھنے کا بہترین انداز ہے (اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ۔۔۔ رَاَیۡتُهُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ) بہترین قصہ ہے میں نے ان کو خواب میں دیکھا ہے۔

آیت نمبر 5

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا اے میرے فرزند اپنے خواب کو اپنے بھائیوں کے لئے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تیرے خلاف چال چلیں گے یقیناً شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے۔

نکات

زندگی کے اصولوں میں سے ایک اصول راز داری ہے اگر مسلمان اس آیت کریمہ کے پیام پر عمل کرتے تو اس قدر ہمارا علمی سرمایہ قلمی کتابیں، فنی ذخائر اور نوادرات غیر ملکی عجائب گھروں کی زینت نہ بنتے اور غیر ملکی سفارتی عملے اور دوسرے حکومتی کارندے سیاحوں کے بھیس میں ہمارے ملکی ذخائر اور مفادات سے واقفیت حاصل نہ کرتے اور ہمارے راز سادہ لوحی یا خیانت کار افراد کی بد دیانتی کی وجہ سے ان لوگوں کے پاس نہ چلے جاتے جو ہمیشہ ہمارے خلاف سازشوں کے جال بچھاتے رہتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب اس وقت بیان کیا جب وہ خلوت میں تھے ان کے برادران میں سے کوئی بھی ان کے پاس موجود نہ تھا یہ انداز اُن کی عقل مندی اور شعور پر دلالت کرتا ہے۔

پیام

(۱) اپنی اولاد کو شفقت اور مہربانی سے بھرپور الفاظ کے ساتھ خطاب کرنا چاہئے (یٰبُنَيَّ) اے میرے پیارے بیٹے

(۲) والدین کو چاہیے اپنی اولاد کے ساتھ ایک گہرا اور مضبوط رشتہ اُستوار کریں تا کہ ان اولاد ان کے سامنے اپنا مافی الضمیر بیان کر سکے (یٰبُنَيَّ) اے میرے پیارے بیٹے!

(۳) اپنی اولاد کو گھر اور معاشرہ کی فضا میں حسد کے خطرات سے آگاہ کرنا چاہیے (بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ) اے میرے پیارے بیٹے مت بیان کرنا۔۔۔

(۴) اپنے گھر کے تمام افراد بڑے ہوں یا چھوٹے انہیں راز داری کے اصول سکھائے جائیں (بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ) اے میرے پیارے بیٹے مت بیان کر۔

(۵) معلومات و اطلاعات کی طبقہ بندی کرنی چاہیے ان میں سے جو امور خفیہ ہیں اُن کو اور غیر خفیہ کو جدا جدا رکھنا چاہیے (بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ) مت بیان کر۔

(۶) ہر بات ہر ایک کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے (بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ) مت بیان کر۔

(۷) حسد سے بچنے کیلئے فضائل کا چھپانا فائدہ مند ہے۔

(۸) فرزندوں میں سے ایک فرزند کی استعداد کو دوسروں پر منطبق نہیں کرنا چاہیے (یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ) مت بیان کرو۔

(۹) لوگوں کے عادات واطوار اور مزاج معلوم کرنے کے لئے عقلمندی سے کام لینا چاہیے (یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ)

(۱۰) جب بہت سے خواب نا قابل گفتنی ہوتے ہیں تو بہت سی بیداری والی باتیں بھی ایسی ہوتی ہیں جو ہر ایک کے سامنے بیان نہیں کی جاسکتیں (یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ)

(۱۱) حضرت یعقوبؑ کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا گیا تھا (یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ) اپنا خواب کسی کے سامنے بیان نہ کر

(۱۲) کبھی شیطان اپنے پیاروں میں موجود ہوتا ہے (عَلٰٓی اِخْوَتِكَ) تیرے بھائی۔

(۱۳) حفظ ماتقدم علاج سے بہتر ہے (یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ) اپنے بھائیوں سے خواب بیان نہ کرنا کہ وہ تیرے لئے سازشیں تیار کریں گے۔

(۱۴) انبیاء علیہم السلام کے گھروں میں بھی ضد اخلاق مسائل پیدا ہوتے رہے جس میں حضرت یعقوبؑ کے فرزندوں کے درمیان حسد وعداوت پیدا ہوگئی تھی (لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ ... فَیَكِیْدُوْا)

(۱۵) برادران یوسف کو حضرت یوسفؑ کے خواب اور مستقبل میں ملنے والے مراتب سے آگاہی نہ تھی تو انہوں نے جناب یوسف سے یہ سلوک کیا اگر انہیں اطلاع ہوجاتی تو پھر وہ کیا کرتے (لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ ... فَیَكِیْدُوْا)

(۱۶) حسد وکینہ کی آگ کو شعلہ ور نہ ہونے دیجیئے (لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ ... فَیَكِیْدُوْا)

(۱۷) پیش بینی اور دور اندیشی بیش قیمت صفات ہیں (لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ ... فَیَكِیْدُوْا)

(۱۸) افشائے راز کی بعض اوقات بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ (لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ ... فَیَكِیْدُوْا)

(۱۹) بعض اوقات ایک راز اتنا مہم ہوتا ہے کہ اس کے فاش کرنے سے ایک فرد یا بہت سے افراد کی زندگیاں خطرے میں پڑسکتی ہیں (فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا) پس وہ آپ کے لئے خطرناک سازش تیار کریں گے۔ (لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ ... فَیَكِیْدُوْا)

(۲۰) مہم اور حساس موارد میں خطرات کو ان کے وقوع پذیر ہونے سے قبل بھانپ لینا چاہئے (فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا)

(۲۱) حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے جناب یوسفؑ کے خلاف ان کے برادران کی سازش سے مطلع تھے (فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا)

(۲۲) اہم مسائل میں سوءِ ظن کرنا یا کسی کے خصائل بد سے پردہ اُٹھانا کوئی حرج نہیں ہے۔ (فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا)

(۲۳) والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے طبائع وخصائل سے مکمل آگاہ رہیں تاکہ ان کی عملی زندگی کی تدبیر ممکن بن سکے۔ (فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا)

(۲۴) مکر وحیلہ شیطانی افعال ہیں (فَیَكِیْدُوْا ــ اِنَّ الشَّیْطٰنَ) کیونکہ شیطان انسان کا واضح دشمن ہے۔

(۲۵) شیطان ہماری اندرونی عادات واطوار سے استفادہ کرتا ہے اور پھر ہم پر مسلط ہو جاتا ہے (برادران یوسفؑ جناب یوسف سے حسد کرتے تھے ان کا وہی حسد ان کی دشمنی کا سبب بنا سبب بنانے والا شیطان تھا (اَلشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ)

(۲۶) شیطان انسان کا دشمن ہے چاہے وہ پیغمبر زادہ ہی کیوں نہ ہو (اَلشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ)

(۲۷) اولاد کو بچپن ہی سے شیطان کی چالوں سے واقف کر دینا چاہیئے (اَلشَّیۡطٰنَ ــ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ)

آیت نمبر 6

وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَیُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَعَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ اَتَمَّہَا عَلٰۤی اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ○

اس طرح تمھارا پروردگار تمھیں برگزیدہ بنائے گا اور خوابوں کی تعبیر (اور دوسرے امور کی) تکمیل کی تعلیم دے گا اور اپنی نعمات کو تم پر اور خاندان یعقوب پر مکمل کرے گا کہ جس طرح اس سے پہلے آپ کے اجداد ابراہیم اور اسحاق پر کر چکا ہے بے شک آپ کا رب بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔

نکات

(۱) خواب کی تعبیر کا معنیٰ ہے باطنی امور سے آگاہی کلمہ (احادیث) حدیث کی جمع ہے اور اس کا معنیٰ ہے جو کچھ واقع ہوا ہے اس کا بیان کرنا کیونکہ انسان اپنے خوابوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہے اسی لئے خواب کو حدیث کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) حضرت یعقوبؑ نے اس آیت میں اپنے فرزند جناب یوسفؑ کو ان کے خواب کی تعبیر سنائی علاوہ ازیں انہیں ان کے مستقبل کی خبر بھی دی۔

(۳) آیت کے ظاہر سے یہ پتہ چلتا ہے کی جملہ (وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ) کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے یا حضرت یعقوبؑ کی طرف ہے کیونکہ ان کا علم تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے تھا ان کی یہ پیش گوئی بھی صحیح ہے اور اس امر میں اگر اس جملہ کو خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اس میں کوئی معنیٰ نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں حضرت یوسفؑ نبی نہیں تھے۔

پیام

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام خداوند تعالیٰ کی طرف سے برگزیدہ ہوتے ہیں (یَجۡتَبِیۡکَ) آپ کو برگزیدہ بنائے گا

(۲) (اَلۡبَلَآءُ لِلۡوَلَآءِ) جہاں محبت وہاں آزمائش چونکہ حضرت یوسفؑ برگزیدہ تھے اسے لیے انہیں خوب آزمایا گیا تا کہ آزمائش کی بھٹیوں میں کندن بن کر نکلیں (یَجۡتَبِیۡکَ)

(۳) انسان کی قیمت سن وسال سے نہیں ہوتی بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک شخصیت عمر کے لحاظ سے تو ایک بچہ ہے لیکن اپنے اعلیٰ صفات کے اعتبار سے بزرگوں سے بھی بلند و برتر ہوتا ہے۔ (حضرت یوسفؑ اپنے تمام برادران سے چھوٹے تھے) (یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ) آپ کا پروردگار آپ کو برگزیدہ بنائے گا۔

(۴) اولیاء اللہ ایک خواب کے ذریعے افراد کے مستقبل کو پڑھ لیتے ہیں (یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ) آپ کا پروردگار آپ کو برگزیدہ بنائے گا اور تعلیم دے گا۔

(۵) اہم علوم وکلیدی واساسی دانش وبینش کا حاصل کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں پہلے اہلیت رکھنے والے افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے پھر انہیں یہ علوم سکھائے جاتے ہیں (یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ)

(۶) خداوند تعالیٰ کی طرف سے اسی کے بندگان خاص کو جو پہلا ہدیہ ملتا ہے وہ علم ہوتا ہے (یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ)

(۷) انبیاء کرام خداوند تعالیٰ کے بلاواسطہ شاگرد ہوتے ہیں (وَیُعَلِّمُكَ) وہ آپ کو تعلیم دے گا۔

(۸) تعبیر خواب کا تعلق ان امور سے ہے کہ جس کو خداوند تعالیٰ اپنے بندے کو عطا کرتا ہے۔ (یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ) وہ آپ کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا۔

(۹) تعبیر خواب کا تعلق علم غیب سے ہے (یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ)

(۱۰) جو علم حضرت یوسفؑ کو عطا ہوا تھا وہ محدود تھا کیونکہ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ کے جملہ میں مِنْ تبعیضیہ آیا ہے جو محدودیت کی دلیل ہے یعنی آپ کو تعبیر خواب کا کچھ علم دیا گیا تھا۔

(۱۱) مقام نبوت وحکومت نعمات خداوندی میں اولین اور اتم حیثیت رکھتی ہیں (یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ) اور اس کی نعمت مکمل ہو جائے۔

(۱۲) قرآن کی زبان میں اجداد والد کے حکم میں استعمال ہوئے ہیں (یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ)

(۱۳) علم ایک فرد کا اور ہدایت ربانی اور اہلیت وقابلیت خود اس کیلیے اس کے خانوادہ کے لیے اس کے خویش واقارب کے لیے نعمت اور تحفہ خداوندی ضروری ہے۔ (یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ)

(۱۴) آل یعقوب پر نعمات پروردگار کی تکمیل برادران یوسف کی عاقبت کی خبر دے رہی ہے کہ ان کی عاقبت کس طرح کی ہوگی (یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ)

(۱۵) انبیاء الٰہی کے انتخاب کی اساس علم وحکمت الٰہیہ پر ہے (یَجْتَبِیْكَ) آپ کو برگزیدہ بنائے گا عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ آپ کو برگزیدہ بنائے گا۔

آیت نمبر 7

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ○

بتحقیق جناب یوسفؑ اور ان کے برادران کی داستان میں سوال کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

نکات

حضرت یوسفؑ کی زندگی کی اس عظیم الشان داستان میں بہت زیادہ نشانیاں ہیں اس میں خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے حسین نظارے ہیں اور متلاشیان حق وحقیقت کے لیے عبرت ونصیحت کے بے پناہ خزانے پوشیدہ ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) حضرت یوسفؑ کا پراسرار خواب

(۲) خوابوں کی تعبیر کا علم

(۳) حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹے کے روشن مستقبل کا علم ہوجانا

(۴) کنویں میں جانا لیکن تکلیف سے محفوظ رہنا

(۵) حضرت یعقوبؑ کی بینائی کا چلا جانا پھر واپس آجانا

(۶) آغاز میں تاریک کنواں انجام تاج وتخت

(۷) کبھی قیدِ تنہائی اور کبھی وزارت وامارت

(۸) عفت وپاکدامنی کے باوجود تہمتِ ناپاکی

(۹) فراق ووصال

(۱۰) غلامی اور بادشاہی

(۱۱) گناہ سے فرار اور زندان سے محبت

(۱۲) خطاکار برادران کو معاف کردینا

ان تمام آیات میں اسرار پوشیدہ ہیں ہر سوال کے لیے شافی وکافی جواب چاہیئے ہر جواب خوبصورت اور روشن زندگی کے لیے سرمایہ ہے۔

(۱) حسد کتنی بری صفت ہے جو انسان کو برادر کشی پر آمادہ کردیتی ہے

(۲) دس آدمی کس طرح ایک جرم میں اتفاق کرلیتے ہیں؟

(۳) حضرت یوسفؑ نے اپنی بزرگواری کو سامنے رکھتے ہوئے کس طرح اپنے بھائیوں کے مظالم کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں معاف کردیا؟

(۴) ایک ملکوتی انسان لذت گناہ پر یادِ خدا کو ترجیح دیتے ہوئے زندان کو کیسے اختیار کرلیتا ہے؟

(۵) یہ سورہ پیغمبر اکرم ﷺ پر اس زمانے میں نازل ہوئی جس زمانے میں آپ شدید ترین اقتصادی بحران کا شکار تھے آپ کی دلداری کے لیے یہ پیغام لیکر نازل ہوئی کہ اے پیغمبر گرامی! اگر آپ کے بعض رشتہ دار آپ پر ایمان نہیں لاتے تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے برادران یوسفؑ نے تو جناب یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔

پیام

(۱) داستان بیان کرنے سے قبل سامعین کو داستان سننے اور اُس سے عبرت حاصل کرنے کے لیے آمادہ کرنا چاہیئے (لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ) جناب یوسف اور ان کے برادران کی داستان میں سوال کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

(۲) حسد ایک بدترین آفت ہے جو ایک گھر کے شفقت و محبت بھرے ماحول کو درہم برہم کر دیتا ہے (لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ)

(۳) داستان یوسف کے دو محور ہیں ایک یوسف اور دوسرے ان کے بھائی پوری داستان ان دونوں کے گرد گھومتی ہے اس کہانی کو جہاں سے شروع کریں نتیجہ پر پہنچیں (لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ)

(۴) داستان تو صرف ایک ہے لیکن نکات اور دروس کہ جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے وہ بہت زیادہ ہیں (اٰيٰتٌ)

(۵) اس داستان کے اندر تمام سوالات حقیقت تک پہنچنے کا راستہ ہیں (اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ)

(۶) جب تک سننے کی تڑپ نہ پیدا کی جائے اور سیکھنے کا عشق پیدا نہ ہو اس وقت تک قرآن سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ (لِّلسَّآئِلِيْنَ)

(۷) قرآن مجید کی داستانیں اپنے اندر انسانی زندگی کے مسائل کے حل کا نظام رکھتی ہیں (لِّلسَّآئِلِيْنَ)

آیت نمبر 8

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚ○

جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور انکا بھائی یہ ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم طاقتور ہیں یقیناً ہمارا باپ کھلی گمراہی میں ہے۔

نکات

(الف) "عُصْبَةٌ" متحد اور طاقتور گروہ کو کہا جاتا ہے کیوں کہ ایسے گروہ میں بدن کے اعصاب کی مانند وحدت ہم بستگی ہوتی ہے اور بدن کے اعصاب ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔

(ب) حضرت یعقوبؑ کے دو فرزند (جناب یوسفؑ اور بنیامین) ایک ماں سے تھے اور باقی بیٹے دوسری ماں سے تھے حضرت

یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے اس لئے محبت تھی کہ وہ سب سے چھوٹے تھے یا پھر اُن کے کمالات پر نظر رکھتے ہوئے اُن سے محبت رکھتے تھے اسی وجہ سے بھائیوں نے ان سے حسد کیا حسد کرنے کے علاوہ وہ غرور وتکبر میں مبتلا تھے انہوں نے کہا "نَحْنُ عُصْبَةٌ"، یہ کلمہ ان کے تکبر پر دلالت کرتا ہے اسی غرور وحسد کی بنا پر انہوں نے اپنے والد کہ بارے میں کہہ دیا تھا کہ وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اپنے بیٹوں سے محبت نہیں کرتے۔

(ج) معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں کہ وہ خود اپنے آپ کو کمالات کی سربلندی پر پہنچانے کی بجائے بلند بالا افراد کو پستی کی طرف کھینچنے کی کوشش میں رہتے ہیں خود تو محبوب نہیں ہوتے محبوب لوگوں کی کردار کشی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(د) تفریق اور تفاوت کے درمیان فرق ہے تفریق کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو دلیل کے بغیر برتری دی جائے جبکہ تفاوت اِستعداد و لیاقت کی بنیاد پر ہوتا ہے جیسے استاد کا اپنے شاگردوں کو نمبر دینا کیونکہ شاگردوں کی اِستعداد کے مطابق نمبر دیئے جاتے ہیں کیوں کہ اُن کے درمیان فرق ہوتا ہے لیکن یہ فرق حکمت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ ظلم پر۔ حضرت یعقوبؑ کا یوسف سے محبت کرنا دانش وحکمت پر مبنی تھا ظلم کی بنیاد پر نہ تھا لیکن برادران یوسف نے اس محبت اور علاقہ کو بغیر دلیل کے سمجھا۔

(ر) کبھی کبھار زیادہ محبت وعلاقہ پریشانیوں کا سبب بن جاتا ہے حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے بے پناہ محبت تھی اور یہی امر اُن کے بھائیوں کے لئے حسد اور کنوئیں میں ڈالنے کا سبب بنا اسی طرح زلیخا کی محبت وعلاقہ بھی جناب یوسفؑ کے زندان کا سبب بنا جب زندان کا انچارج جناب یوسفؑ کے اخلاق کا گرویدہ ہوا تو اس نے جناب یوسفؑ سے کہا میں آپ کو اپنا دوست سمجھتا ہوں تو جناب یوسفؑ نے فرمایا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں اس دوستی کے پیچھے کوئی مصیبت نہ ہو۔

پیام

(۱) حسد ایک ایسا مرض ہے جو سن وسال کو نہیں دیکھتا وہ بزرگوں کو ان کی بزرگواری کے باوجود اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے وہ بچوں سے حسد کرنے لگتے ہیں (جناب یوسفؑ چھوٹے سے بچے تھے اور ان کے برادران جوان تھے انہوں نے چھوٹے سے بچے کے ساتھ حسد کیا (لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ) یقیناً یوسفؑ اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے زیادہ محبوب ہیں۔

(۲) اگر اولاد میں احساس تفریق پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان حسد کی تیز وتند آگ کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں (اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا)

۳۔ ہر انسان کے اندر محبوب ومعشوق ہونے کی خواہش موجزن رہتی ہے جب وہ اپنے بارے میں محبت کے جذبات کو نہیں پاتا تو وہ حیرانی وپریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے (اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا)

(۴) حضرت یعقوبؑ کو اپنے تمام بیٹوں سے محبت تھی (اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا) لیکن برادران یوسف کہتے تھے کہ جناب یوسفؑ سے زیادہ محبت کرتے ہیں حالانکہ محبوب ہمیں ہونا چاہیئے تھا۔

(۵) طاقت وقوت کے بل بوتے پر محبوب نہیں بنا جا سکتا (برادرانِ یوسف طاقت وقدرت تو رکھتے تھے لیکن اپنے والد کے محبوب نہ تھے) (اَحَبُّ ... نَحْنُ عُصْبَةٌ)

(۶) جب افراد یکجا ہو جاتے ہیں تو ان میں طاقت وقوت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے "نَحْنُ عُصْبَةٌ" ہم ایک طاقت ور جماعت ہیں

(۷) اگر کوئی گروہ کسی صحیح اور نیک و پارسا رہبر کے بغیر کام کر رہا ہو تو وہ بہت جلد تحلیل ہو جاتا ہے "نَحْنُ عُصْبَةٌ" کی دلیل بتاتی ہے کہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا وہ صحیح رہبر کی قیادت میں نہ تھے

(۸) انسان جب گناہ وخطا کا ارتکاب کرتا ہے اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا ہے اور اپنے غلط کام کو بھی تاویل کے لبادے میں لپیٹ کر صحیح بنانے کی کوشش کرتا ہے (برادران اپنے آپ کو متحد وقوی جانتے تھے اس لئے انہوں نے کہا نَحْنُ عُصْبَةٌ اور اپنے والد کے بارے میں کہا (اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ) انہوں نے اپنے حسد کی اس طرح توجیہہ وتاویل کی

(۹) ان جوانوں نے اپنے آپ کو عقل کل سمجھا اور اپنے والدین کی بات کو اہمیت نہ دی (نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ)

(۱۰) جب انسان طاقت وقوت کے گھمنڈ میں آتا ہے تو اس کی عقل اندھی ہو جاتی ہے (اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ)

(۱۱) جب انسان اپنا معیار و پیمانہ غلط بناتا ہے تو نتیجہ بھی غلط آتا ہے جب انہوں نے معیار اپنی طاقت اور تعداد کو بنایا تو انہوں نے اقلیت کی طرف انحراف کی نسبت دی (اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ)

(۱۲) جو لوگ خود پسند ہوتے ہیں وہ ناکام ہوتے ہیں تو انہیں چاہیئے تھا کہ ان عوامل کو اپنے اندر تلاش کریں وہ دوسروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں (اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ) کہ ہمارا والد منحرف ہے

(۱۳) حسد ایک ایسی بلا ہے جس کے سامنے نبوت کی کوئی حیثیت ہے اور نہ باپ کی کوئی حیثیت ہے بیٹے اپنے اُس والد کی طرف بے انصافی اور گمراہی کی نسبت دے دیتے ہیں جو صرف والد ہی نہیں نبی بھی ہے (اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ)

آیت نمبر 9

اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ○

یوسف کو قتل کر دو یا کسی اور سرزمین پر لے جا کر ڈال دو تا کہ تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے اور تم اس کے بعد پھر نیک لوگ بن جانا۔

نکات

(الف) انسان کسی نعمت کے مقابلے میں چار حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے دوچار ہوتا ہے وہ چار حالتیں یہ ہیں۔

حسد، بخل، ایثار، رشک،

حسد: ۔ جب انسان دوسروں کے پاس کوئی نعمت دیکھے اور خود اس کے پاس نہ ہو تو وہ اس کی خواہش کرے کہ ان کے پاس یہ

نعمت کیوں ہے تو اس کو حسد کہتے ہیں

بخل:۔ جب انسان دوسروں کے پاس کوئی نعمت ہو اور وہ یہ خیال کرے صرف اُسے میرے پاس ہونا چاہیئے اُس کے علاوہ کسی اور پاس نہ ہو

ایثار:۔ انسان کی اس حالت کا نام ہے جب وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نعمت جو میرے پاس ہے یہ دوسروں کے پاس ہونی چاہیئے

رشک:۔ جب انسان دوسروں کے پاس کسی نعمت کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کاش یہ میرے پاس بھی ہوتی تو اس کیفیت کو رشک کہا جاتا ہے حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں بعض اوقات اپنے بعض بچوں کو از راہ محبت اپنے زانوؤں پر بٹھاتا ہوں حالانکہ وہ اس قدر اس کے مستحق بھی نہیں ہوتے صرف اس لئے ایسا کرتا ہوں کہ کہیں میری اولاد میں ایک دوسرے کے خلاف حسد پیدا نہ ہو جائے اور جناب یوسف والی داستان نہ دہرائی جائے (تفسیر نمونہ نقل از بحار ج ۷۴ ص ۷۸)

پیام

(۱) خطرناک سوچ انسان کو خطرناک کاموں کے بھیانک انجام تک پہنچا دیتی ہے (لَيُوْسُفُ ... اَحَبُّ ... اقْتُلُوْا)

(۲) جب اولاد میں احساس تفریق پیدا ہو جائے تو یہی احساس تفریق انسان کو بھائی کے قتل کی منزل پر لے آتا ہے (اگر چہ جناب یعقوبؑ کی جناب یوسفؑ سے محبت بغیر دلیل کے نہ تھی بلکہ ان کے کمالات کی خاطر تھی لیکن بھائیوں نے تفریق محسوس کی انہوں نے خیال کیا کہ ان سے بے پناہ محبت کوئی دلیل نہیں رکھتی اسی احساس نے انہیں سازش کرنے پر اکسایا (لَيُوْسُفُ .. اَحَبُّ .. اقْتُلُوْا)

(۳) سطحی لوگوں کی نگاہ میں اپنے رقیب کو راستے سے ہٹا دینا کامیاب پہلو ہے (اقْتُلُوْا يُوْسُفَ)

(۴) حسد انسان کو اتنا سنگدل بنا دیتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کا گلا کاٹنے کی حد پر آ جاتا ہے (اقْتُلُوْا يُوْسُفَ)

(۵) خطا کاروں نے اپنی خطا کو سرانجام دینے کے لئے منصوبہ بندی کی ایک نقطے پر اِیکا کر کے اپنے آپ کو طاقتور بنایا بھائیوں نے آپس میں یہ طے کیا (اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ) اسے قتل کر دو یا کسی دور دراز علاقے میں پھینک دو

(۶) انسان محبت کا خواہشمند ہوتا ہے جب وہ اپنی محبت میں کمی دیکھتا ہے تو بے راہ روی اور انحرافات کا شکار ہو جاتا ہے (يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ)

(۷) حاسدین یہ خیال کرتے ہیں کہ جب کسی کا محبوب اسکی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا تو وہ اس کی جگہ محبوب بن جائیں گے (برادران یوسف نے یہ سوچا تھا جب یوسف کو ٹھکانے لگا دیں گے تو اپنے والد کی محبت کا مرکز بن جائیں گے)

(۸) قرآن کریم تو یہ فرماتا ہے کہ کسب محبوبیت ایمان اور عمل صالح سے ممکن ہے (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا) جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور نیک اعمال کئے ان کے لئے رحمن خدا محبت قرار دینے والا ہے) شیطان نے انہیں محبت کے حصول کے لئے برادر کشی کی راہ دکھائی (اقْتُلُوْا .. وَجْهُ اَبِيْكُمْ)

(۹) شیطان کل کی توبہ کی امید پر انسان کے لئے آج گناہ وخطا کا راستہ کھول دیتا ہے (وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ)
(۱۰) حاسد خیال کرتا ہے کہ دوسروں کو نابود کر کے ان کی نعمات کو خود ہتھیا لے گا (اقْتُلُوْا ۔۔ وَجْهُ اَبِيْكُمْ)
(۱۱) یہ بھی ضروری نہیں کہ انسان علم وآگاہی رکھتا ہو اور انحرافات کا شکار نہ ہو حالانکہ برادران یوسف جانتے تھے کہ یوسف کا قتل اور جلاوطنی بدترین جرم ہے لیکن جاننے کے باوجود اقدام کیا (وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ)
(۱۲) گناہ کا ارادہ کر کے اپنے آپ کو تسلی خود فریبی ہے اور اپنے اوپر گناہوں کا راستہ کھولنے کے مترادف ہے (وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ)

آیت نمبر 10

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ○

ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو تو مسافروں کے قافلوں میں سے کوئی اسے اٹھا کر لے جائے گا اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو۔

نکات

(الف) کلمہ "جُبّ" اس کنوئیں کو کہا جاتا ہے جس کے کنارے پتھروں سے پختہ نہ کئے گئے ہوں اور "غَيٰبَتِ" ایسے طاقوں کو کہتے ہیں جو کنوئیں کی دیواروں میں پانی کے نزدیک بنائے جاتے ہیں کہ اگر اوپر سے دیکھا جائے تو اندر کا ماحول نظر نہ آئے ایسے کنوئیں کو اندھا کنواں کہا جاتا ہے

(ب) نہی عن المنکر کی برکات ایسی ہوتی ہیں جو مستقبل میں نظر آتی ہیں "لَا تَقْتُلُوْا" نھی نے جناب یوسفؑ کو بچا لیا اس کے چند سال بعد ایک ملک کو قحط کی بلا سے چھٹکارا دلایا جس طرح کہ آسیہ زنِ فرعون نے فرعون کو جناب موسیٰ کے متعلق "لَا تَقْتُلُوْا" کی نہی کر کے جناب موسیٰ کی جان بچالی تھی پھر کچھ عرصہ کے بعد جناب موسیٰ نے بنواسرائیل کو فرعون کے شر سے بچا لیا تھا اور یہ خداوند کے وعدہ کی روشن دلیل ہے کہ فرماتا ہے (وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا) جس نے ایک انسان کو بچایا اُس نے گویا تمام انسانوں کو بچایا (مائدہ ۳۲)

پیام

(۱) کبھی کسی جماعت میں سے ایک فرد نہی عن المنکر کرتا ہے تو ایک فرد کی نہی پورے گروہ کی نمائندگی کرتی ہے (ان میں سے ایک نے کہا اسے قتل نہ کرو تو اس نہی نے پورے گروہ کا نظریہ بدل دیا (قَالَ قَآئِلٌ ۔۔۔)

(۲) کہنے والا اتنا اہم نہیں ہوتا جو کلام اس کا ہوتا ہے وہ اہم ہوتا ہے (قَالَ قَآئِلٌ۔۔۔)

(۳) ہمیں کبھی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیئے (اس مضبوط گروہ میں ایک فرد تھا وہ ان کے منصوبے قتل میں شامل نہ ہوا اس نے اپنی رائے پیش کر دی (قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا۔۔)

(۴) اگر کوئی برائی سے کلی طور پر نہیں رک رہا تو پھر بھی ہر ممکن کوشش کرنا چاہیئے تا کہ وہ اپنے ظلم و بربریت میں کمی کرنے آمادہ ہو جائے (لَا تَقۡتُلُوۡا۔۔۔وَاَلۡقُوۡهُ۔۔)

(۵) ی ناپسندیدہ امور میں مشاورت ایسی راہوں کو کھول دیتی ہے جن پر چل کر انسان بہتری کو پا لیتا ہے (لَا تَقۡتُلُوۡا۔۔۔ وَاَلۡقُوۡهُ)

(۶) کبھی افسد کو دفع کرنے کے لئے فاسد کو قبول کرنا پڑتا ہے (اسے قتل نہ کرو بلکہ کنوئیں میں ڈال دو (لَا تَقۡتُلُوۡا۔۔۔وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ۔۔)

(۷) جب نہی عن المنکر کریں تو فورا کچھ اور کرنے کا مشورہ دیں (اگر ہم کہیں کہ یہ کام نہ کرو تو اس کے ساتھ یہ کہیں اب تم یہ کرو (لَا تَقۡتُلُوۡا۔۔وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ)

آیت نمبر 11

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ○

انہوں نے کہا کہ اے بابا جان کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے ہم پر اطمینان نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم ان کے خیر خواہ ہیں

پیام

(۱) جو خود مفسد ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں (اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ)

(۲) عام لوگ قابل اطمینان نہیں ہوتے چاہے وہ سگے بھائی ہی کیوں نہ ہوں (آیات سے معلوم ہوتا ہے اس واقعہ سے قبل برادرانِ یوسف کو اپنے ساتھ لے چلنے کی اپنے والد کے حضور درخواست کر چکے تھے لیکن جناب یعقوبؑ نے ہر مرتبہ انکار کیا تھا اِس لئے انہوں نے (مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا) کے کلمات کے ساتھ اپنے والد محترم کو خطاب کیا تھا

(۳) ہر خوبصورت نعرے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے ہر فرد کی ظاہری بھرپور شخصیت بھی قابل اعتماد نہیں ہوتی خیانت کار اپنا نام ناصح رکھ لیتے ہیں (لَنٰصِحُوۡنَ)

(۴) دشمن اپنے سے بدگمانی کو دور کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو قابل اطمینان بنانے کے لئے بھرپور کوشش کرتا ہے (اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ)

(۵) خائن انسان اپنا جرم دوسروں پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے (مَالَكَ)

(۶) انسان روز اول ہی سے خیر خواہی کے نام پر فریب کھاتا آیا ہے شیطان نے بھی جناب آدم اور جناب حوا سے کہا تھا میں تمہارا خیر خواہ ہوں (وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ) (اعراف ۲۱)

(۷) حسد انسان کو جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے کی ترغیب دیتا ہے چاہے اس کے سامنے اس کے خویش و اقارب ہی کیوں نہ ہوں (اِنَّآ لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ)

آیت نمبر 12

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○

انہیں کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ کچھ کھا پی لے اور کھیل کود کرے ہم سب ان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

نکات

(الف) انسان فطری طور پر سیر و سیاحت اور تفریح و ورزش کا ضرورتمند ہے اس آیت کریمہ میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ جس مضبوط ترین منطق نے حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں کی خواہش پوری کرنے پر آمادہ کیا تھا وہ یہی منطق تھی کہ حضرت یوسفؑ کو سیر و تفریح کی ضرورت ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو اپنی تفریح اور سیر و ورزش کے لئے ایک وقت معین کرنا چاہیئے تا کہ اس طرح سے وہ اپنے روز مرہ کے امور دلجمعی کے ساتھ نبھا سکے (نہج البلاغہ حکمت ۳۹۰)

(ب) ماضی کو چھوڑیئے حال اور استقبال کی بات کیجئے کھیل اور ورزش کے نام پر نوجوانوں کو اپنے ہدف سے ہٹا کر مصروف کر دیا گیا ہے اور کر دیا جائے گا کھیلوں پر بھرپور طریقے اور سنجیدگی سے کوشش کی جاتی ہے تا کہ یہی سنجیدگی کھیلوں کا دوسرا نام بن جائے آجکل کی استعماری استکباری طاقتیں نہ صرف ورزش و کھیل سے ناجائز مفاد حاصل کرتے ہیں بلکہ ہر مقبول اور پسندیدہ نام سے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں سفارت کے عنوان سے ماہر اور تربیت یافتہ جاسوسوں کو دوسرے ممالک بھیج دیتے ہیں فوجی مشاورت کے نام پر سازشوں کے جال بُنتے ہیں اور عسکری اور دفاعی راز حاصل کرتے ہیں انسانی حقوق کے نام پر اپنے ایجنٹوں اور نمک خواروں کی مدد کرتے ہیں ادویات کے عنوان سے اپنے ایجنٹوں کو اسلحہ سپلائی کرتے ہیں اقتصادی ماہرین کے بھیس میں کمزور ملکوں کو اور کمزور کرتے ہیں زرعی ادویات کے عنوان سے زراعت اور کھتی باڑی کو ویران کرتے ہیں حتّٰی کہ اسلامی سکالروں نام سے اسلامی تعلیمات کے برعکس کرتے ہیں۔

پیام

(۱) اولاد کی تفریحات والد کی اجازت پر منحصر ہوتی ہے (اَرْسِلْهُ)

(۲) جوانوں کو تفریح و ورزش کی ضرورت ہے (وَيَلْعَبْ)

(۳) برادران یوسف نے ایک جائز اور منطقی ذریعے کو فریب کاری کے لئے استعمال کیا (اَرْسِلْهُ .. وَيَلْعَبْ)

(۴) اگر والد یا سرپرست اپنے فارغ اوقات میں اپنے بچوں اور نوجوانوں کیلئے مناسب ورزش و تفریح کا برنامہ تجویز کریں تو دوسرے لوگوں کو نوجوانوں اور بچوں سے ناجائز مفاد حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکتا (برادران جناب یوسفؑ نے جناب یوسفؑ کی اس ضرورت سے سوء استفادہ کیا تھا) (يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ)

(۵) بچوں کے کھیل کود کے درمیان ان کی نگرانی کرنی چاہیئے تا کہ اُنہیں کوئی نقصان نہ پہنچے (لَحٰفِظُوْنَ)

(۶) بعض اوقات جب کسی ایک موضوع پر اسرار کیا جارہا ہو تو یہ حالت کسی سازش کی علامت ہوتی ہے (وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ)

آیت نمبر 13

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ○

یعقوبؑ نے فرمایا مجھے اس (بات) سے صدمہ ہوگا کہ تم انہیں لے جاؤ اور ڈرتا ہوں کہ انہیں بھیڑیا نہ کھالے درحالانکہ تم ان سے غفلت میں رہو۔

پیام

(۱) اولاد کے بارے میں دلسوزی اور محبت انبیاء علیہم السلام کے خصائل میں سے ایک ہے (لَيَحْزُنُنِيْٓ ... اَخَافُ)

(۲) جدائی اور فراق جہاں ہر ایک کے لئے حزن آور ہے وہاں انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی حزن آور ہے (لَيَحْزُنُنِيْٓ .. اَخَافُ)

(۳) خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر طرح سے آزماتا ہے اور اسی امر میں جو اس کے بندے کے لئے بہت زیادہ حساسیت والا ہوتا ہے (جناب یعقوبؑ اپنے بیٹے جناب یوسفؑ کے بارے میں بہت حساس تھے فراق یوسف اُن کے لئے آزمائش بن گیا (لَيَحْزُنُنِيْٓ ... اَخَافُ)

(۴) ناقابل اعتماد لوگوں کو راستے گھڑ کر نہ دیئے جائیں (اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ) باپ کو اپنے بیٹوں کے حسد کا علم تھا تو انہوں فرمایا تھا یوسف جو تم نے خواب دیکھا ہے اُسے اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا لیکن یہاں جناب یعقوبؑ ان کے حسد کی بات نہیں کرتے بلکہ بھیڑیئے اور ان کی غفلت کا بہانہ درمیان میں لاتے ہیں۔

(۵) اپنی اولاد میں خود اعتمادی پیدا کیجئے والد کی اپنی اولاد سے محبت اور انہیں خطرات سے محفوظ رکھنا یہ دو اصول ہیں لیکن اولاد میں خود اعتمادی پیدا کرنا بھی ایک اصل ہے حضرت یعقوبؑ نے جناب یوسفؑ کو ان کے بھائیوں کے ساتھ روانہ کر دیا تا کہ نوجوان

آہستہ آہستہ اپنے والد کی جدائی کے لمحات برداشت کرے اور اپنے لئے اچھے دوستوں کا انتخاب کرے غور وفکر کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے گُر سیکھے خواہ اس کے لئے اسے مصائب ہی کیوں نہ جھیلنا پڑیں۔

(۶) اپنی حساسیت ہر ایک کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیئے کہ ممکن ہے کہ خود اسی انسان کے لئے وہی اظہار مصیبت بن جائے (اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ)

(۷) غفلت مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے (یَّاْکُلَهُ ... غافلون)

آیت نمبر 14

قَالُوْا لَئِنْ اَکَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ○

(فرزندان جناب یعقوبؑ نے کہا) اگر اسے بھیڑیا کھا گیا اس صورت میں ہم ایک مضبوط جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں تو ہم یقینا بڑے خسارے میں ہیں۔

پیام

(۱) کبھی بزرگ افراد از روئے تجربات و مشاہدات خطرات کو بھانپ لیتے ہیں اور نوجوان اپنی قدرت وطاقت پر مغرور رہتے ہیں اور خطرات کے احساس کو شوخی خیال کرتے ہیں (وَنَحْنُ عُصْبَةٌ) باپ خوفزدہ ہے اور بیٹے اپنی طاقت پر مغرور ہیں۔

(۲) طاقتوری امین ہونے کی دلیل نہیں ہے برادرانِ یوسف طاقتور تھے "وَنَحْنُ عُصْبَةٌ" لیکن امین نہیں تھے۔

(۳) برادرانِ یوسف نے جب اپنے والد کی یہ بات سنی کہ انہیں کہیں بھیڑیا نہ کھا جائے تو انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم محافظت ونگرانی کریں گے کیونکہ ایسا کہنے سے ان کی طاقت وقدرت مخدوش ہوجاتی انہوں نے اسکے برعکس کہا (وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ)

(۴) اگر کوئی آدمی ذمہ داری قبول کرلے اور پھر اسکو نہ نبھائے تو پھر اس صورت میں سرمایہ، اپنی شخصیت، آبرو کو برباد کر دے گا اور غیر ذمہ دار اور زیان کار کے نام سے شہرت پائے گا (لَّخٰسِرُوْنَ)

(۵) ظاہر میں کچھ ہونا اور باطن میں کچھ ہونا سازشی افراد اور منافق کی صفات ہیں (برادران یوسف نے اپنے والد کی بارگاہ میں کہا) (اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ)

(۶) اپنے مجرمانہ ہدف تک پہنچنے کے لیے جب وہ تیار تھے تو انہوں نے اپنی آبرو اور شخصیت کا خیال نہ رکھتے ہوئے کہہ دیا (اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ)

آیت نمبر 15

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ○

پس جب وہ انہیں لے گئے اور اس پر اتفاق کر لیا کہ انہیں اندھیرے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے ان کی طرف اپنی وحی بھیجی کہ تم انہیں آئندہ ان کی اس کارگزاری کو بتلاؤ گے جب کہ انہیں اس کا شعور نہیں ہوگا۔

نکات

(۱) چند انسانوں کا کسی امر پر اجماع و اتفاق حقانیت کی دلیل نہیں ہے (وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ)

(۲) بعض اوقات منصوبہ سازی اور اس پر عمل کرنے کے درمیان فاصلہ ہو جاتا ہے (برادرانِ یوسفؑ کا منصوبہ تو یوسفؑ کو کنویں میں ڈالنے کا تھا (اَلْقُوْهُ) لیکن جب عمل کا وقت آیا تو انھوں نے انہیں کنویں میں رکھ دیا۔

(۳) اسی کنوئیں میں جناب یوسفؑ پر وحی کا آغاز ہوا کیونکہ آپ اپنے خانوادہ سے دور ہو گئے تھے اور اپنے بھائیوں کی سنگ دلی کا نشانہ بن گئے تھے (فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ ... وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ)

(۴) جب اولیاء اللہ حساس و خطرناک ماحول میں آتے ہیں تو نصرت خداوندی انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے (فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ)

(۵) کنویں کے اندر الہامِ پروردگار جناب یوسفؑ کے لیے سکون و تسلی کا بہترین سامان تھا اور یہ روشن مستقبل کا نشان تھا (فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ)

(۶) جناب یوسفؑ اپنی جوانی کے آغاز میں وحی الٰہی دریافت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے

(۷) خداوند تعالیٰ اپنے اولیاء کو آزماتا ہے اور انہیں اس حال میں ہدایت دیتا ہے (وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ)

(۸) آگاہی آرام و سکون کا وسیلہ ہے (جو چیز جناب یوسفؑ کے لیے کنویں میں آرام و سکون کا باعث بنی وہ وحی تھی (وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا)

(۹) امید سرمایہ حیات ہے ہم نے یوسفؑ کو وحی کی کہ بہت جلد تم کنویں سے نجات حاصل کر لو گے اور آپ کے برادران اپنے اس فعل پر شرمساری اُٹھائیں گے (وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ .. بِاَمْرِهِمْ هٰذَا)

(۱۰) جب رذائل موجب رسوائی ہیں تو عقلمند انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو لگام دے (لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا)

(۱۱) بدترین کاموں کو اشاروں و کنایوں سے نبھایا جائے (بِاَمْرِهِمْ هٰذَا)

آیت نمبر 16

وَجَآءُوْۤا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ○

منصوبہ بندی پر عمل کرنے کے بعد وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے

نکات

(الف) قرآن مجید میں رونے اور آنسو بہانے کی چار قسمیں بیان ہوئی ہیں

(۱) اشکِ شوق:۔ عیسائیوں کے ایک گروہ نے جب قرآن مجید کی آیات سنیں (تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ) (مائدہ ۸۳) آپ دیکھتے ہیں معرفتِ حق کی بدولت ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔

(۲) اشکِ حزن وحسرت:۔ جب مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یہ سنتے کہ اُن کے لئے جنگ میں جانے کے امکانات نہیں ہیں تو وہ رو دیتے تھے (تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ) جب کہ ان کی انکھیں اس غم میں آنسو بہا رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ تھا (توبہ ۹۲) (اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا)

(۳) اشکِ خوف:۔ جب بھی اولیاء اللہ کے سامنے ایات الٰہی تلاوت کی جاتیں تو وہ روتے روتے سجدہ میں چلے جاتے (خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا) وہ سجدہ میں چلے جاتے اور روتے ہیں (وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا) وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور روتے جاتے ہیں اور اللہ ان کا خشوع مزید بڑھا دیتا ہے (اسراء ۱۰۹)

(۴) اشکِ دروغ وفریب:۔ مگر مچھ کے آنسو جن میں سراسر دھوکہ ہوتا ہے جیسا کہ برادران یوسف روتے ہوئے اپنے والد کے پاس آئے (يَبْكُوْنَ)

پیام

(۱) سازشی لوگ جذبات اور وقت سے فائدہ اُٹھانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں (عِشَآءً)

(۲) رونا ہر جگہ صداقت کی دلیل نہیں ہوتا لہذا ہر گریہ پر اطمینان نہ کیا کرو (يَبْكُوْنَ)

آیت نمبر 17

قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ○

اے ہمارے باپ ہم دوڑ میں آپس میں مقابلہ کرنے کے لئے گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے بھیڑیا آیا اور انہیں

کھا گیا آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے چاہے ہم جتنا سچے ہوں۔

پیام

(۱) ایک جھوٹ کے لئے کئی جھوٹ بولنا پڑتے ہیں برادران یوسف نے اپنی خطا کی توجیہ وتاویل کے لئے تین جھوٹ بولے تھے۔انہوں نے کہا دوڑ کے مقابلے کے لئے گئے تھے۔یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔اور اسے بھیڑیا کھا گیا(نَسْتَبِقُ۔۔ وَتَرَكْنَا۔۔فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ)

(۲) کہا گیا ہے جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا حالانکہ وہ جناب یوسف کو کھیل کود کے لئے لے گئے تھے لیکن واپسی پر اپنے والد سے کہا ہم یوسف کو سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے(وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا)

(۳) دوڑ کے مقابلے کا رواج سابقہ اقوام میں تھا(نَسْتَبِقُ)

(۴) خیانت کار ڈرپوک اور جھوٹا ہوتا ہے راز کے فاش ہونے سے ڈرتا ہے (وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ)

آیت نمبر 18

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ○

اور وہ ان کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر لائے (جناب یعقوبؑ) نے کہا تم نے اپنی طرف سے ایک بات بنائی ہے خیر میں صبر کرتا ہوں جو اچھا ہے جو بات تم بیان کر رہے ہو اس پر تو اللہ سے ہی مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔

نکات

(۱) تقدیر الٰہی پر صبر کرنا ایک خوبصورت اور قابل تعریف عمل ہے کہ جناب یعقوبؑ فرماتے ہیں فصبر جمیل! اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جناب یعقوبؑ نے وحی کے ذریعے جان لیا تھا کہ یوسف زندہ ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر جناب یعقوبؑ کوئی ایسا کام کرتے تو ان کے ظن وگمان میں اضافہ ہو جاتا اور وہ کنویں پر جا کر جناب یوسفؑ کا خاتمہ کر دیتے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے جس سے ظالموں پر توبہ کے دروازے کلی طور پر بند ہو جائیں۔

پیام

(۱) ڈرامہ بازی سے ہوشیار رہیں (بِدَمٍ كَذِبٍ)

(۲) نام نہاد مظلومیت کے فریب میں نہیں آنا چاہیئے حضرت یعقوبؑ یوسف کی خون آلود قمیص لانے اور مگر مچھ کے آنسو بہانے پر ان کے فریب میں نہیں آئے تھے بلکہ فرمایا تھا یہ سب تمہارے نفوس کی کاروائی ہے(بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ)

(۳) شیطان اور نفس انسانی گناہ کو خوبصورت کر کے پیش کرتا ہے پھر اس گناہ کے انجام کی تاویل کرتا ہے(بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اَنۡفُسَکُم)

(۴) جناب یعقوبؑ جانتے تھے کہ یوسف کو بھیڑیے نے نہیں کھایا اس لئے آپ نے ان کے بھائیوں سے ان کی ہڈیاں یا باقی جسم کا مطالبہ نہیں فرمایا (بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُم)

(۵) حوادث کے دورخ تھے بلا وسختی (بِدَمٍ کَذِبٍ) وصبر زیبائی (فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ)

(۶) ہمیشہ انبیاء علیھم السلام نے حوادث کے سامنے خوبصورت ترین عملی مظاہرہ فرمایا (فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ)

(۷) مشکلات مصائب میں اندرونی صبر وتوانائی کے ساتھ ساتھ الٰہی امداد کو بھی اسی ذات سے طلب کرنا چاہیئے (فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ)

(۸) صبر کے لئے خداوند سے دعا کرنی چاہیے (فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ)

(۹) سب سے اعلیٰ صبر کی تعریف یہ ہے کہ دل غم کی آگ میں جلتا رہے آنکھوں سے اشک جاری وساری ہوں لیکن خدا فراموش نہ ہو (وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ)

(۱۰) جناب یوسفؑ کے خلاف ان بھائیوں کی سازش ایک پُر درد کہانی ہے اس لئے انہوں نے اس کو برداشت کرنے کے لئے اللہ سے مدد مانگی (وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَان)

(۱۱) حضرت یعقوبؑ نے جب اپنی زبان پر (وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ) جاری فرمایا اور "عَلٰی مَافَعَلۡتُمۡ" نہ فرمایا تو برادران یوسف نے سمجھ لیا تھا کہ ان کے اس دعوی کو ان کا والد قبول کرنے والا نہیں ہے۔

آیت نمبر 19

وَجَآءَتۡ سَیَّارَۃٌ فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَہُمۡ فَاَدۡلٰی دَلۡوَہٗ ؕ قَالَ یٰبُشۡرٰی ھٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوۡہُ بِضَاعَۃً ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ○

اور ایک قافلہ آیا انہوں نے اپنے سقاء کو بھیجا تو اس نے اپنا ڈول ڈالا وہ بولا کیا خوب یہ ایک لڑکا ہے اور انہوں نے اسے اپنا سرمایہ قرار دے کر پوشیدہ رکھا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

نکات

۱. خداوند تعالیٰ اپنے خالص اور مخلص بندوں کو ان کی آزمائش کے وقت انہیں اکیلا نہیں چھوڑتا بلکہ حوادث ومشکلات سے نجات دلاتا ہے جناب نوح کو پانی کے اوپر جناب یونسؑ کو پانی کے اندر اور جناب یوسفؑ کو پانی کے کنارے سے نجات دی اور اسی طرح جناب ابراہیمؑ کو آتش نمرود سے اور جناب موسیٰؑ کو دریا کے درمیان سے حضرت محمدؐ کو غار کے اندر سے اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو شب ہجرت میں نجات دی جب کہ آپ پیغمبرؐ کے بستر پر سوئے ہوئے تھے۔

۲. ارادہ الٰہی کارفرما ہوا کنویں کی رسی جناب یوسفؑ کے لئے وسیلہ بن گئی کہ جناب یوسفؑ کو کنویں کی گہرائیوں سے تخت وتاج اور شاہی محل کی منزل تک جا پہنچایا آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ خدا کی انسان کو کن کن منزلوں تک لے جاسکتی ہے(وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو(ال عمران ۱۰۳)

پیام

۱. کبھی خویش واقارب کنویں میں ڈال دیتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ غیروں کے ذریعے راہ نجات پیدا فرماتا ہے (وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ)

۲ تقسیم کار مدبریت اور اجتماعی زندگی کے اصولوں میں ایک ہے۔ ،،وَارِدَهُمْ،، اس کا معنی ہے مسئول آب جس کے ذمہ پانی لانا ہوتا ہے۔

۳ معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انسان کو بھی مال ومتاع کی سے دیکھتے ہیں(بِضَاعَةً)

۴ حقیقت کو لوگوں سے تو چھپایا جاسکتا ہے لیکن خدا کے معاملے میں کیا کریں اس کے سامنے تو کوئی چیز مخفی نہیں(وَاَسَرُّوْهُ ... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ)

آیت نمبر 20

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ○

اور قافلہ والوں نے جناب یوسف کو چند درہموں کے عوض فروخت کر دیا اور وہ اس بارے میں بے رغبت تھے۔

پیام

۱. جو مال آسانی کے ساتھ ہاتھ سے چلا جاتا ہے(وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ)

۲. غلامی اور بردہ فروشی کا نظام بہت پرانا ہے(وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ)

۳. جناب یوسف کے لئے قافلہ والوں کی بے رغبتی آپ کے مستقبل کے لئے فائدہ مند رہی(وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ)

۴. جو آدمی کسی قیمتی چیز کی قیمت سے واقف نہیں ہوتا اسے کوڑیوں کے مول بیچ دیتا ہے(بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ) قافلہ والے جناب یوسفؑ کی قیمت نہیں جانتے تھے۔

۵. روپے پیسے کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے(دَرَاهِمَ)

۶. باقیمت انسانوں کی قیمت ایک دن ضرور آشکار ہوتی ہے قسمت میں جو آزمائشیں لکھی ہوتی ہیں اسے بھی جھیلنا پڑتا ہے (اگر آج یوسفؑ ایک غلام کی صورت میں بک رہے ہیں تو آنے والا کل انہیں ایک حکمران کے روپ میں دیکھے گا(وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ)

۷. بے معرفت اور غافل مردوں نے جناب یوسفؑ کو چند کوڑیوں کے مول بیچ دیا لیکن با معرفت اور اہل دل عورتوں نے اپنی پہلی نظر

میں یک زبان ہوکر کہا (اِنَّ هٰذَا مَلَكٌ كَرِيْمٌ) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا (رُبَّ اِمْرَاَةٍ اَفْقَهُ مِنْ رَجُلٍ) بہت سی عورتیں مردوں سے زیادہ احساس وشعور رکھتی ہیں۔

آیت نمبر 21

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۟ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور مصر کے جس آدمی نے انہیں خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا اسے عزت کے ساتھ رکھنا ممکن ہے یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا پھر ہم اُسے اپنا بیٹا بنالیں اور اس طرح دنیا میں یوسف کے لئے اقتدار ملنے کا سامان کر دیا اور اس لئے کہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کریں اور اللہ اپنے امر کے پورا کرنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نکات

قرآن مجید کے اندر یہ کلمات (عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا) دو مقام پر آئے ہیں ایک اس وقت جب حضرت موسیٰ کی صندوق کو پانی سے نکالا گیا تو زوجہ فرعون نے کہا تھا اسے قتل نہ کیجئے شاید مستقبل میں اس سے ہمیں اس سے فائدہ حاصل ہو۔ دوسر امقام عزیز مصر نے اپنی زوجہ سے کہا تھا اس غلام کو احترام کے ساتھ رکھو شاید آئندہ زمانے میں ہماری مشکلات میں معاون ثابت ہو۔ جی ہاں یہ سب کچھ خداوند تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا تھا وہاں ظالم حکمران کے دل میں نوزاد کی محبت اور یہاں ان کے لئے وہ راہیں ہموار کر دیں جن پر چل کر جناب یوسفؑ نے ان کی حکومت کو سنبھالنا تھا۔

پیام

۱. بزرگواری کی علامات جناب یوسفؑ میں نمایاں تھیں جن بنا پر حکمران مصر نے اپنی ملکہ سے کہا اسے احترام سے رکھنا (اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ)

۲. عزیز مصر کی زوجہ کو اپنے گھر میں مرکزیت حاصل تھی (اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ)

۳. اپنے اطراف اور اپنی جان پہچان والے لوگوں کو دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی دعوت دیں (اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ)

۴. دور اندیش رہیئے تا کہ مستقبل کے امور نگاہ میں رہیں (اِشْتَرٰىهُ ..... عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا)

۵. ہمیشہ لوگوں کے ساتھ عزت احترام سے پیش آنا چاہیئے تا کہ ان کی نصرت و یاری کی امید رکھی جاسکے (اَكْرِمِيْ ..... اَنْ يَّنْفَعَنَا)

۶. قلوب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے جناب یوسفؑ کے خریدار کے دل میں ان کی بھرپور محبت ڈال دی (عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا

اَوۡ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا)

۷. کسی کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت جلدی نہیں کرنا چاہیئے آزماتے جاؤ اور مرحلہ وار فیصلہ کرتے جاؤ (عزیز مصر نے جناب یوسفؑ کو خریدتے وقت انہیں اپنے گھر میں بطور معاون رکھا (عَسٰۤی اَنۡ یَّنۡفَعَنَاۤ) پھر آہستہ آہستہ ان کے عادات واطوار کو دیکھ کر فرزند قرار دیا (اَوۡ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا)

۸. کسی کو اپنا بیٹا بنا لینے کی رسم گذشتہ ادوار میں موجود تھی (اَوۡ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا)

۹. عزیز مصر کا بیٹا نہیں تھا (اَوۡ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا)

۱۰. اگر خداوند تعالیٰ چاہے تو جانی دشمن بھی بہتری و برتری کا سبب بن جاتے ہیں (برادران نے یوسف کو چاہ میں ڈالا اور جناب یوسفؑ کو کاخ وجاہ مل گیا (وَ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ)

۱۱. زیر دستوں کو بے کار خیال نہیں کرنا چاہیئے ممکن ہے کل کے حکمران وہی بن جائیں (مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ)

۱۲. علم ودانش کی اساس پر اہم ترین ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں (مَکَّنَّا ۔۔۔ وَلِنُعَلِّمَہٗ)

۱۳. تھوڑی سی سختیوں کے نیچے شیرینی کے سمندر موجزن ہوتے ہیں (وَشَرَوۡہُ بِثَمَنٍۭ بَخۡسٍ ۔۔۔ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ)

۱۴. خداوند تعالیٰ کے قوی وغالب ارادے نے جناب یوسف کو چاہ سے اٹھا کر جاہ پر بٹھلا دیا (مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ)

۱۵. خداوند تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اچھائی وزیبائی کو برائی پر غالب کر دیتا ہے (وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمۡرِہٖ)

۱۶. بعض اوقات جس امر کو ہم مصیبت خیال کرتے ہیں حقیقت میں وہ خدا کا ایک منصوبہ ہوتا ہے جس سے اس کا ارادہ پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے (وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمۡرِہٖ)

۱۷. بسا اوقات کوئی حادثہ ظاہراً ناگوار نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں اس میں اچھائیاں چھپی ہوتی ہیں (جناب یوسفؑ ظاہر میں تو کنویں میں ڈالے گئے تھے لیکن حقیقت کچھ اور بن گئی (مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ ۔۔۔ لَا یَعۡلَمُوۡنَ)

۱۸. لوگوں کی نظر حوادث کے ظاہر پر ہوتی ہے لیکن وہ خدائی مقاصد سے بے خبر ہوتے ہیں (لَا یَعۡلَمُوۡنَ)

آیت نمبر 22

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗۤ اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّعِلۡمًا ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۲۲﴾

اور جب وہ پورے طور پر جوان ہوئے ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا ہے اور ہم نیک اشخاص کو یونہی صلہ عطا کرتے ہیں۔

نکات

کلمہ اَشُدَّ ،،شَدّ،، سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے،، مضبوط ومحکم گرہ،، اس کلمہ سے انسان کی جسمانی روحانی پختگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے قرآن مجید میں اس کا استعمال مختلف معانی کے لئے کیا گیا ہے۔

۱.بُلوغ:۔ کے معنی کے لئے آیا ہے سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۳۴ میں آیا ہے(حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ)یعنی مال یتیم کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ سن بلوغ تک نہ پہنچ جائے۔

۲. چالیس سالہ مدت:۔ چالیس سالہ مدت کے لئے بھی استعمال ہوا ہے سورہ احقاف کی آیت نمبر ۱۵ میں ہے (بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً) یعنی وہ اپنی پختگی کی عمر کو پہنچ جائے اور چالیس سالہ ہوجائے۔

۳. قبل از بڑھاپے کی عمر:۔اس معنی کے لئے بھی سورہ غافر کی آیت نمبر ۶۷ میں استعمال ہوا ہے (ثُمَّ یُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ ثُمَّ لِتَکُوۡنُوۡا شُیُوۡخًا) پھر تم کو بچہ بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے پھر زندہ رکھتا ہے تا کہ تم جوانی تک پہنچو پھر اور زندگی دیتا ہے تا کہ بوڑھے ہوجاؤ۔

پیام

۱. معاشرے کی قیادت کے لئے جہاں علم ودانش کی ضرورت ہے وہاں جسمانی طاقت وتوانائی کی بھی ضرورت ہے(وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ)

۲. عزت وعظمت اپنے وقت میں آجاتی ہے۔(وَلَمَّا بَلَغَ۔۔۔ اٰتَیۡنٰہُ)

۳. حکمت اور ہے علم اور ہے(علم دانش ہے اور حکمت بینش ہے) جو انسان کو حق وحقیقت کی منزل پر پہنچا دیتے ہیں (اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّعِلۡمًا)

۴. انبیاء علیھم السلام کے علوم کسبی نہیں ہوتے(اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّعِلۡمًا)

۵. علم وحکمت جب اکٹھے ہوجائیں تو کامیابی کامرانی کا بہترین ذریعہ بن جاتے ہیں(حُکۡمًا وَّعِلۡمًا)

۶. لوگوں کو معزولی اور منصب کے شرائط بتائے جائیں(اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا۔۔۔ وَّ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ)

۷. ہمیں چاہیے نیکیاں کریں تا کہ جزائے الٰہی کے مستحق قرار دیئے جائیں(نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ)

۸. اچھے کام کرنے والے ہی اس دنیا میں کامیاب ہیں (کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ)

۹. ہر علمی اور جسمانی توانائی رکھنے والے فرد الطاف خداوندی سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے بلکہ اس کے لیئے محسن ہونا بھی ضروری ہے (وَ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ)

آیت نمبر 23

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ○

اور یوسف جس عورت کے گھر میں تھے اس نے انہیں اپنی طرف قائل کرنا چاہا اور اُس نے دروازوں کو بند کر دیا اور کہا آجاؤ (یوسف) نے کہا اللہ کی پناہ یقیناً میرے رب نے مجھے اچھا مقام بخشا ہے بے شک اللہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا۔

نکات

(الف) قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ) کی تفسیر کے بارے میں دو احتمال ہیں (۱) اس آیت میں ،،اِنَّهٗ رَبِّیْۤ،، کا معنی خداوند تعالیٰ میرا پروردگار ہے کہ جس نے میرا مقام مرتبہ بلند فرمایا اور میں اس کی پناہ چاہتا ہوں۔

(۲) عزیز مصر میرا رب ہے اور میں نے اس کا نمک کھایا ہے اور اس نے میرے بارے میں تجھ سے کہا تھا (اَحْسَنَ مَثْوَایَ) اس کا مقام بلند رکھنا لہذا میں اس کی خیانت نہیں کرتا دونوں احتمالات کے طرفداران نے اپنے اپنے شواہد پیش کئے ہیں لیکن ہمارے نظریئے میں پہلا احتمال حق کے زیادہ قریب ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ تقوی الٰہی کی وجہ سے ارتکاب گناہ سے محفوظ رہے اس لئے آپ کا مقصود ،،اِنَّهٗ رَبِّیْۤ،، سے عزیز مصر نہیں تھے کہ میں عزیز مصر کے گھر میں رہ رہا ہوں اور اس کا مجھ پر حق بنتا ہے لہذا میں اس کی بیوی کے بارے میں برا نہیں سوچ سکتا کیونکہ یہ پہلو اُس پہلو کے مقابلے میں جس میں تقوی الٰہی ہے کوئی وزن نہیں رکھتا البتہ اس سورہ میں چند مقامات پر کلمہ ،، ربك،، استعمال ہوا ہے اس سے مراد خداوند تعالیٰ کی ذات والا صفات ہے حضرت یوسفؑ کو اپنا رب کہنا ان کی شان و منزلت سے بہت دور ہے کیونکہ وہ نبی تھے۔

(ب) اولیاء اللہ ہمیشہ اپنے خدا کے حضور پناہ کی درخواست کرتے ہیں اور نتیجہ حاصل کرتے ہیں حضرت موسیٰ نے فرعون کے فتنوں سے نجات کے لئے خداوند تعالیٰ سے پناہ مانگی (اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ (س غافر ۴۰ ۲۷) مادر مریم فرماتی ہیں (اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) اس سورہ میں حضرت یوسف بھی خدا کی پناہ میں آتے ہیں قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اکرمؐ کو حکم فرمایا (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔۔)

(ج) اعوذ باللہ کی بجائے فوراً خداوند تعالیٰ کی پناہ میں جاتے ہوئے فرمایا (مَعَاذَ اللّٰهِ) میں اللہ کی پناہ میں ہوں یہ نہیں فرمایا میں اللہ سے پناہ کی درخواست کرتا ہوں کیونکہ ایسا کہتے وقت ان کی ذات کا اظہار ہوتا گویا اس موقع پر اپنی ذاتی حیثیت کے اظہار کی بجائے خدا کی ذات کا سہارا لیا۔

پیام

۱. گناہان کبیرہ کے دروازے نرم لہجہ اور پیار و محبت کی باتوں سے کھلتے ہیں۔ (وَرَاوَدَتْهُ ۔۔۔ فِیْ بَیْتِهَا)

۲. صرف مردوں کا پاکدامن ہونا کافی نہیں بسا اوقات عورتیں بھی مردوں کی پریشانی کا سبب بن جاتی ہیں (وَرَاوَدَتْهُ)

۳. قدرت و شہوت اس قدر ہوئی کہ اس نے بادشاہ کی بیوی کو اپنے ہی غلام کے عشق کا اسیر بنا دیا (وَرَاوَدَتْهُ)

۴. کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ مخالفت کرنے والوں کا نام نہ لیا جائے بلکہ اشاروں کنایوں سے اس کا ذکر کیا جائے (الَّتِیْ ...)
۵. نوجوان لڑکوں کو ان کے گھروں میں اکیلا نہیں رکھنا چاہیئے جہاں نوجوان لڑکیاں موجود ہوں کیونکہ اس سے پیار محبت کے دروازے کھل سکتے ہیں (وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا)
۶. آغازِ عشق پیار بھری باتوں سے ہوتا ہے اور بتدریج بڑھتا رہتا ہے حضرت یوسفؑ اس گھر میں مستقل رہ رہے تھے ان کی دائمی رہائش آہستہ آہستہ عزیز مصر کی بیوی کے عشق کا سبب بنا (فِیْ بَیْتِهَا)
۷. وہ مسائل جو اخلاقی مفاسد سے مربوط ہیں انہیں کھول کھول کر بیان کر دینا چاہیئے (وَرَاوَدَتْهُ ... وَغَلَّقَتْ)
۸. نامحرم زن و مرد کو اکیلے بند ماحول میں نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ اس ماحول میں برائی کے امکانات ہیں (وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ)
۹. زنا کی برائی تاریخ میں ہمیشہ موجود رہی ہے اس لئے زلیخا نے تمام دروازوں کو اچھی طرح بند کر دیا تھا (وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ)
۱۰. جب انسان پر تمام دروازے بند ہو جائیں تو الٰہی پناہ کے دروازے کھل جاتے ہیں (وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ ... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)
۱۱. الٰہی آزمائشوں کے انداز مختلف ہیں کبھی در چاہ کبھی در کاخ (وَرَاوَدَتْهُ ... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)
۱۲. تقوی اور ارادے کی پختگی کے ذریعے خطا اور انحرافات پر غلبہ ممکن ہے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰه)
۱۳. خداوند تعالی پر نگاہ ایک ایسا عمل ہے جو گناہوں سے روک دیتا ہے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)
۱۴. جہاں گناہوں نے گھیرا تنگ کر دیا ہو وہاں خدا کی پناہ میں آجانا چاہیئے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰه)
۱۵. اگر کوئی حاکم یا بزرگ ہمیں گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے (هَیْتَ لَكَ ۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)
لوگوں کی اطاعت کی خاطر خدا کی خدا کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے (لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ)
۱۶. حکومتی محل میں بھی انسان اگر چاہے تو پاک دامن و صادق اور امین رہ سکتا ہے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)
۱۷. غریزہ جنسی کے خطرات اتنے طاقتور ہیں کہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرنا پڑی (قَالَ مَعَاذَ اللّٰه)
۱۸. ھواو ہوس کا پتلا بھی رسوائی اور جگ ہنسائی سے ڈرتا ہے زلیخا نے دروازوں کو مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا لیکن جو خدا کا بندہ تھا اس نے کہا (قَالَ مَعَاذَ اللّٰه)
۱۹. انجام گناہ (زنا) انسانی کرامت کے لئے ناسازگار ہے (مَعَاذَ اللّٰهِ)
۲۰. نفس کو خداوند کی یاد سے گناہوں سے بچایا جا سکتا ہے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰه)
۲۱. گناہ کے خلاف پہلا اقدام ذکر خدا ہے اور اس سے پناہ کی درخواست
۲۲. تقوی کی اعلیٰ ترین قسم یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے حقوق اا اور اس کی محبت میں گناہوں کو ترک کر دیا جائے نہ کہ دنیا میں رسوائی کے

خوف سے اور آخرت میں جہنم کے ڈر سے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ)

۲۳. الطاف الٰہی کی یاد ترک گناہ کے عوامل میں سے ایک عامل ہے (اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ)

۲۴. انجام گناہ کی یاد اِرتکاب گناہ سے روک دیتی ہے (اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ)

۲۵. پاکدامن نوجوانوں کے ساتھ زنا یا اسکی سازش خود اپنی ذات پر اپنے ہمسر پر معاشرے پر اور افراد پر ظلم ہے (اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ)

۲۶. ایک لمحے کا گناہ انسان کو ابدی کامیابی سے بہت دور کر دیتا ہے (اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ)

۲۷. ارتکاب گناہ ناشکری اور کفران نعمت ہے (اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ)

۲۸. جناب یوسفؑ جب بند کمرے میں زلیخا کے ساتھ تھے تو اس وقت انہیں زلیخا کے فلاح کی فکر تھی (اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ)

۲۹. انسان کو چاہیئے اپنے مقام و مرتبہ کو سمجھے معمولی چیز کے بدلے اپنے آپ کو فروخت نہ کرے (اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ)

ن ظلم وارد ہو جائے فلاح دوسرے دروازے سے باہر جا سکتی ہے۔

آیت نمبر 24

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○

اس نے قصد کیا ان کی طرف اور وہ بھی قصد کرتے اس طرف اگر وہ اپنے رب کی طرف برہان نہ دیکھ چکے ہوتے اس لئے کہ ہم ان سے برائی اور ہوس ناکی کو دور رکھیں کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

نکات

(الف) امام صادقؑ فرماتے ہیں برہان رب وہی نور علم اور یقین و حکمت تھا جس کا ذکر ابھی گزشتہ آیت میں آیا ہے (اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا) بعض روایات میں آیا ہے کہ برہان رب سے مراد باپ یا جبرئیل کے قیافے کا مشاہدہ ہے ایسی روایات سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں (تفسیر کشف الاسرار)

(ب) قرآن مجید میں دشمنان خدا کی ان سازشوں کا ذکر آیا ہے جو انہوں نے اس کے ولیوں کے خلاف کیں لیکن خداوند تعالیٰ نے ان کی ان شازشوں کو نقش برآب بنا دیا جنگ تبوک کی واپسی پر منافقین نے سازش کی پیغمبر اکرمؐ کی ناقہ کو ڈرایا جائے تا کہ پیغمبر اکرمؐ شہید ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا (وَھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا) (توبہ ۷۴) وہ چاہتے تھے کہ جو عہد پیغمبر لے چکے ہیں اس کو توڑ دیں۔

(ج) جناب یوسفؑ معصوم اور پاک دامن تھے ان کی زبانی جو اس داستان یوسف کے مرکزی کردار تھے ہم ان کی تفصیل یوں پیش کرتے ہیں۔

۱. خداوند تعالیٰ نے فرمایا (لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ) ہم نے یوسف کی برہان کے ذریعے مدد کی تا کہ برائی اور فحشاء کو ان سے دور کر دیں کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔

۲. جناب یوسفؑ نے فرمایا، (رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ) پروردیگار! مجھے قید اس چیز سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں دعوت دے رہی ہیں دوسرے مقام پر فرمایا میں نے اپنے صاحب خانہ کی عدم موجودگی میں خیانت نہیں کی

۳. زلیخا نے کہا: بیشک میں نے اسے اپنے ارادے سے پھسلانے کی کوشش کی مگر اس نے اپنی عصمت قائم رکھی۔

۴. عزیز مصر نے کہا (يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ) یوسف اس معاملے سے درگزر کرو اور (اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ)

۵. شاہد نے گواہی دیتے ہوئے کہا اگر قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو یوسف پاک دامن ہے۔ (وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ ...)

۶. مصر کی عورتوں نے کہا: (مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ) ہم نے اس کے بارے میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔

۷. ابلیس نے دعوی کیا تھا کہ وہ تمام لوگوں کو فریب دے گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو تیرے بندے ہیں (اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ) اس آیت کے مطابق حضرت یوسف اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تھے۔

پیام

۱. اگر امداد الٰہی حاصل نہ ہو تو ہر کسی کے پاؤں لغزش کھا سکتے ہیں (وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ)

۲. غرایز کے اعتبار سے انبیاء عام انسانوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن برہان ربی کی تائید سے گناہ سے محفوظ رہتے ہیں (وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ)

۳. ہر مقام اور ہر جگہ پر برہان پروردگار موجود ہے (وَهَمَّتْ بِهٖ ... رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ)

۴. یاد الٰہی کی غفلت گناہوں کے ارتکاب کا سبب ہے اور اللہ کی یاد گناہوں سے محفوظ رہنے کا بہترین وسیلہ ہے (وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ)

۵. خلوص و اخلاص گناہوں سے بچنے کا بہترین عامل ہے (لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ ... مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ)

۶. خالصانہ عبادت گناہوں سے بہت دور کر دیتی ہے (لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ ... مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ)

۷. خداوند تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی حفاظت فرماتا ہے (لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ ... مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ)

۸. برائی اور خلوص ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ (لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ ... مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ)

۹. خلوص و اخلاص صرف حضرت یوسف کے لئے خاص نہیں تھے ان کی راہ پر چلنے والا مخلصین میں سے ہوسکتا ہے (لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ ۔۔ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ)

آیت نمبر 25

وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ وَّاَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ ؕ قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ○

وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا پھر ان دونوں نے اس کے شوہر کو دروازہ پر پایا تو وہ کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہوسکتی ہے سوائے اس کے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا دردناک سزا دی جائے۔

نکات

"اِسۡتِبَاق" دو یا چند افراد کے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے

جناب یوسفؑ گناہ سے فرار کرتے ہوئے دروازے سے نکلے اور زلیخا اُن کے پیچھے بھاگی گویا کہ انہوں نے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی (قُدَّ) کے معنیٰ ہیں کسی چیز کا طول میں پھٹنا اور (اَلۡفَيَا) کے معنیٰ ہیں کسی چیز کو اچانک پالینا۔

پیام

۱. صرف معاذ اللہ کہہ دینا کافی نہیں گناہوں سے فرار کرنا بھی ضروری ہے (وَاسۡتَبَقَا)

۲. بسا اوقات کوئی عمل ایک جیسا ہوتا ہے لیکن اس کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں (ایک دوڑ رہا ہے تا کہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو اور دوسرا دوڑ رہا ہے تا کہ آلودہ کرے (وَاسۡتَبَقَا)

۳. گناہ کے ماحول سے فرار لازمی ہے (وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ)

۴. دروازوں کے بند ہونے کا بہانہ کافی نہیں ہے دروازوں کی طرف حرکت کرنا چاہیے شاید وہ کھل جائیں (وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ)

۵. مجرم کا جرم ثابت ہو کر رہتا ہے (وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ)

۶. بعض اوقات خود مجرم ہی مدعی بن جاتا ہے (قَالَتۡ مَا جَزَآءُ)

۷. بعض اوقات ایک گناہ گار اپنے آپ کو گناہ سے بری کرنے کے لیے اپنے خویش و اقارب کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کرتا ہے (بِاَهۡلِكَ)

۸. صاحبان قدرت و طاقت خود گناہ گار ہوتے ہیں الزام دوسروں پر دیتے ہیں (مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا)

۹. مجرم اپنی برات کے لیے دوسروں پر الزام لگا دیتا ہے (مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا)

۱۰. بعض اوقات سخن حق کو باطل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے (ایک شوہر دار عورت سے اگر کوئی برائی کا ارادہ کرے۔۔۔تو اس کو سزا دینا بات تو حق ہے۔۔۔اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ فرد کون ہے جو برائی کا ارادہ رکھتا ہے (مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ يُّسۡجَنَ)

۱۱. زلیخا عاشق نہ تھی بلکہ ہوس کی پتلی تھی ایک عاشق تو اپنی جان معشوق پر قربان کر دیتا ہے نہ وہ تہمت لگاتا ہے اور نہ زندان کی بات کرتا ہے (مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا)

۱۲. زندان اور مجرم کو زندان میں بند کرنے کی تاریخ بہت پرانی ہے (اَنۡ يُّسۡجَنَ)

۱۳. سزا کے اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کو اپنے گھر پر غلبہ حاصل تھا (يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ)

۱۴. ہوس سے لبریز عشق عاشق کو قاتل بنا دیتا ہے (يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ)

۱۵. زلیخا کو حکومتی امور میں نفوذ حاصل تھا اور وہ احکام بھی جاری کرتی تھی (يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ)

آیت نمبر 26

قَالَ هِىَ رَاوَدَتۡنِىۡ عَنۡ نَّفۡسِىۡ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَهُوَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۝

جناب یوسفؑ نے فرمایا یہ عورت مجھے پھسلانا چاہتی تھی اور اُس عورت کے خاندان کے کسی فرد نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو یہ سچی ہے اور یوسفؑ جھوٹا ہے (کیونکہ اس صورت میں یوسفؑ اور عورت سامنے سے ایک دوسرے کے ساتھ الجھے ہیں اور یوسفؑ کی قمیص سامنے سے پھٹی ہے۔

آیت نمبر 27

وَاِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَكَذَبَتۡ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝

اگر ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ جھوٹ بول رہی ہے اور وہ سچوں میں سے ہیں۔

نکات

(الف) بعض روات میں بتایا گیا ہے کہ وہ شاہد جس نے حضرت یوسفؑ کی عصمت کی گواہی دی تھی ایک چھوٹا بچہ تھا کہ جس نے حضرت عیسیٰؑ کی طرح گہوارے میں گفتگو کی اس روایت کی سند ضعیف ہے اس لیے قابل غور نہیں۔ بلکہ وہ روایت بہتر ہے جس میں کہا گیا ہے اس شاہد سے عزیز مصر کے مشیروں میں سے ایک شخص کو مراد لیا جائے جو اس کی بیوی کا قریب کا رشتہ دار اور صاحب دانش و بنیش تھا اور اُس نے بھی اتفاق سے وہ کیفیت دیکھ لی تھی جو عزیز مصر نے دیکھی تھی، اگر وہ اصل ماجرا کا شاہد ہوتا تو جملہ شرطیہ کا

استعمال نہ کرتا اور یہ نہ کہنا(وَاِنۡ کَانَ)

(ب) حضرت یوسفؑ نے اس معاملے میں کسی قسم کی بات کرنے میں پہل نہ کی اگر عزیز مصر کی بیوی ان پر تہمت نہ لگاتی تو وہ قطعاً ایسی بات نہ کرتے جو اس عورت کی رسوائی کا سبب بنتی اور یہ الفاظ زبان پر نہ لاتے(ھِیَ رَاوَدَتۡنِیۡ)

(ج) ہر شخص جو عفت و پاکدامنی کے اعتبار سے جتنا بلند و بالا ہے اتنا معرض تہمت میں ہے عورتوں میں سے کوئی عورت جناب مریمؑ سے زیادہ پاکدامن نہ تھی ان پر بھی ناپاکی کی تہمت لگائی گئی۔ مردوں میں جناب یوسفؑ سے پاک دامنی میں کوئی بڑھ کر نہ تھا ان کی طرف زنا کی نسبت دی گئی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے ان دونوں شخصیات کی عفت و پاکیزگی کو بہترین انداز میں ثابت فرمایا

(د) داستان یوسفؑ میں ان کے کرتے کا بہت بڑا کردار ہے کرتے کا پیچھے کی طرف سے پھٹا ہونا جناب یوسفؑ کی عصمت و پاک دامنی اور عزیز مصر کی زوجہ کے جرم کی دلیل بن گیا۔ ایک دوسرے مقام پر ان کے کرتے کا پھٹا ہوا نہ ہونا ان کے برادران کے جرم کی دلیل بن گیا جب ان کے بھائیوں نے ان کو کنویں میں پھینکا تو ان کی قمیص کو خون سے آلودہ کر کے اپنے باپ کے پاس لے آئے تھے اور کہا تھا یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور اُس کا کرتہ کیوں نہیں پھٹا؟ اس داستان کے خاتمے پر ان کا یہ پیراہن ان کے والد کی بینائی کا ذریعہ بن گیا۔

پیام

۱. جس پر اتہام لگایا گیا ہو اُسے چاہیے کہ وہ اپنا دفاع کرے اور حقیقی مجرم کو بے نقاب کرے جب اُس عورت نے کہا(مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا) تو جناب یوسفؑ نے فوراً فرمایا(ھِیَ رَاوَدَتۡنِیۡ)

۲. جو شخص مقام قضاوت پر ہے اُسے چاہیئے فریقین کے بیان سنے نہایت ہی باریک بینی سے کام لے اور تب حقایق سامنے آئیں پھر اپنا فیصلہ سنائے (داستان یوسفؑ میں عزیز مصر کی بیوی نے کہا یوسفؑ مجھ سے برائی کا مقصد رکھتا تھا(اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا) تو اُس وقت جناب یوسفؑ نے اس کی تہمت کو رد کرتے ہوئے فرمایا (ھِیَ رَاوَدَتۡنِیۡ) پھر شاہد نے صدق اور کذب کو قمیص کے آگے یا پیچھے پھٹنے کے ساتھ مربوط کر دیا۔

۳. بے گناہ پر اپنا دفاع واجب ہے ہر جگہ خاموشی بہتر نہیں ہے(وَشَهِدَ شَاهِدٌ)

۴. حقیقت کو واضح کرنے کے لیے تعاون کرنا بہترین کام ہے(وَشَهِدَ شَاهِدٌ)

۵. قضاوت میں جو گفتگو مستند ہوتی ہے اور قرائن جس کی تائید کرتے ہیں وہ گواہ کی گواہی ہوتی ہے۔

۶. خداوند تعالیٰ اپنے بندوں پر غیر متوقع طور پر اپنی حمایت کے دروازے کھول دیتا ہے۔(شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا)

۷. جہاں خدا چاہتا ہے وہاں مجرم کے خویش و اقارب خود مجرم کے خلاف مظلوم کے حق میں گواہی دے دیتے ہیں(وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا)

۸. مقام شہادت (گواہی) میں عزیز و اقارب اور حسب و نسب کی رعایت جائز نہیں ہے(وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا)

۹. جب شہادت دینے والے اپنے رشتہ دار کے خلاف گواہی دے رہے ہوں اور اُس کے مقابلے ایک غیر کے حق میں ہوں تو ایسا مورد بہتر اطمینان کا موجب ہے (وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا)

۱۰. قضاوت میں زیادہ توجہ مدعی کے بیان پر ہوتی ہے پھر اس کے بیان کے مدارک کی سند قابل غور ہوتی ہے۔ (قَالَتْ مَا جَزَآءُ۔۔قَالَ هِيَ رَاوَدْتُّنِيْ۔۔۔وَشَهِدَ شَاهِدٌ۔۔۔اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ)

۱۱. قضاوت میں جرم کو جانچنے کی ضرورت ہوتی ہے (اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ)

۱۲. آثار ظریف سے جرائم کو پہچانا جا سکتا ہے اور اس سے مسائل بھی کشف ہو سکتے ہیں (اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ)

۱۳. قاضی کو چاہیئے کہ وہ دلائل کی بنیاد پر فیصلہ سنائے (اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ)

۱۴. جرم اور مجرم کی تشخیص کے قواعد کا جاننا ضروری ہے۔ (وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ)

آیت نمبر 28

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○

جب اس نے دیکھا کہ قمیص تو پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو کہنے لگا کہ یقیناً یہ تم عورتوں کی چال ہے یقیناً تمہاری چال بہت بھاری ہوتی ہے

نکات

قرآن مجید نے شیطانی مکر وحیلہ کو کمزور کہا ہے (اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا) لیکن اس آیت میں عورتوں کے مکر وحیلہ کو مضبوط اور بزرگ بیان کیا ہے تفسیر صافی میں آیا ہے کہ وسوسے لمحہ بھر کے لئے ہوتے ہیں، اَن دیکھے ہوتے ہیں اور چوری چھپے ہوتے ہیں جبکہ عورتوں کے وسوسے پیار و محبت سے لبریز ہوتے ہیں آمنے سامنے ہوتے ہیں اور دائمی ہوتے ہیں۔

(ب) خداوند کبھی کبھار بڑے کاموں کو معمولی ذرائع سے پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے مثلاً

(۱) ابرھہ بادشاہ کی تباہی و بربادی ابابیل جیسے پرندوں کے ذریعے

(۲) تارِ عنکبوت کے ذریعے پیغمبر اسلام کی حفاظت

(۳) کوے کے ذریعے نسل انسانی کی تعلیم

(۴) نومولود بچے کے ذریعے مریم کی عصمت کا ثبوت

(۵) ہُدہُد کے ذریعے ایک ملک کا خدا پر ایمان لانا

(۶) سکوں کے ذریعے اصحابِ کہف کی شناخت

پیام

(۱) قضاوت کا دارمدار دلائل پر ہے قضاوت میں حُب اور بغض کی کوئی حیثیت نہیں (فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ۔۔ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ

كَيْدِ كُنَّ)

(۲) منطقی استدلال ہر انسان کو مطیع ومنقاد کر دیتا ہے عزیز مصر نے جب شاہد کی بات سنی تو اُس نے اطاعت کی (وَشَهِدَ شَاهِدٌ... قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِ كُنَّ)

(۳) جرم کی شناخت میں دقت سے کام لینا چاہیئے (قُدَّ مِنْ دُبُرٍ)

(۴) جب منزلِ یقین پر پہنچ جاؤ تو پھر فیصلے میں تردد سے کام نہ لو (فَلَمَّا رَاٰ... قَالَ)

(۵) عزیز مصر منصف مزاج تھا اُس نے فریقین کے بیانات سے پہلے کسی پر تہمت نہ لگائی بیانات کے بعد فیصلہ جناب یوسف کے حق میں دیا (فَلَمَّا رَاٰ... اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِ كُنَّ)

(۶) حق ظاہر ہو کر رہتا ہے اور مجرم رسوا ہو کر رہتا ہے (اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِ كُنَّ)

(۷) حق بات جتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو اسے قبول کرنا چاہیئے (اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِ كُنَّ)

(۸) عورتوں کے مکر سے ڈرنا چاہیئے ان کا حیلہ خطرناک ہے (اِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيْمٌ)

(۹) مکر وحیلہ جتنا بڑا ہو قابل کشف وافشا ہے (فَلَمَّا رَاٰ... قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِ كُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيْمٌ)

آیت نمبر 29

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ○

اے یوسف اس سے درگزر کر دے عورت اپنے جرم سے توبہ کر یقیناً تو خطا کاروں میں سے ہے۔

پیام

(۱) عزیز مصر چاہتا تھا یہ معاملہ مخفی رہے لیکن لوگوں کی ادوار سے عادت رہی ہے وہ ہر ماجرا تک پہنچتے آرہے ہیں تاکہ یوسف کی پاکدامنی ثابت ہو (يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا)

(۲) لوگوں کے اعمال بد پر پردہ ڈالنا چاہیئے (اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا)

(۳) عزیز مصر نے اپنے مقام ومرتبے کے لئے جناب یوسف سے درخواست کی کہ وہ اس معاملے سے صرف نظر کریں (اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا)

(۴) عزیز مصر نے محل نشینوں کی طرح اپنے مسئلہ ناموس اور غیرت میں سستی کا مظاہرہ کیا استغفار پر اکتفاء کیا اور اپنی بیوی کو کوئی زجر وتوبیخ نہ کی (وَاسْتَغْفِرِيْ)

(۵) غیر الٰہی رہبران اپنی آوارہ مزاج بیویوں کے میں کسی قسم کے قطعی فیصلے کرنے کی ہمت نہیں رکھتے (وَاسْتَغْفِرِيْ)

(۶) عورت کے کسی غیر مرد سے ناجائز تعلقات غیر شرعی ہیں (وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ)

(۷) جنسی بے راہ روی جیسے افعال کو جہاں الٰہی ادیان میں ناپسند کیا گیا ہے اس طرح بے دین لوگ بھی اِسے ناپسند کرتے تھے۔ (وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ)

آیت نمبر 30

العلۃ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

اور شہر کی عورتوں نے کہنا شروع کر دیا عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو پھسلانا چاہتی ہے اس کی محبت اس کے دل میں اثر کر چکی ہے ہم اُسے کھلی گمراہی میں دیکھ رہی ہیں۔

نکات

"شغاف" کا معنی یہ ہے دل کے بالائی حصے کا پیچیدہ ہونا یا دل کے اوپر وہ نرم اور باریک جھلی جو غلاف کی طرح اُسے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور "شَغَفَهَا حُبًّا" کا جملہ بتاتا ہے کہ زلیخا کا دل یوسف کی محبت میں گرہ خوردہ دل کی طرح ہو گیا تھا یعنی اُسے جناب یوسف سے شدید عشق ہو گیا تھا (تفسیر نمونہ)

(ب) دو گروہوں نے جناب یوسفؑ کی وجہ سے دوسروں کی طرف اس کی محبت میں گمراہی کی نسبت دی ایک گروہ ان کے برادران تھے انہوں نے اپنے والد کی یوسفؑ سے بے پناہ محبت کو دیکھتے ہوئے کہا (اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ) ہمارے والد کھلی گمراہی میں ہیں دوسرا گروہ مصر کی عورتوں کا تھا انہوں نے زلیخا کو ان کی محبت میں گمراہ کہا (اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ)

(ج) ہر ایک نے یوسف کو اپنے لئے چاہا جناب یعقوبؑ نے فرمایا (يٰبُنَيَّ) انہوں نے از راہ فرزند چاہا کاروان نے بطور سرمایہ چاہا (وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ) عزیز مصر نے اس لئے خریدا کہ اسے اپنا بیٹا بنائے گا (نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا) زلیخا نے از روح معشوق چاہا (شَغَفَهَا حُبًّا)

قیدیوں نے انہیں اپنے خوابوں کی تعبیر بتانے والے کے طور پر جانا () لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے برگزیدہ رسول جانا () جو کچھ بھی ان کے لئے ہوا وہ یہی مقام رسالت ہے (نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ)

پیام

۱. بادشاہوں کے گھروں کی باتیں بہت جلد عام ہو جاتی ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ ان امور کی طرف توجہ دیں (وَقَالَ نِسْوَةٌ ۔۔ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ)

۲. دروازوں کے بند کرنے کے حفاظتی پروگرام اسے رسوائی سے نہیں بچا سکے (قَالَ نِسْوَةٌ ۔۔ اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ)

۳. خاندان کے افراد کی غلطیاں خاندان کے سربراہ سے منسوب کر دی جاتی ہیں (اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا)

آیت نمبر 31

فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتۡ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنۡهُنَّ سِكِّيۡنًا وَّقَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَيۡهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ وَقَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ ۫ وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ ○

پس اس نے جب عورتوں کی مکارانہ باتوں کو سنا تو انہیں بلا بھیجا اور ان سب کے لئے علیحدہ علیحدہ مسندیں بچھوا دیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی تا کہ پھل کاٹیں پھر اس نے یوسف سے کہا ان کے سامنے نکل آؤ جب ان سب نے دیکھا تو انہیں بڑا حسین پایا تو انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہنے لگیں سبحان اللہ یہ بشر نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

نکات

(الف) کلمہ "قَطَّعۡنَ" "قطع" سے نکلا ہے اور باب تفعیل ہے اس کا معنی یہ ہوا مصر کی عورتوں نے جب جناب یوسف کو دیکھا تو اس قدر مبہوت ہوئیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو مختلف جگہوں سے چھری سے کاٹ دیا۔

(ب) کلمہ "حَاشَا" "حاشیہ" اور کنارے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ رسم زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے کہ جب لوگ کسی کو عیب سے پاک سمجھتے ہیں تو پہلے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں پھر اس شخص کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں (تفسیر المیزان)

(ج) عزیز مصر کی بیوی ایک سیاست دان عورت تھی زنانِ مصر کو اپنے ہاں دعوت دی تا کہ اپنی رقیبوں کو صورت حال سے آگاہ کرے اور انہیں ان کے ارادے اور مقاصد سے روکے۔

پیام

(۱) بعض اوقات دوسرے لوگوں کے ذاتی مسائل زیر بحث لانا ان سے ہمدردی اور دلسوزی کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ حسد اور مکارانہ چالیں ہوتی ہیں (بِمَكۡرِهِنَّ)

(۲) شاید جب زنانِ مصر نے زلیخا کے یوسف سے عشق معاشقے کی خبر سنی تو ان کے دلوں میں یوسف کے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی انہوں نے اس طریقے سے یوسف کا دیدار کیا (بِمَكۡرِهِنَّ)

(۳) بعض اوقات مکر و حیلہ کا جواب مکر و حیلہ سے دیا جاتا ہے (مصر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کے اس راز کے فاش ہونے پر تبصرے اور تجزیئے کئے تو ان کا جواب دینے کے لئے زلیخا نے انہیں اپنے ہاں دعوت دی اور اُسی انداز میں جواب دیا (اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ)

(۴) زلیخا نے اپنے خلاف اٹھنے والے طوفان بدتمیزی کو احسن انداز میں کنٹرول کیا سب سے پہلے ان افراد کی ٹوہ لگائی جو ان سازشوں میں مصروف تھے (یہ بات واضح ہے کہ زلیخا کے ہاں تمام دعوت شدگان ایک علاقہ کے افراد نہ تھے (فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ)

(۵) بعض اوقات ایک مجرم اپنی پاکیزگی اور صفائی کے ثبوت کیلئے جرم کی بات کو عام کر دیتا ہے (فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ)

(۶) ہر مہمان کے لئے جداگانہ مہمان کاری پسندیدہ عمل ہے (وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا)

(۷) آقا کی اطاعت سوائے معصیت کے لازم ہے (وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ---)

(۸) شنیدن کی بود مانند دیدن،، سماعت دید کے مثل نہیں ہوسکتی۔ (فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ)

(۹) انسان از راہ فطرت صاحب عزت وعظمت کی اس انداز میں قدر کرتا ہے جتنا وہ اس چیز کا مالک ہوتا ہے (اَكْبَرْنَهٗ)

(۱۰) زلیخا مصری عورتوں کو یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ تم نے ایک لمحہ یوسف کا دیدار کیا اور اسے برداشت نہ کر سکیں وہ تو میرے گھر میں شبانہ روز رہ رہا ہے! (فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ)

(۱۱) کسی کی کوئی بات سن کر فوراً اس پر تنقید کے پتھر برسانے شروع نہ کر دیں کہیں آپ اس کی زد میں نہ آجائیں (وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ)

(۱۲) جب تک انسان میدان آزمائش میں نہیں اترتا اس وقت تک بڑ کہیں مارتا رہتا ہے جب وہ میدان میں اترتا ہے تو اسے اپنی حیثیت و ماہیت کا پتہ چلتا ہے (فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ)

(۱۳) جب انسان کو عشق ہوتا ہے تو اس کیفیت میں ہاتھ کٹ جاتے ہیں کٹنے کا احساس ہی نہیں ہوتا (وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ) اگر آپ سنیں کہ امام علی علیہ السلام کے پاؤں سے حالت نماز میں تیر نکال لیا گیا تھا اور آپ کو تیر نکلنے کا احساس تک نہ ہوا تھا تو تعجب نہ کیجئے کیونکہ ایک عشق اگر کسی انسانی فرد سے ہوجائے تو اس کے دیدار میں ہاتھ کٹ جاتے ہیں اور ہاتھ کے کٹنے کا احساس تک نہیں ہوتا اگر انسان کو عشق معنوی یعنی اپنے رب سے عشق ہوجائے جو جمال واقعی رکھتا ہے تو وہاں انسان کا کیا حال ہوگا!

(۱۴) جناب یوسف اپنے حسن و جمال میں بے مثال تھے اور اسی طرح عفت و پاکدامنی میں بھی بے مثال تھے اور نمونہ عمل میں بھی ہیں (فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ۔۔ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ)

(۱۵) ایک عورت کا جناب یوسف پر بھاری ثابت ہوا (عزیز مصر کی بیوی نے اس مہمانی کے ساتھ تمام عورتوں کے لئے اپنے عشق کی توجیہ کر ڈالی کہ اس نے یوسف سے کیوں عشق کیا تھا؟ لیکن برادران یوسف کے پاس یوسف سے حسد کرنے کی کوئی توجیہ نہ تھی

(۱۶) جمال یوسف یوسف کے لئے آزمائش بن گیا جس نے زندان پہنچا دیا لیکن علم اور تقوی نے انہیں نجات سے ہمکنار کر دیا۔

(۱۷) اس زمانے میں اہل مصر خداوند تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر ایمان رکھتے تھے (حَاشَ لِلّٰهِ۔۔۔ مَلَكٌ كَرِيْمٌ)

آیت نمبر 32

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ

لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ○

اس نے کہا وہ یہی ہے جس کے بارے میں تم لوگ مجھے ملامت کرتی تھیں اور بیشک میں نے اسے اپنے ارادے سے پھسلانے کی کوشش کی لیکن اس نے اپنی عصمت بچائے رکھی اگر اس نے میرا حکم نہ مانا تو ضرور قید کر دیا جائے گا اور ذلیل بھی ہوگا۔

نکات

معاشرتی اور نفسیاتی کیفیات مختلف افراد کے سامنے مختلف ہو جاتی ہے ایک وہ وقت تھا کہ عزیز مصر کی بیوی جب اپنے غلط کام کے فاش ہونے سے خوفزدہ ہوئی تو سارے دروازے بند کر دیئے تھے (و غلقت الابواب) لیکن جب زنان مصر کو اپنا ہم خیال پایا تو کھل کر بے خوف وخطر اعلان عام کر دیا (انا راودته) میں نے اُسے اس کام کی طرف بلایا تھا اسی طرح جب معاشرے میں ایک برائی برائی ہی نہیں رہتی تو گناہ کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے شاید اس کیفیت سے بچنے کے لئے دعائے کمیل کے اس جملے نے ہمیں متوجہ کیا ہے "اللهم اغفر لی الذنوب التی تحتك العصم"، خدایا وہ گناہ جو میری پردہ دری کا باعث بنتے ہیں وہ معاف فرما دے کیونکہ ابتدا میں گناہ کا ارتکاب سنگین ہوتا ہے لیکن سب پردے اُٹھ جاتے ہیں تو پھر ہر قسم کی ہچکچاہٹ ختم ہو جاتی ہے۔

پیام

(۱) دوسروں کو ملامت نہ کیا کرو کیونکہ تم خود بھی اس کا شکار ہو سکتے ہو (فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ)

(۲) گناہ آلود عشق رسوائی اور جگ ہنسائی کا سبب بن جاتا ہے (وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ)

(۳) جھوٹا شخص رسوا ہو کر رہتا ہے جس نے کل کہا تھا "ارادباهلك سوأً"، آج اس کے منہ سے نکل رہا ہے "لقد راودته"، میں نے اُسے گناہ کی دعوت دی ہے۔

(۴) اخلاص وعفت و پاکیزگی ناپاک لوگوں کو رسوا کر دیتی ہے (وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ)

(۵) بسا اوقات دشمن بھی فریق مقابل کی بے گناہی کی گواہی دیتا ہے "فَاسْتَعْصَمَ"، کبھی مجرم کا ضمیر بھی جاگ اُٹھتا ہے

(۶) پاکیزگی نبوت کا حصہ ہے

(۷) وہ لوگ کیسے پاک طینت ہوں گے جو بدکاروں کی وجہ سے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں (فَاسْتَعْصَمَ۔۔ لَيُسْجَنَنَّ)

(۸) گناہ گار لوگ اپنے ہدف کو سامنے رکھتے ہیں اور ہر صورت اس سے استفادہ کرتے ہیں (وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ)

(۹) طاقت قوت کے ساتھ ایمان وتقوی نہ ہو تو پھر انسان اپنے نفس کی خواہشات کی راہوں پر چل پڑتا ہے (مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ)

(۱۰) زلیخا مصری حکومت میں اختیارات رکھتی تھی (لَيُسْجَنَنَّ)

(۱۱) اقتدار واختیار سے ناجائز فائدہ اٹھانا طاغوتوں کا کام ہے (لَيُسْجَنَنَّ)

(۱۲) تحقیر و توہین اور زندان کی دھمکی دینا طاغوتی حربہ ہے (لَيُسْجَنَنَّ ۔ الصّٰغِرِيْنَ)

(۱۳) ھوائے نفس اس قدر طاقتور ہوتی ہے رسوائی کے باوجود بھی انسان اپنی ضد پر اڑا رہتا ہے (رَاوَدْتُّهٗ ۔ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ)

(۱۴) شکست خوردہ عاشق مرنے مارنے پر اُتر آتا ہے (قَالَتْ ۔ لَيُسْجَنَنَّ ۔ ۔ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ)

(۱۵) شاہی محلات میں رہنے کا شوق غیرت کے لئے زہر قاتل ہے اگر چہ عزیز مصر کو اپنی بیوی کی خیانت کا علم ہو گیا تھا اور اس نے اسے یوسف کو ایک دوسرے سے دور نہیں کیا۔

(۱۶) خواہشات کے پجاری اور طاغوتی طاقتیں تقوی اور پرہیز گاری کو ذلت و خواری کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔

آیت نمبر 33

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ○

یوسف نے کہا آئے میرے پرودگار! قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں اگر تو ان کی چالوں کو مجھ سے دور نہ کرے گا تو میں ان کی طرف جھک جاؤں گا اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا۔

نکات

(الف) جناب یوسف سراپا جوانمرد تھے پہلی مرتبہ اپنے بھائیوں کے حسد کا شکار ہوئے لیکن ان کے حسد کو برداشت کیا ان سے کسی قسم کا جھگڑا نہ کیا دوسری مرتبہ زلیخا کے عشق کا نشانہ بنے لیکن گناہ نہ کیا تیسری بار جب آپ کے پاس طاقت وحکومت تھی تو اپنے بھائیوں سے انتقام نہ لیا۔ چوتھی مرتبہ جب اپنے ملک کو خطرات میں دیکھا بجائے کہ اپنے وطن لوٹ جائیں اسی ملک کے کمزور اقتصادیات کو اپنی تدابیر سے نجات دی۔

(ب) ہر شخص ایک محبوب رکھتا ہے جناب یوسف نے اپنی پاکدامنی کے لئے زندان کو محبوب بنایا کچھ لوگوں نے دنیا کو اپنا محبوب بنا رکھا ہے (الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا) (ابراہیم ۳)

لیکن ایک مومن کا محبوب اس کا خدا ہے (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) (البقرہ) (۱۶۵

پیام

(۱) خدا کی ربوبیت پر نگاہ رکھنا آدابِ دعا میں سے ہے (رَبِّ)

(۲) اولیائ اللہ لذات گناہ پر قید و بند کو ترجیح دیتے ہیں (رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ)

(۳) انسان اپنے رب کی نصرت سے ہر صورت گناہ سے دور رہ سکتا ہے (رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ) گناہوں کی دنیا سے ہجرت لازم ہے)

(۴) رنج وسختی گناہوں کے ارتکاب سے نجات دیتی ہے (رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ)

(۵) دعاومناجات اوراپنے رب کی نصرت گناہوں اورانحرافات جنسی سے بچنے کا بہترین عامل ہے (رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ ...)

(۶) انسانی شخصیت روح سے مربوط ہے نہ کہ جسم سے اگر روح آزاد ہوتو پھر زندان بہشت ہے اگر روح حیران و پریشان قیدی کی مثل ہوتو محل اس کے لئے زندان ہے (السِّجۡنُ اَحَبُّ)

(۷) علیحدگی جب گناہوں کی ضمانت بن جائے اس اجتماعیت سے بہتر ہے جس میں دعوت گناہ ہو۔

(۸) رضا پروردگار کو بندوں کی رضا پر ترجیح دینا چاہئے (رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ)

(۹) کوئی شخص بھی پروردگار کے لطف کے بغیر محفوظ نہیں ہے (وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ)

(۱۰) خداوند تعالی اپنے مخلص بندوں کی آزمائشیں سخت سے سخت کر دیتا ہے (جناب یوسف اس سے قبل ایک عورت کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اب ایک سے بڑھ کر کئی عورتوں کی نگاہ میں ہیں (کَیۡدَهُنَّ اِلَیۡهِنَّ)

(۱۱) جناب یوسف گناہ سے اعراض کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں زنداں کو محبوب جانتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عصمت و پاکیزگی جناب یوسف کی رگ رگ میں رچی بسی تھی (رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ ... اَصۡبُ اِلَیۡهِنَّ)

(۱۲) بندوں کی رضا کے لئے خدا کو ناراض کرنا جہالت ہے (وَاَکُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِیۡنَ)

(۱۳) گناہ علوم خداوندی اور اس کے عطایا کے سلب کا ذریعہ ہے ہم نے اس سے قبل آیات نقل کی ہیں جس میں ذکر ہے ( )

(۱۴) گناہ گاری جہالت ہے (وَاَکُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِیۡنَ)

(۱۵) جب انسان جان بوجھ کر عمل نہ کرے تو وہ جاہل بن جاتا ہے (وَاَکُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِیۡنَ)

آیت نمبر 34

فَاسۡتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنۡهُ کَیۡدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ○

پس اللہ نے یوسف کی دعا قبول کر لی اور یوسف سے ان عورتوں کے مکر کو دور کر دیا بے شک وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نکات

(۱) مردانِ خدا مستجاب الدعوات ہوتے ہیں (فَاسۡتَجَابَ لَهٗ)

(۲) کبھی شدائد و آزمائش نصرت الٰہی اور راہ نجات کا سبب بنتے ہیں (رَبِّ السِّجۡنُ ... فَاسۡتَجَابَ)

(۳) عفت اور پاکدامنی دعا کی قبولیت کا ذریعہ ہیں (رَبِّ السِّجْنُ ... فَاسْتَجَابَ)

(۴) خلوص بھری دعائیں فوراً قبول ہوتی ہیں (رَبِّ ... فَاسْتَجَابَ)

(۵) جناب یوسف کی دعا عورتوں کے مکر سے بچنے کی فوراً قبول ہوئی ( ) فاستجاب میں فا، فوراً قبولیت کی علامت ہے

(۶) جو آدمی خدا کی پناہ میں آجائے وہ محفوظ ہوجاتا ہے (فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ)

(۷) کبھی دشمن دشمنی کرتا ہے لیکن اس کی دشمنی میں فائدہ چھپا ہوتا ہے دشمن نے یوسف کو زندان میں ڈالا اس طرح یوسف کو زلیخا سے نجات مل گئی (فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ)

(۸) نبوت کے علاوہ دوسرے لوگ بھی گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں (جناب یوسف ابھی نبی نہیں بنے تھے لیکن گناہوں سے معصوم تھے (فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ)

(۹) دعا کی قبولیت دلیل ہے کہ خداوند اپنے بندوں کی دعاوں کو سنتا ہے انہیں دیکھتا ہے اور ان کا علم رکھتا ہے (فَاسْتَجَابَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)

(۱۰) جو لوگ مرجع خلائق ہیں سب سے پہلے آنے والوں کی باتوں کو سنیں اور ان میں غور فکر کریں پھر ان کی مشکلات کو حل کریں کیونکہ خداوند کا طریقہ بھی یہی ہے پہلے وہ سنتا ہے پھر وہ دعاوں کو قبول کرتا ہے (فَاسْتَجَابَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)

آیت نمبر 35

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ○

پھر قدرت کی علامت دیکھنے کے باوجود انہوں نے فیصلہ کیا کہ کچھ مدت کے لئے یوسف کو ضرور قید کردیں۔

پیام

(۱) جب ایک دیوانہ کنویں میں پتھر ڈال دے تو ایک سو عقلمند مل کر بھی اسے باہر نہیں نکال سکتے عشق ایک عورت نے کیا لیکن وہ بہت سے مرد جو سربراہان مملکت تھے مل کر پورا زور لگایا رسوائی ختم نہ کرسکے (بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا)

(۲) حکومتی ایوانوں میں رہنے والے غیر ذمہ دار اور بے پرواہ ہوتے ہیں (مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ) ان تمام دلائل کے باوجود کہ یوسف حق پر ہے پھر بھی انہیں زندان میں ڈال دیا۔

(۳) حسن و جمال ہمیشہ بخت آور نہیں ہوتا کبھی وبال جان بھی بن جاتا ہے (ثُمَّ بَدَا لَهُمْ ... لَيَسْجُنُنَّهٗ)

(۴) طاغوتوں کے درباروں اور محلات میں ہونے والی کاروائیاں اور کسی کی غیر حاضری میں اس کے خلاف فیصلہ دینا محض ایک دکھاوا ہوتا ہے اس طریقے سے بے گناہوں کو مجرم بنادیا جاتا ہے (لَيَسْجُنُنَّهٗ)

(۵) بے دین معاشرہ میں بدترین لوگ آزاد اور بہترین لوگ پسِ زندان ہوتے ہیں (لَيَسْجُنُنَّهٗ)

(۶) صاحبانِ اقتدار کی پشت پناہی کی وجہ سے مجرمین سے ان کے جرائم کی کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوتی بے گناہوں کو قربان کر دیا جاتا ہے (لَيَسْجُنُنَّهٗ)

(۷) طاغوتی نظام میں جو معصوم ہے وہی مظلوم ہے (لَيَسْجُنُنَّهٗ)

(۸) پاک و پاکیزہ ہونا اور پاکیزہ بن کر رہنا زحمت و مشقت مانگتا ہے (لَيَسْجُنُنَّهٗ)

(۹) جب عزیز مصر کے خاندان کی رسوائی ہوگئی اور اس کا چرچا عام ہوا تو حکمرانوں نے یہی فیصلہ کیا کہ یوسف کو ایک مدت کے لئے زندان میں ڈال دیا جائے (لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ)

(۱۰) جب محکمہ قضاوت حکمرانوں کے زیر اثر ہو تو حکمرانوں کے مخالفین پر قید و بند کی صعوبتیں غیر محدود ہو جاتی ہیں (حَتّٰى حِيْنٍ)

آیت نمبر 36

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

اور ان کے ساتھ قید خانہ میں دو اور جوان بھی داخل ہوئے اُن میں سے ایک نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ انگور کا رس نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں پرندے اس سے کھا رہے ہیں ہمیں اس کی تعبیر بتایئے یقیناً آپ ہمیں نیک انسان نظر آتے ہیں۔

نکات

(الف) میں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے کہ قیدیوں نے جناب یوسف کو محسن کے نام سے یاد کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت یوسف کے سلوک کو زندان میں دیکھا تھا کہ وہاں مریضوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی عیادت کرتے ہیں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔

پیام

(۱) جناب یوسف کا قید خانہ عمومی تھا (مَعَهُ السِّجْنَ)

(۲) خوابوں کو بے فائدہ اور بے کار نہیں سمجھنا چاہیئے بعض اوقات ان میں راز سربستہ ہوتے ہیں (اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا) یہ بھی ممکن ہے کہ عام انسان اہم خواب دیکھ لے۔

(۳) جو انسان انسان بن کر رہتا ہے وہ ہر جگہ پھل دار شجر کی طرح ہوتا ہے چاہے وہ زندان میں ہی کیوں نہ ہو (نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ)

(۴) نیک وصالح لوگ صفائے دل سے بہت سے سربستہ رازوں کا ادراک کر لیتے ہیں جس کا ادراک دوسرے لوگ نہیں کر سکتے (نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۵) جب لوگوں کا کسی شخص پر اعتماد ہو جاتا ہے تو وہ اپنے خفیہ امور اس کے گوش گذار کر دیتے ہیں (اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۶) شائستہ اور صاحبان لیاقت اشخاص قید و بند میں بھی لوگوں کو متاثر کرتے رہتے ہیں (اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۷) مجرم اور گناہ گار لوگ بھی نیک اور صالح لوگوں کا دل سے احترام کرتے ہیں (اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۸) نیک اور صالح افراد زندان میں بھی محترم ہوتے ہیں اور لوگوں کا آسرا اور سہارا بھی ہوتے ہیں (اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۹) جناب یوسف کی نیکی نے انہیں زندان میں ہر دل عزیز بنا دیا کیونکہ انہوں نے قیدیوں کی خدمت کی ان سے اچھا سلوک کیا اس لئے قیدیوں نے انھیں محسن کا لقب عطا کیا

(۱۰) انسان بغیر مال وثروت اور آزادی کے بھی محسن بن سکتا ہے کیونکہ جناب یوسف کے پاس زندان میں نہ دولت تھی اور نہ آزادی پھر بھی محسن کہلائے گئے

(۱۱) پہلے اچھی سیرت پیش کرو اپنی نیکوکاری کو ثابت کرو پھر دین کی تبلیغ کرو زندان میں جناب یوسف نیک وصالح انسان کے نام سے مشہور تھے تو پھر اپنے قیدی دوستوں کو ان کے خواب کی تعبیر سے قبل انہیں تبلیغ کی اور ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی۔

(۱۲) صحیح آگاہی احسانات میں سے ہے (ہم نے پُراسرار خواب دیکھے ہیں ان کی تعبیر بتاؤ (اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ)

آیت نمبر 37

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○

یوسف نے کہا جو کھانا تم دونوں کو دیا جاتا ہے وہ ابھی تمہارے ہاں آیا بھی نہیں ہوگا کہ میں اس کی تعبیر تمھیں بتادوں گا قبل اس کے کہ وہ کھانا تمہارے پاس آئے۔ اس کا ایک جز ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے علم عطا کیا ہے میں نے ایسے لوگوں کا مذہب چھوڑا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

نکات

(الف) آیت کے پہلے حصہ سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ابھی جو غذا تمہارے پاس آنے والی ہے از جانب خدا میں جانتا ہوں وہ کیا غذا ہے آپؑ خوابوں کی تعبیر کے علاوہ دوسرے علوم بھی جانتے تھے جس طرح حضرت عیسیٰؑ لوگوں کو اُنکے

گھروں میں ذخیرہ شدہ غذا اور جو غذا انہوں نے کھالی تھی کی خبر دیتے تھے۔

(ب) حضرت یوسفؑ نے انہیں خوابوں کی تعبیر فوراً کیوں نہ دی دوسرے وقت کے لئے کیوں مؤخر کیا؟

جواب:۔اس کا جواب فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں کچھ یوں دیا ہے آپ نے تعبیر میں اس لئے دیر کی تا کہ انہیں کچھ وقت کے لئے تبلیغ کر لیں تا کہ پھانسی پانے والا آدمی ایمان لے آئے اور ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جائے۔

(ج) آپ چاہتے تھے کہ جس غذا کی بات وہ کر چکے ہیں وہ آ جائے اور ان کی بات کی تصدیق ہو جائے اور ان کا اعتماد بڑھ جائے۔

(د) آپ چاہتے تھے وہ مزید انتظار کر لیں تا کہ تعبیر کی تشنگی میں شدت پیدا ہو جائے اور تعبیر سننے میں غور سے کام لیں۔

(ر) ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر پھانسی تھی لہذا تعبیر میں تاخیر کی تا کہ کچھ دیر کے لیئے پریشانی سے بچ جائے۔

پیام

(۱) کبھی کبھی اپنے آپ کو موثر بنانے کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ سامعین کو انتظار کرایا جائے پھر انسان اپنے علمی کمالات دوسروں کے سامنے پیش کرے (قَالَ ... نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ)

(۲) اپنے خداداد علم سے دوسروں کو فائدہ پہچانا چاہیئے (نَبَّاْتُكُمَا ... مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ)

(۳) اپنے علوم کی نسبت اپنے رب کی طرف دینی چاہیئے (مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ)

(۴) علم سیکھنے کا ھدف پرورش ہے۔

(۵) خداوند تعالیٰ حکیم و علیم ہے وہ اپنے علم کے دروازے بغیر وجہ کے کسی پر نہیں کھولتا (عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ) کیونکہ میں نے (تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ)

(۶) جب کوئی ظلمات کفر سے فرار کرتا ہے خداوند تعالیٰ اسے منہاج علم پر فراز کر دیتا ہے (عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ اِنِّيْ تَرَكْتُ) میرے علم کی دلیل ترک کفر ہے۔

(۷) فرصت کے لمحات سے بھرپور طریقے سے استفادہ کیجئے (نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ ... اِنِّيْ تَرَكْتُ) جناب یوسف نے تعبیر بتانے سے پہلے عقیدہ توحید کی بات کی۔

(۸) ایمان کی دو بنیادیں ہیں تولا اور تبرا اس آیت میں کفار سے برات تبرا ہے اور بعد والی آیت میں اولیاء اللہ کی اتباع و پیروی کی بات ہے وہ تولا ہے (وَاتَّبَعْتُ)

(۹) تبلیغ کرنے میں فوراً کسی کی نفی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ایسی روش کو اپنانا چاہیئے جس کو سامعین فوراً قبول کر لیں (حضرت یوسفؑ نے انہیں یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دیں بلکہ فرمایا کہ میں نے ملت کفر کو چھوڑ دیا ہے (اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ)

آیت نمبر 38

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ○

اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم ،اسحاق ،اور یعقوب کے مذہب کی پیروی کی ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں ہم پر اور دوسرے لوگوں پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

نکات

خاندانی شرافت اور نجابت جس طرح افراد کی شخصیت کو موثر بناتی ہے اسی طرح ان کی ہر دلعزیزی کا سبب بھی بنتی ہے حضرت یوسف نے اپنے تعارف کے سلسلے میں اپنے خاندان اور اپنے آباؤ اجداد کا سہارا لیا جو خدا کے پیغمبر تھے تا کہ اس طرح سے ایک تو خاندانی شرافت کا لوگوں کو پتہ چل جائے اور دوسرے ان کی دعوت کے تقدس کا علم ہو جائے اور یہی وہ طریقہ ہے جو پیغمبر اکرم محمدؐ اپنے تعارف کے لئے اختیار فرمایا کرتے تھے کہ میں وہ پیغمبر امی ہوں جس کا نام تورات وانجیل میں آیا ہے حضرت امام حسینؑ نے کربلا میں اور حضرت امام سجادؑ نے شام میں اسی انداز کو اپنایا تھا اور لوگوں کے سامنے تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا (اَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ) میں فاطمہ زہرا کا بیٹا ہوں!

(ب) قرآن مجید میں لفظ ملت دین کے لئے استعمال ہوا ہے اور قرآن مجید میں ملت ابراہیمی کی یوں نقشہ کشی کی گئی ہے پوری طاقت کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرو، نماز پڑھتے رہو خدا کے ساتھ تعلق مضبوط رکھو دین میں کوئی سختی نہیں ہے خدا کے آگے سر تسلیم رکھو یہی تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے۔

پیام

(۱) حق تک رسائی کے لئے باطل کی پہچان اور اس سے دوری لازمی ہے (اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ)

(۲) انسان کا دادا انسان کے باپ کے حکم میں ہے کلمہ اب کا اطلاق جد پر ہوا ہے (مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ)

(۳) انبیاء علیہم السلام کو پاک و پاکیزہ خاندان سے ہے ہونا چاہیئے (اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ)

(۴) تمام پیغمبرانِ الٰہی کا ہدف ایک ہی تھا (اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ)

(۵) حضرت یوسف نے زندان میں پہلی بار اپنے خاندان کا تعارف پیش کیا (اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ)

(۶) منفی راہوں کے ساتھ ساتھ مثبت راستوں کی بھی نشاندہی ضروری ہے (تَرَكْتُ مِلَّةَ ... وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ ...)

(۷) اپنے اباواجداد پر افتخار کرنا اُس وقت پسندیدہ روش ہے جب وہ حق وتوحید کے راستوں کے راہی رہے ہوں (وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ..)

(۸) انبیاء علیہم السلام کے والدین مشرک نہ تھے (مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ)
(۹) شرک سے پرہیز اور اُسے مبارزہ ادیان الٰھی کی اساس ہے (مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ)
(۱۰) شرک اپنی تمام اقسام کے ساتھ قابل نفرت ہے چاہے شرک ذاتی ہو یا صفاتی ہو یا عبادی ہو (ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا)
(۱۱) شرک سے پرہیز اور توحید پر ایمان الٰہی توفیق کے محتاج ہیں (اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ)
(۱۳) نبوت، ہدایت اور توفیق وفضل الٰہی تمام لوگوں کے لئے برابر ہیں (عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ)
(۱۴) کثرت حقیقی شناخت کا معیار نہیں (اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ)
(۱۵) انبیاء علیہم السلام کے راستے سے روگردانی عظیم کفران نعمت ہے (لَا يَشْكُرُوْنَ)

آیت نمبر 39

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○

اے میری قید کے ساتھیو! کیا متفرق خدا اچھے ہیں یا ایک اکیلا اللہ جو سب پر غالب ہے۔

نکات

(الف) انسان تین قسم کے ہوتے ہیں
(۱) جن کو سانچے اور قالب کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح ہوا اور پانی جن کی اپنی کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی جسے برتن میں ڈالو اُسی صورت وشکل کو اختیار کر لیتے ہیں۔
(۲) کچھ وہ ہوتے ہیں جو کسی قسم کے اثر کو قبول نہیں کرتے بڑے سخت ہوتے ہیں جیسے لوہا اور فولاد ہر قسم کے بیرونی دباو کا بڑی سختی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔
(۳) وہ جو امام اور رہبر ہوتے ہیں یہ وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کو حق کے رنگ میں رنگین کر لیتے ہیں حضرت یوسف کا تعلق اس تیسرے گروہ سے تھا جنہوں نے زندان میں بھی مشرک کو موحد بنا دیا۔
(ب) قرآن مجید میں مختلف مقامات پر تقابل اور استفہام کے طرز استدلال سے کام لیا گیا ہے جن میں سے چند نمونے یہ ہیں جو خدا کے بارے بیان ہوئے ہیں۔
(۱) هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ،، کیا جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے ان میں سے کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پیدا کرے پھر اُسے واپس ہٹائے۔
(۲) هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ،، کیا جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو ان میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی رہنمائی کرے (یونس ۳۴)

(۳)(قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ) کیا خداوند تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اپنا پروردگار بناؤ گے جبکہ وہ تو سب کا پروردگار ہے۔(انعام ۱۶۴)

(۴)(اَللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ) کیا خدا بہتر ہے یا وہ جسے لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔

پیام

(۱)لوگوں کو محبت و پیار سے بلانا چاہیئے (یٰصَاحِبَیِ)

(۲)لوگوں کی فطرت کو بیدار کرنے کے لئے محبت و احسان کی شیرینی کو استعمال کرنا چاہیئے (یٰصَاحِبَیِ ...)

(۳)انسان اپنے ہم نشینوں میں رہتے ہوئے بھی جواب دہ ہے(یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ)

(۴)حساس زمان و مکان کے ماحول میں تبلیغ کے لئے استفادہ کیا جائے (یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ)حضرت یوسف نے زندان میں یہ دیکھا کہ ان کے ساتھیوں کو خواب کی تعبیر کی ضرورت ہے تو آپ نے فرصت کے لمحات کو غنیمت جانا اور تبلیغ کا آغاز کر دیا۔

(۵)استفسار و تقابل رشد و ہدایت کی راہوں میں سے ایک راہ ہے(ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ ...)

(۶)عقیدہ توحید اساس ایمان ہے حضرت یوسف نے اپنی دعوت کا آغاز توحید سے کیا(ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ ...)

(۷)متعدد خدا تفرقہ و انتشار کا عامل ہیں خدائے واحد اتفاق و اتحاد کا عامل ہے(ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ ...)

(۸)انسانی فطرت انتشار و افتراق سے بیزار ہے اسی وجہ سے جناب یوسف توحید کو ثابت کر رہے تھے(ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ ...)

(۹)وحدت و یگانگی قدرت و غلبہ کا عامل ہے(الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ)

آیت نمبر 40

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ط ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ○

تم لوگ اللہ کے علاوہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو وہ صرف تم اور تمہارے باپ دادا نے تجویز کئے ہیں اللہ نے ان پر کوئی دلیل نہیں اتاری حکومت کا مالک صرف اللہ ہے اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

پیام

(۱)خدا کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں ہے بلکہ یہ مشرکین کا خود ساختہ نظریہ ہے (مَا تَعْبُدُوْنَ ... اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ

وَاٰبَآؤُكُمْ)

(۲) اکثر حکومتیں، طاقتیں، انجمنیں، ادارے، سیمنار قرار دادیں سیاسی دورے کسی کی حمایت کسی کی مذمت اور کئی دوسرے عنوانات والقاب صرف اسم ہیں لیکن اپنا مسمی نہیں رکھتے یہ سب دور حاضر کے ماڈرن بت ہیں جن کو انسانوں نے بنایا ہے اور وہ سب اپنے خالق کو چھوڑ کر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں (مَا تَعْبُدُوْنَ ... اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ)

(۳) کسی چیز کا پہلے ہونا یا قدیم ہونا حقانیت کی دلیل نہیں ہے (اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ)

(۴) انسانی عقائد کو عقلی یا نقلی دلیل پر مبنی ہونا چاہیئے (اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ)

(۵) غیر اللہ کے کسی فرمان پر عمل نہیں کرنا چاہیئے حکم دینا صرف اللہ کے لئے زیبا ہے (اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ)

(۶) عبادت صرف اللہ کے لئے ہے اور یہی راہ مستقیم ہے (اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ)

(۷) خدائی قوانین کے علاوہ باقی قوانین بے بنیاد اور متزلزل ہیں (ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ)

(۸) محکم ومضبوط عقیدہ کے بغیر کسی اور عقیدہ پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے (ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ)

(۹) اکثر لوگ دین خداوندی سے جاہل ہیں (ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ) یا تو جاہل بسیط ہیں اپنی جہالت کی طرف متوجہ ہیں یا جاہل مرکب ہیں کہ اپنی جہالت کی طرف متوجہ نہیں ہیں اپنے آپ کو عالم سمجھتے ہیں۔

(۱۰) جہالت اور لاعلمی شرک کی پیدائش کے اسباب میں سے ہیں (لَا يَعْلَمُوْنَ)

آیت نمبر 41

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ○

اے میرے قیدی ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے ساتھیوں کو شراب پلانے والا ہوگا اور دوسرا سولی پر لٹکایا جائے گا پھر پرندے اس کا سر نوچ کھائیں گے جو بات تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

نکات

(الف) ''رب'' کا لفظ آقا، مالک، حاکم کے لئے بولا جاتا ہے جیسے ''رب الدار'' گھر کا مالک پس جملہ () کے معنی ہونگے کہ وہ اپنے مالک کو شراب پلائے گا۔

پیام

(۱)۔لوگوں کی عزت نفس کو مجروح نہ کریں خواہ وہ تمہارے ہم عقیدہ نہ بھی ہوں (يٰصَاحِبَيِ)

(۲) ہر آدمی کی باری کا خیال رکھا جائے (اَمَّآ اَحَدُ کُمَا) پہلے اس کی باری تھی جس نے پہلے خواب دیکھا تھا۔
(۳) بعض اوقات خواب غیر موحد کا ہوتا ہے لیکن تعبیر مُھم رکھتا ہے (فَیَسْقِیْ رَبَّہٗ خَمْرًا)
(۴) خوشخبری کو اولیت دیجئے (اَحَدُ کُمَا فَیَسْقِیْ ... الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ)
(۵) تعبیر بتانے والے کو چاہیئے کہ خواب کی تعبیر ضرور بتائے چاہے وہ کتنی ناگوار ہی کیوں نہ ہو (فَیُصْلَبُ) وہ پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔
(۶) جناب یوسف کی خوابوں کی تعبیر پیشین گوئی تھی اور نہ اندازہ تھا بلکہ خدا کی طرف سے حتمی اور قطعی علم تھا (قُضِیَ الْاَمْرُ)

آیت نمبر 42

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنْھُمَا اذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ ۫ فَاَنْسٰہُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّہٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ○

اور ان دونوں میں سے جس کی رہائی کا خیال تھا (یوسف نے) اس سے کہا تھا اپنے مالک سے میرا تذکرہ کرنا مگر شیطان نے اسے بھلا دیا کہ وہ اپنے مالک سے یوسف کا ذکر کرے تو وہ کئی سال قید خانہ میں پڑے رہے۔

نکات

(الف) کلمہ "ظن" اعتقاد اور علم کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ اس آیت سے پہلے والی آیت میں جناب یوسف نے صراحت اور قطعیت کے ساتھ خبر دی تھی ان میں سے ایک قید سے رہا ہو جائے گا دوسرا پھانسی پر لٹکایا جائے گا اسی وجہ سے کلمہ ظن یہاں گمان یا شک کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ قطع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
(ب) کلمہ "بضع" ایسے عدد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو دس سے کم ہو اکثر مفسرین نے حضرت یوسف کی مدت قید سات سال لکھی ہے۔
(ج) بعض تفاسیر میں جملہ "فانساہ الشیطان" کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ شیطان نے جناب یوسف کے ذہن سے یاد پروردگار بھلا دی تھی اور رہائی کے لئے انہوں نے خدا کی بجائے بادشاہ کے ساقی سے امداد طلب کی اور یہ جناب یوسف کے لئے ترک اَولیٰ تھا لہذا پھر آپ کو مزید کئی سال زندان میں رہنا پڑا لیکن صاحب تفسیر المیزان فرماتے ہیں اس قسم کی روایات قرآن مجید کے خلاف ہیں کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ مخلصین پر شیطان اثر انداز نہیں ہو سکتا حضرت یوسف تو مخلصین میں سے تھے پھر ان پر شیطان کس طرح مسلط ہو سکتا تھا اس بات کا ذکر دو آیتوں کے بعد میں آیا ہے () بھول جانے والے نے ایک مدت بعد یوسف کو یاد کیا اِس سے معلوم ہوا کہ فراموشی کا ربط بادشاہ کے ساقی سے تھا نہ کہ جناب یوسف سے۔

پیام

(۱) انبیاء کرام اپنی روزمرہ کی مشکلات معمول کے راستوں سے حل کرتے ہیں یہ بات توحید اور توکل خدا کے برخلاف نہیں ہے

(اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ)

(۲) ہر تقاضا رشوت نہیں ہوتا (اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ) جناب یوسف نے تعبیر خواب کے عوض میں یہ درخواست نہیں کی تھی بلکہ آپ نے فرمایا تھا میری مظلومیت کو بادشاہ تک پہنچا دینا۔

(۳) اپنی پاکیزگی اور بے گناہی کو ثابت کرنے کے لئے ارباب بست وکشاد تک رسائی ضرور حاصل کیجئے (اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ)

(۴) کاخ نشینی اور عیش وعشرت کی زندگی میں انسان اپنے مصائب زدہ دوستوں کو بھول جاتا ہے (نَاجٍ ... فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ)

(۵) جب لوگ اونچے مناصب حاصل کر لیتے ہیں تو اپنے پرانے دوستوں کو بھول جاتے ہیں (فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ)

(۶) جناب یوسف کا زندان سے باہر آنا اور تہمات سے بری ہونا شیطان کو پسند نہ تھا اس لئے اُس نے آپ کا ذکر اس کے ذھن سے نکال دیا (فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ)

آیت نمبر 43

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ○

اور ایک دن بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں اور دوسری خشک (آئے معزز لوگو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کی تعبیر بیان کرو۔

نکات

(الف) اس سورہ میں چار خوابوں کا ذکر آیا ہے

(۱) جناب یوسف کا خواب

(۲) جناب یوسف کے دو قیدی دوستوں کے دو خواب

(۳) بادشاہ کا خواب

خواب اول جو انہوں نے خود دیکھا وہ آپ کے لئے دردسر بنا لیکن جب آپ نے دوسرے لوگوں کو خواب کی تعبیر بتائی تو وہ آپ کے لئے باعث عزت بنی۔ تورات میں آیا ہے کہ بادشاہ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ کمزور گائیں موٹی تازہ گاؤں کو کھا جاتی ہیں پھر دوسری مرتبہ خواب میں خوشہ سبز کو خوشہ خشک کے ہمکنار دیکھا (تفسیر المیزان)

(ب) یہ سوال کہ عزیز مصر ہی مصر کا بادشاہ تھا یا کوئی دوسرا آدمی تھا اس میں اختلاف ہے اس بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ فائدہ سے خالی ہے

(ج) کافی میں آیا ہے خواب کی تین قسمیں ہیں (۱) کچھ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتے ہیں (۲) کچھ خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں جن میں خوف ہوتا ہے۔

(۳) کچھ خواب بے سروپا اور پریشان ہوتے ہیں (تفسیر نور الثقلین)

پیام

(۱) خداوند تعالیٰ نے ایک ظالم بادشاہ کے خواب سے ایک ملت کو قحط سے نجات دلائی لیکن شرط یہ ہے کہ تعبیر دینے والا یوسف ہو (وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى)

(۲) بادشاہ نے اپنے ان عجیب وغریب خوابوں کو دو دفعہ دیکھا تھا (اَرٰى) تکرار بتاتا ہے کہ اس نے دو دفعہ خواب دیکھا۔

(۳) خواب میں اشیاء اور حیوانات مشخص علامات رکھتی ہیں مثلاً کمزور گائے قحط کی علامت موٹی گائے خوشحالی کی علامت ثابت ہوئی (سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ)

(۴) روساء اور صاحبان اقتدار معمولی سے واقعہ کو اپنے لئے خطرہ خیال کرتے ہیں کہ مبادا اُن کا اقتدار واختیار ان سے چھین نہ لیا جائے (وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى۔۔ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ)

(۵) حکمران اپنے مختلف اُمور میں ماہرین کے مشوروں کے ضرورت مند ہوتے ہیں (يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ)

(۶) تعبیر خواب کے لئے صاحبانِ اہلیت کی طرف رجوع کیا جائے ہر کہ ومہ سے خواب کی تعبیر نہ لی جائے (اَفْتُوْنِيْ۔۔ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ)

آیت نمبر 44

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ○

انہوں نے کہا یہ پریشان خواب ہیں ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

نکات

کلمہ ''اضغاث'' ضغث کی جمع ہے جس کا معنی ہے مخلوط کرنا۔ ضغث کا معنی مختلف لکڑیوں کا گٹھا ہی ہے۔ ''احلام،، حلم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خواب پریشان اس طرح ''اضغاث احلام،، کے معنی ہوئے ایسے منتشر اور پراگندہ خواب یعنی معبر تعبیر کے لئے ان کے سر کو تلاش نہ کر سکے۔

پیام

(۱) اپنی کم علمی اور جہالت کی توجیہ نہ کرو بادشاہ کے مقربین کو خواب کی صحیح تعبیر کا علم نہ تھا لہذا اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لئے کہہ دیا (قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ) یہ خواب پریشان ہے۔

(۲) ہر کام کو اس کے ماہر کے حوالے کرنا چاہیئے (خواب کا ماہر اس کی تعبیر بتاتا ہے اور دوسرے اُسے پریشان خواب یا ناقابل تعبیر قرار دیتے ہیں (وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ)

آیت نمبر 45

وَقَالَ الَّذِیۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ بِتَاۡوِیۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ○

اور وہ جواُن دونوں میں نجات پا گیا تھا اور ایک مدت کے بعد اُسے یاد آیا تو اس نے کہا میں تم لوگوں کو اس کی تعبیر بتاتا ہوں مجھے یوسف کے پاس قید خانہ میں بھیجئے۔

نکات

کلمہ ''امۃ'' اگر چہ لوگوں کے اجتماع کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن یہاں مدت کے معنی میں آیا ہے (تفسیر کبیر والمیزان)

پیام

(۱) اچھائی دیر یا سویر ظاہر ہو کر رہتی ہے (وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ)

(۲) صرف ضرورت کے وقت دوستوں کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے (جب خواب کی ضرورت پڑی تو یوسف یاد آیا (وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ)

(۳) جب انسان کسی مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اپنے معمولات میں آجاتا ہے تو اُسے پرانے دوست بھول جاتے ہیں (وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ)

(۴) جب کوئی انسان کسی کام کی کسی اور کے لئے راہنمائی کرتا ہے تو ایسے ہے جیسے اُس نے وہ کام خود انجام دیا ہو (اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ)

(۵) جناب یوسف کے ساتھ کئی دن زندان میں رہنے سے اُسے جناب یوسف کی تعبیرات پر اتنا اعتماد ہو گیا تھا کہ اُس نے بادشاہ سے اس کے خواب کی تعبیر کا قطعی وعدہ کر لیا تھا (اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ بِتَاۡوِیۡلِهٖ)

(۶) معاشرہ میں اہل خبرہ اور ماہرین کا تعارف کرائیں تا کہ لوگ ان سے استفادہ کریں (فَاَرۡسِلُوۡنِ)

(۷) بعض معاملہ فہم افراد گوشہ نشین ہو جاتے ہیں ان سے غافل نہ رہیں (فَاَرۡسِلُوۡنِ)

(۸) ہمیں استاد کو تلاش کرنا چاہیئے نہ کہ استاد کو اپنے ہاں حاضر کرنا چاہیئے (فَاَرۡسِلُوۡنِ)

آیت نمبر 46

یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ اَفۡتِنَا فِیۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیۡۤ اَرۡجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ○

اے یوسف اے عظیم راست گو! سات دبلی گائیں سات موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں اور سات بالیاں سبز اور سات خشک ہیں ہمیں تعبیر بتایئے تا کہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں شاید وہ جان لیں۔

نکات

کلمہ "صدیق" اُس پر صادق آتا ہے کہ جس کی رفتار یا گفتار اور عقیدہ اس کی تصدیق کرے یہ آدمی جناب یوسف کے ساتھ زندان میں رہ چکا تھا اس نے ان کی رفتار گفتار سلوک کو دیکھا تھا علاوہ ازیں اپنے اور اپنے دوست کے خوابوں کی تعبیر سن چکا تھا تعبیرات کو واقع کے مطابق دیکھ چکا تھا اس لئے اس نے جناب یوسف کو صدیق کے نام کے ساتھ پکارا۔

(ب) خداوند نے اپنے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کو،، صدیق،، اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا،، تھے انہیں اپنا خلیل بنایا،، وَاتَّخَذَاللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً،، حضرت مریم کو ،، صِدِّيْقَه،، کے نام سے یاد فرمایا ،، اُمُّه صِدِّيْقَة،، اور انہیں برگزیدہ بنا دیا ،، اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ،، جناب یوسفؑ کو صدیق کا لقب دیا ،، يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ،، اور انہیں حکومت عطا فرمائی ،، وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ،، جناب ادریسؑ کو صدیق کا نام دیا ،، اِنَّه كَانَ صِدِّيْقًا ،، انہیں بلند مقام عطا فرمایا (وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا) اور جن اللہ والوں کو یہ رتبہ نہیں ملا ان کے بارے میں قرآن کا پیغام یہ ہے (فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ)

(ج) صدیق ،، امام علیؑ کے القابات میں سے ہے جو آنحضرتؐ نے انہیں ودیعت فرمایا تھا (تفسیر اطیب البیان و تفسیر کبیر)

(د) ،، لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ،، کا جملہ احتمال دیتا ہے کہ لوگوں کو حضرت یوسف کی عزت و عظمت اور مقام و مرتبہ سے واقفیت ہو جائے ،، میں لوگوں کی طرف لوٹ جاؤں تا کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ آپ کتنے باقیمت گوہر ہیں۔

پیام

(۱) سوال کرنے سے پہلے صاحب علم انسان کے کمالات کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہیئے (اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ)

(۲) اپنے سوالات اور مشکلات اس انسان کے سامنے بیان کرنا چاہئیں جو نیک سیرت ہو اور صدیق ہو (اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا)

(۳) حکومتیں ہمیشہ صاحبان دانش و بینش کی نیاز مند رہی ہیں (اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا)

آیت نمبر 47

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ○

انہوں نے کہا تم لوگ سات سال تک کھیتی باڑی کرتے رہو گے جو فصل ان سالوں میں کاٹو ان میں سے تھوڑی سی مقدار تم کھاؤ باقی اس کے خوشوں میں رہنے دو

نکات:۔

(الف) جناب یوسفؑ نے اپنے قیدی ساتھی کا خیر مقدم کیا اور اُس سے کوئی گلا شکوہ نہ کیا کہ اب ضرورت پڑی تو میں یاد آیا اتنے

عرصے سے زندان میں پڑا ہوں تم نے یاد ہی نہ کیا،، آپ نے فوراً بغیر کسی شرط کے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتادی کیونکہ دانش وحکمت کو اس وقت چھپانا جب معاشرے کو اس کی اشد ضرورت ہو تو ایسا کرنا ناقابل معافی جرم ہے نیک طینت اور صالح لوگوں کی شان کے خلاف ہے۔

(ب) حضرت یوسفؑ نے تعبیر کے ساتھ قحط کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مکمل اقتصادی پروگرام پیش کر دیا آپؑ نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ تعبیر خواب کے ساتھ ساتھ منصوبہ سازی اور اُمور مملکت چلانے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(ج) اس آیت کریمہ سے علم حکمرانی سیاست مداری، ذخیرہ سازی اور کفایت شعاری کا استفادہ کیا جا سکتا ہے

پیام

(۱) رفاہ عامہ کے مفاد کے لئے پروگرام کی صلاحیت رکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنا پروگرام بغیر کسی شرط و احسان کے پیش کر دے (تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ)

(۲) معاشرے کو مشکلات سے نجات دینے کے لئے شخصی مشکلات کو نظر انداز کر دیجئے (جناب یوسفؑ زندان کی سختیوں میں تھے یہ ان کا ذاتی مسئلہ تھا آپ نے اپنی بات نہ کی بلکہ عوام کی مشکلات کے حل کرنے کا فارمولا پیش کر دیا (فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ)

(۳) حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ معاشرے کے مشکلات کو دور کرے (فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ)

(۴) حکومتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ قحط وخشک سالی کے لئے پیش بینی کریں خوشحالی کے زمانے میں ہی قحط سالی کے لئے منصوبہ بندی کر لیں (فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ)

(۵) مناسب وقت میں جتنا ممکن ہو مشکل وقت کے لئے حاصل زراعت جمع کر لینا چاہیئے (فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ)

(۶) بندگانِ خدا کو چاہیئے کہ وہ رفاہ عامہ کی فکر کرتے رہیں اور لمبی مدت اور چھوٹی مدت کے منصوبے تشکیل دیں (تَزْرَعُوْنَ۔۔ فَذَرُوْهُ۔۔ اِلَّا قَلِيْلًا)

(۷) سختی کے بعد آسانی ہے (ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ)

(۸) حالات واقعات کی تشریح کافی نہیں بلکہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرنا چاہیئے (قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ)

(۹) مدیریت اور منصوبہ بندی میں مدت اور پیریڈ کی بہت زیادہ اہمیت ہے (تَزْرَعُوْنَ۔۔ فَذَرُوْهُ۔۔ اِلَّا قَلِيْلًا)

(۱۰) پیداوار بڑھانے کی منصوبہ بندی (تَزْرَعُوْنَ۔۔ فَذَرُوْهُ) کفایت شعاری اور ذخیرہ سازی ایک ضرورت ہے حالانکہ وہ معاشرے جو منصوبہ بندی کے اعتبار سے پسماندہ ہوتے ہیں ان کی آنے والے حالات پر نظر نہیں ہوتی وہ صرف خرچ کرنا جانتے ہیں۔

(۱۱) ہنگامی حالات میں پیداوار اور تقسیم پر کنٹرول حکومت کے لئے ضروری امر ہے (تَزْرَعُوْنَ۔۔ فَذَرُوْهُ)

(۱۲) گندم اگر بالی میں ہو تو اس کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے (فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ)

(۱۳) اگر ممکن ہو تو حوادث طبعی جیسے قحط، زلزلہ، سیلاب، وغیرہ کے مقابلہ کے لئے منصوبہ بندی کرنا چاہیئے (فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ)

(۱۴) منصوبہ بندی اور مستقبل کی تدابیر توکل برخدا کے منافی نہیں ہیں (فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ)

(۱۵) ایسی منصوبہ بندی کرنا چاہیئے جو قابل عمل بھی ہو۔

(۱۶) ہر سختی اور مشکل بری چیز نہیں ہوتے یہی قحط حضرت یوسفؑ کی حکومت کے لئے مقدمہ بنا علاوہ ازیں لوگوں میں کفایت شعاری اور بہتر کام کرنے کا بھی سبب بنا (تَزْرَعُوْنَ۔۔ فَذَرُوْهُ۔۔ اِلَّا قَلِيْلًا)

(۱۷) معاشرے کی اقتصادی ضروریات کے لئے طویل المدت منصوبہ بندی کرنا سربراہ مملکت کے لئے لازمی امر ہے۔

(۱۸) آج کی کفایت شعاری کل کی خود کفالتی کے لئے بہتر ہے آج کا اسراف کل کی محتاجی کا سبب بنتا ہے (قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ)

(۱۹) کفار کے خواب حقائق کے ادراک کے لئے اور معاشرے کی حفاظت کے لئے ایک بہترین پروگرام دے سکتے ہیں۔

(۲۰) آج کام کر کے اپنے کل کو بہتر بنا سکتے ہو (تَزْرَعُوْنَ۔۔ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ)

آیت نمبر 48

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ○

پھر اس کے بعد سات سال ایسے شدید آئیں گے جن میں وہ غلہ کھا لیا جائے گا جو تم نے ان سالوں کے لئے اکٹھا کر رکھا ہوگا سوائے اس تھوڑی مقدار کے جو تم بچا کر رکھو گے۔

آیت نمبر 49

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ○

اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور اس میں وہ پھلوں کا عرق نچوڑیں گے۔

(الف) "يُغَاثُ النَّاسُ" یا تو "غَوْث" سے ہے جس کا معنی ہے لوگوں کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے مدد ملے گی "یا غَیْث" سے ہے بارشیں ہوں گی۔ یہ تمام پریشانیاں اور تلخیاں جاتی رہیں گی (تفسیر المیزان)

(ب) سات موٹی تازی اور لاغر گائیں اسی طرح سات سرسبز اور خشک بالیاں جو خواب میں نظر آئی تھیں حضرت یوسف کے توسط سے چودہ سالہ نعمت وقحط کے سالوں سے تعبیر کئے گئے بلکہ پندرھواں سال جو بارش کے برسنے اور خوشحالی کا سال تھا وہ بادشاہ کو نظر نہیں آیا تھا بلکہ حضرت یوسفؑ نے خدا کی جانب سے از راہ غیب بتایا تھا تا کہ ان کے اعلان نبوت کے لئے راہ ہموار ہو جائے (ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ)

(ج) اُمورِ مملکت اور معاشرتی اُمور کو کنٹرول کرنے کے لئے کسی شخص کو مندرجہ ذیل صلاحیتوں کا حامل ہونا ضروری ہے

(۱) لوگوں کا اعتماد (اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ) ہم آپ کو نیک کاروں میں دیکھتے ہیں

(۲) صداقت (يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ) یوسف آئے سچے دوست

(۳) علم و دانش (میرے رب نے مجھے تعلیم دی حقیقی پیش بینی (عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ) گندم کو خوشوں میں رہنے دو

(۴) حقیقی پیش بینی (فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖ)

(۵) عوام کی خدمت، جب لوگ یوسف کے احکامات کا اجراء کریں۔

پیام

(۱) ہمیں چاہیئے کہ لوگوں کو مستقبل میں آنے والی سختیوں اور مسائل سے آگاہ کریں اور انہیں حالات سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ کریں (سَبْعَ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ)

(۲) مصائب و شدائد اور ناتوانی کے ایام کے لئے بچت اور منصوبہ بندی بہت ضروری ہے (اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ)

(۳) دور اندیشی اور کفایت شعاری قوموں کو سخت سے سخت طوفانوں سے نجات دلاتے ہیں (يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ)

(۴) روزمرہ کے اخراجات سے کچھ اناج بیج اور سرمایہ کے لئے ذخیرہ کرنا چاہیئے (مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ)

(۵) شدید ترین حالات میں اصلی سرمایہ کو محفوظ کر لینا چاہیئے (قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ)

(۶) غذائی مواد کو محفوظ کرنے کا طریقہ سیکھنا چاہیئے تا کہ ضائع نہ ہو جائے (مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ)

(۷) ہر مشکل کے بعد آسانی ہے (ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ)

(۸) لوگوں کو آنے والے مشکل حالات کے لئے تیار رہنا چاہیئے تا کہ وہ سختیوں کو برداشت کر سکیں (يَاْتِيْ ۔۔ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ)

(۹) بادو باراں کی پیش گوئی منصوبہ بندی کے لئے مفید امر ہے (يَاْتِيْ ۔۔ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ ۔۔)

(۱۰) خواب بھی انسان کے مستقبل کے حالات اور مشکلات کے حل کو بیان کر سکتے ہیں (يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ)

(۱۱) انسانوں کے مشکلات کے لئے کام کرنا چاہیئے چاہے وہ لوگ ہمارے ملک و علاقہ کے نہ بھی ہوں (جناب یوسفؑ نے جو منصوبہ بندی کی تھی وہ آپ کا ملک نہیں تھا۔

(۱۲) علم و دانش ترقی کی علامت ہیں حکومتوں کی بقا اور معاشرتی امن و امان اور بہبود کی ضمانت ہے (جناب یوسف کی قحط و خشک سالی کے لئے منصوبہ بندی ان کے خداداد علم کی دلیل ہے۔

آیت نمبر 50

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ

النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ○

اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لاؤ پھر جب قاصد ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا اپنے مالک کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے یقیناً میرا پروردگار ان کی چال کو خوب جاننے والا ہے۔

نکات

(الف) جناب یوسفؑ نے بادشاہ کو اس کے خواب کی تعبیر بتادی اور مستقبل کی منصوبہ بندی بھی کر دی لیکن بغیر کسی شرط اور عوض کے ان کا کام کر دیا اس سے یہ ثابت کر دیا کہ نہ تو وہ ایک مجرم ہے اور نہ قیدی بلکہ وہ ایک فوق العادت انسان ہے اور دانا و بینا ہے۔

(ب) جب بادشاہ کا آدمی جناب یوسف کے پاس آیا تو انہوں نے فوراً اپنی رہائی کی خبر پر مسرت کا اظہار نہ کیا بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے سابقہ ریکارڈ پر دوبارہ غور کیا جائے کیونکہ انہیں یہ پسند نہ تھا کہ بادشاہ کی طرف سے ملنے والی معافی کے احسان مند ہو جائیں بلکہ آپ چاہتے تھے کہ ان کی بے گناہی اور پاکدامنی ثابت ہو جائے اور بادشاہ کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ اس کی حکومت میں کسی حد تک ظلم اور ناانصافی کا راج ہے۔

(ج) ایک حدیث میں آیا ہے رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ مجھے حضرت یوسف کے صبر پر تعجب ہے جب عزیز مصر نے خواب کی تعبیر کے بارے میں انہیں طلب کیا تو انہوں نے یہ نہ فرمایا کہ میں جب تک رہا نہیں ہو جاؤں گا تعبیر نہیں بتاؤں گا لیکن جب انہوں نے یوسف کو رہا کرنا چاہا تو آپ نے اس وقت تک رہائی قبول نہ فرمائی جب تک تہمت رفع نہیں ہو گئی۔

(د) حضرت یوسف نے عزیز مصر کے احترام کی خاطر شاید اس کی زوجہ کا نام نہ لیا اور مہمانی کی مجلس کی طرف اشارہ فرمایا (قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ)

پیام

متفکر دماغ جن کی ملک و قوم کو ضرورت ہوتی ہے اور وہ قید میں ہوں اور مجرم نہ ہوں حکومتی مدد سے انہیں رہا ہونا چاہیئے (وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ)

(۲) حکمران متفکریں کے محتاج ہوتے ہیں (وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ)

(۳) اگر خدا چاہے تو بادشاہ کو ایک قیدی کا سائل بنا دے (وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ)

(۴) جناب یوسف نے بادشاہ مصر کو اپنا رب نہ کہا (قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ)

(۵) رہبر و حاکم چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو ان کے ماتحت کے سامنے ان کا احترام ملحوظ خاطر رکھا جائے (قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ)

(۶) ہر قیمت پر رہائی قابل قدر نہیں ہوتی بے گناہی کا ثابت ہو جانا رہائی سے زیادہ افضل ہے (قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ)

(۷) جو قیدی اپنی رہائی کے بجائے اپنے ریکارڈ کی دوبارہ جانچ پڑتال کی پیشکش کرتا ہے وہ بے گناہ ہوتا ہے (فَاسْئَلْهُ)

(۸) جناب یوسف نے پہلے لوگوں کے ذہنوں کو صاف کیا پھر ذمہ داری قبول فرمائی (مَا بَالُ النِّسْوَةِ)

(۹) اپنی عزت اور حیثیت کا دفاع واجب ہے (مَا بَالُ النِّسْوَةِ)

(۱۰) بے دین حکمرانوں کے دربار میں اپنے حقوق کی درخواست جائز ہے (فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ)

(۱۱) حساس مواقع پر (جیسے جناب یوسف کا بادشاہ سے معاملہ ہوا) اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر حقائق پر پردہ نہیں ڈالنا چاہیئے (مَا بَالُ النِّسْوَةِ)

(۱۲) جناب یوسف نے "قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ" سے اس واقعہ کی طرف اس لئے اشارہ فرمایا کیونکہ واقعہ کا یہ پہلو عمومی تھا اور ناقابل انکار تھا (بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ)

(۱۳) جناب یوسف کی قید کی سازش میں تمام عورتیں شریک تھیں (بِكَيْدِهِنَّ)

(۱۴) اخلاقی مسائل ہوں یا کسی کے گناہ ہوں ان کو اشاروں اور کنایوں میں بیان کریں (اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ)

(۱۵) جب دشمن کی سازش عظیم ہو تو خداوند تعالیٰ کی بھی ان سازشوں پر نظر ہوتی ہے اپنے دوستوں کی اُن سازشوں سے حفاظت کرتا ہے (اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ)

آیت نمبر 51

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○

اس نے کہا کیا واقعہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے ارادے سے پھسلانے کی کوشش کی تھی؟ ان عورتوں نے کہا اب حق تو نمایاں ہو ہی گیا میں نے ہی یوسف کو اس کی مرضی کے خلاف پھسلانے کوشش کی تھی اور یوسف یقیناً سچوں میں سے ہے۔

نکات

(الف) لفظ "خطب" کسی اہم معاملہ کی طرف دعوت کرنے کے لئے آتا ہے اس لئے خطیب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کو کسی اہم ہدف کی طرف دعوت دیتا ہے اور "حصحص" کا لفظ "حصه" سے لیا گیا ہے جس کا مطلب ہے حق کا باطل سے جدا ہو جانا (تفسیر اطیب البیان)

(ب) اس واقعہ میں خداوند تعالیٰ کے طریقہ ہائے کار میں سے ایک ایسا طریقہ بیان ہوا ہے جو پایہ تکمیل تک پہنچا اور وہ یہ کہ جو خدا کا تقوی اختیار کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کے لئے کشائش کے راستے کھول دیتا ہے (وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ) جو شخص اپنے خدا سے ڈرتا ہے خداوند تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے

جہاں سے وہ گمان نہیں رکھتا اسے وہاں سے روزی عطا کر دیتا ہے (طلاق ۳/ ۲)

پیام

(۱) جب عدالتی معاملات الجھ جائیں اور صحیح نتیجہ سامنے نہ آ رہا ہو تو سربراہ مملکت کو چاہیئے کہ ریکارڈ کی جانچ پڑتال خود کرے اور عدالتی بنچ قائم کرے (قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ)

(۲) ملزم کو اپنے پورے دفاع اور صفائی کے پورے حقوق دیئے جائیں (قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ) حتّٰی کہ زلیخا بھی موجود تھی (قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ)

(۳) بہت سی تلخیوں کے بعد خوشیاں بھی آتی ہیں ایک وہ وقت تھا جب عزیز مصر کی بیوی نے کہا تھا (اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا) اب وہی ہے جو کہہ رہی ہے (مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ)

(۴) مصری عورتوں نے نہ صرف یوسف کی پاکدامنی کا اعتراف کیا بلکہ ان سے ہر قسم کی برائی اور خطا کی نفی بھی کی تھی (مِنْ سُوْٓءٍ) اس میں کوئی عیب و گناہ نہیں ہے۔

(۵) حق چھپانے سے چھپ نہیں سکتا ظاہر ہو کر رہتا ہے (اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ)

(۶) حقائق کو منظر عام پر لانے کے لئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے (اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ)

(۷) ضمیر و وجدان جب بیدار ہوتا ہے تو حق کا اعتراف کرتا ہے (اَنَا رَاوَدْتُّهٗ) کیونکہ معاشرتی و علاقائی دباؤ بڑے بڑے سرکشوں کو حق کے سامنے سرنگوں کر دیتا ہے (جب عزیز مصر کی بیوی نے باقی تمام عورتوں کو اعتراف کرتے دیکھا تو اس نے بھی اپنی اکڑی گردن حق کے سامنے جھکا دی۔

(۸) عزیز مصر نے کہا تھا کہ زلیخا کے یوسف کے ساتھ عشق کا واقعہ مخفی رہے لیکن خداوند تعالیٰ نے اس واقعہ کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھا بلکہ ہمیشہ کے لئے ہر ایک کے لئے آشکار کر دیا تا کہ جناب یوسف کی پاکدامنی اور عفت ثابت ہو جائے (قَالَتِ... اَنَا رَاوَدْتُّهٗ)

(۹) جب خدا چاہتا ہے تو دشمن نجات اور رفع تہمت کا وسیلہ بن جاتا ہے (وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ)

آیت نمبر 52

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ○

(یوسف نے کہا) میں نے یہ اس لئے کیا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے ان کے ساتھ خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کاروں کے مکر و فریب کو کامیاب نہیں کرتا۔

نکات

یہ آیت حضرت یوسفؑ کا کلام ہے یا عزیز مصر کی بیوی کے کلام کا تسلسل ہے؟ اس میں علماء کے دو نظریئے ہیں کچھ مفسرین نے تو اسے

حضرت یوسفؑ کا کلام کا حصہ قرار دیا ہے جب کہ کچھ اور حضرات نے اُسے عزیز مصر بیوی کے کلام کا تسلسل قرار دیا ہے لیکن اگر آیت کے مضمون کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو پہلا نظریہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور عزیز مصر کی بیوی کا کلام نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کیا خیانت ہوسکتی ہے کہ ایک پاک دامن انسان کئی سالوں تک زندان میں پڑا رہے۔

(ب) اس کلام کے ذریعے حضرت یوسفؑ نے زندان سے باہر آنے کی تاخیر کی اپنے ریکارڈ کی دوبارہ جانچ پڑتال کی دلیل پیش کی

پیام

(۱) ایک کریم انسان انتقام نہیں لیتا لیکن اپنی حیثیت کے اعادے اور حقیقت کے اظہار کی کوشش ضرور کرتا ہے (ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ)

(۲) اپنے اذہان کو منفی سوچ سے بہت دور رکھئے (ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ)

(۳) کسی شخص کی بیوی کے بارے میں بری نیت اسی شخص کے ساتھ خیانت ہوتی ہے (لَمْ اَخُنْهُ)

(۴) خیانت ایک ناپسندیدہ عمل ہے چہ جائیکہ وہ کافر کے حق میں ہو (لَمْ اَخُنْهُ)

(۵) خلوت میں خیانت نہ کرنا حقیقی ایمان کی علامت ہے (لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ)

(۶) خائن شخص اپنی خیانت کی توجیہ کے لئے مختلف حیلے بہانے بناتا ہے (كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ)

(۷) جناب یوسف کی کوشش تھی کہ بادشاہ کو اِس طرف متوجہ کریں کہ انقلاباتِ زمانہ اور حوادث کے پیدا ہونے میں خدا کا ارادہ اور اُس کا مقرر کردہ طریق کار ہی مؤثر ہوا کرتا ہے (وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ)

(۸) خائن کسی نتیجہ کی سرحد تک نہیں پہنچ سکتا اور اُس کا انجام برا ہوتا ہے بشرطیکہ ہم خود پاک ہوں (لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ) اللہ تعالیٰ کسی ناپاک کو اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ ہماری عزت آبرو کو تباہ برباد کرے (اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ)

آیت نمبر 53

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور میں اپنے نفس کی برات کا اعلان نہیں کرتا ہوں یقیناً نفس برائی پر آمادہ کیا ہی کرتا ہے مگر یہ کہ میرے پروردگار کا رحم و کرم شامل حال ہوجائے یقیناً میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے

نکات

(الف) قرآن مجید نے نفس کی اقسام بیان کی ہیں جن کی طرف ہم اشارہ کریں گے

(۱) نفس امارہ:۔ یہ وہ قسم ہے جو انسان کو برائیوں کی طرف رغبت دلاتا ہے اگر عقل اور ایمان کی طاقت ذریعے اس پر قابو نہ پایا جائے تو انسان تباہ و ویران ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۲) نفس لوامہ:۔ یہ وہ قسم ہے جب انسان احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے ملامت کرتا ہے توبہ اور معذرت کی طرف مائل کرتا ہے سورہ قیامت میں اس کا ذکر آیا ہے۔

(۳) نفس مطمئنہ:۔ نفس کی یہ وہ قسم ہے جو صرف انبیاء اور اولیاء اللہ اور تربیت یافتہ لوگ رکھتے ہیں اس قسم والے انسان ہر وسوسہ اور حادثہ کے موقع پر سرخرو اور سرفراز نظر آتے ہیں اور صرف خدا ہی کے ساتھ ان کے قلوب وابستہ ہوتے ہیں۔

(ب) اس آیت کریمہ میں حضرت یوسفؑ نے خیانت سے دوری اپنی سرخروئی اور سرفرازی اور شدید ترین آزمائش میں مکمل کامیابی کا سبب خداوند عالم کے لطف و کرم کو قرار دیا اور اپنی انسانی حیثیت کو بری قرار نہیں دیا۔

(ج) متعددہ روایات میں نفس کے خطرات اور اس سے برائت اور نفس کو راضی رکھنے کی باتیں بیان ہوئی ہیں اپنے نفس سے راضی رہنے اور اس کے پیچھے چلنے کو عقل کی خرابی اور شیطانی پھندہ قرار دیا گیا ہے (غرر الحکم)

پیام

(۱) انسانی کمال کی شرط یہ ہے خواہ اُسے ساری دنیا کامل سمجھے لیکن وہ خود کو کامل نہ سمجھے حضرت یوسفؑ کی اس داستان میں ان کے برادران، عزیز مصر کی بیوی، شاہد، بادشاہ وقیدی حتّٰی کہ شیطان تک سب جناب یوسفؑ کے کمال کی گواہی دے رہے تھے لیکن ان کی بلندی نفس اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ آپ اعلان فرما رہے تھے (وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ)

(۲) نفس کی خواہشات بہت زیادہ خطرناک ہیں انہیں سادہ نہ سمجھئے (اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ) (اس آیت میں چہار قسمی تاکید موجود ہے (اِنَّ) لام تاکید، صیغہ مبالغہ، اور جملہ اسمیہ)

(۳) اگرچہ انبیاء معصوم ہیں لیکن پھر بھی انسانی غرائز کے حامل ہیں (اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ)

(۴) جہاں جناب یوسفؑ اپنی عفت اور پاکدامنی کی تہمت کے مقابلے میں اپنا دفاع کیا وہاں اپنے نفس کے شرور کا اعلان بھی کیا اور خدا کی پناہ حاصل کی (اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ)

(۵) نفس اپنی خواہش کا تکرار کرتا ہے تاکہ انسان کو اپنے قابو میں کر لے (لَاَمَّارَةٌ)

(۶) اگر انسان اپنی طبع اور غرائز کے طور پر خداوند کے لطف و کرم کے مدار میں نہ ہو تو اس میں منفی میلانات پیدا ہو جائیں (لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ)

(۷) صرف اور صرف رحمت پروردگار سے نجات ممکن ہے اگر انسان اپنے آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دے تو بہت جلد سقوط کر جائے (مَا رَحِمَ رَبِّیْ)

(۸) جناب یوسفؑ خداوند تعالیٰ کی خاص تربیت میں تھے اس لئے کلمہ ربی کا تکرار ہوا ہے (اِلَّا مَا رَحِمَ)

(۹) مربی کے اندر رحمت اور بخشش کے جذبات ہونے چاہئیں (اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ)

(۱۰) بخشش رحمت الٰہی کا دروازہ ہے پہلے فرماتا ہے وہ غفور ہے پھر فرماتا ہے وہ رحیم ہے

(۱۱) تمام حوادث و خطرات میں اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے (اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ)

آیت نمبر 54

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ○

اور بادشاہ نے کہا کہ انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں اپنا مقرب خاص بناؤں تو پھر جب یوسف نے ان سے گفتگو کی تو (بادشاہ) نے کہا بے شک آج آپ ہمارے بااختیار امانت دار ہیں۔

(الف) کتاب لسان العرب میں ہے جب انسان کسی کو اپنا محرم راز بناتا ہے تو اُسے اپنے امور میں داخل کرتا ہے تو اسے کہتا ہے "اَسْتَخْلِصُهُ"

(ب) جب حضرت یوسف زندان سے رہا ہوئے تو زندان کے دروازے پر چند جملے تحریر فرمائے ان جملوں میں زندان کی نقشہ کشی کی گئی ہے (هَذَا قُبُوْرُ الْاَحْيَاءِ ،بَيْتُ الْاَحْزَانِ ،تَجْرِبَةُ الْاَصْدِقَاءِ ،شَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ ،یعنی زندان ،،زندوں کا قبرستان ہے، رنج وغم کا گھر ہے،،دوستوں کی آزمائش گاہ،،اور دشمنوں کے خوش ہونے کا مقام ہے (تفسیر مجمع البیان)

(ج) جب بادشاہ کو جناب یوسف کی صداقت اور امانت کا یقین ہو گیا انہیں ہر قسم کی خیانت سے پاک اور صاف پایا تو اپنے لئے انہیں منتخب کر لیا یہ تو دنیا کے بادشاہ کا حال تھا اور وہ جو پوری کائنات کا بادشاہ ہے اپنے بندے کو پاک صاف پالے تو وہ خدا خود ہی جانے کہ اس کا مقام کیا ہوگا ؟ یقیناً وہ اسے اپنے لئے منتخب کر لے گا جیسا کہ قرآن انبیاء علیہم السلام کے بارے فرماتا ہے (اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِع لما یوحی) اے موسیٰ! میں نے تمہیں نبوت کے لئے چن لیا ہے اب جو وحی تمہاری طرف ہو اس کو غور سے سنو! اور فرمایا "واصطفیتك لنفسی" میں نے تمہیں اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔

(د) بادشاہ نے "لَدَيْنَا" کا لفظ کہہ کر اسی بات کا اعلان کر دیا کہ جناب یوسف کو ہماری حکومت میں اعلیٰ منصب حاصل ہے صرف میرے لئے نہیں پس حکومت کے تمام ذمہ داروں کو چاہیئے کہ وہ ان کی اطاعت کریں۔

(ر) حکومت اور امانت جب کسی فرد میں اکٹھی ہو جائیں اگر انسان میں امانت ہو اور وہ حکومت نہیں رکھتا تو وہ کام نہیں کر سکتا جو اُسے کرنا چاہیئے تھا ہاں اگر کسی انسان کے پاس حکومت ہو تو اور امانت نہ ہو تو پھر ملکی خزانہ نہیں بچ سکتا اس لئے حضرت امام علیؑ نے مالک اشتر سے خطاب فرمایا تھا۔ کارمندان کی قابلیت اور رغبت کی شناخت کے بعد انھیں مکمل حقوق دیجئے۔

پیام

(۱) خداوند تعالیٰ اگر چاہے توکل کے اسیر کو آج کا امیر بنا دے (وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي)

(۲) انسان کے اندر جس قدر صلاحیتیں ہوں اس قدر اُسے کام دینا چاہیئے (تعبیر خواب کے بعد بادشاہ نے حکم دیا اُسے آزاد کر دو (ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي)

(۳) چاہے مشرک ہو یا کافر معنوی کمالات کے قدر دان ہوتے ہیں انسانی خمیر میں ہے کہ وہ کمال سے محبت کرے (اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِیۡ)

(۴) مملکت کے افسران اوراعلیٰ حکام کے مشیروں کو تقویٰ، تدبر، منصوبہ بندی کی صلاحیت اور امانت کا حامل ہونا چاہیئے (اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِیۡ۔۔۔ مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ)

(۵) پاکیزگی، امانت اور صداقت، بادشاہوں کو جھکا دیتی ہے (اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِیۡ)

(۶) تامد دسخن نگفتہ باشد۔ عیب وہندش نہفتہ باشد انسان جب تک کلام نہ کرے اس وقت اس کے عیب و ہنر سربستہ رہتے ہیں (فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ)

(۷) جب کوئی بڑی ذمہ داری کسی کو سونپی جارہی ہو تو سربراہ مملکت کو چاہیئے وہ خود اس شخص سے کلام کرے (فَلَمَّا كَلَّمَهٗ)

(۸) جب اہم ترین اور اہم عہدوں پر کسی کو مقرر کیا جائے تو پہلے ان کا امتحان لیا جائے (فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡيَوۡمَ)

(۹) اگر انسان صادق اور امین ہو تو کافروں کے ماحول واجتماع میں مقبول اور مورد احترام ہوتا ہے (لَدَيۡنَا) کا کلمہ تمام کارگذاریوں کا معنی دیتا ہے (اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ)

(۱۰) جب مصر کی عورتوں نے یوسف کے حسن کا نظارہ کیا تو دل دے بیٹھیں اور اپنے ہاتھوں کو کاٹ بیٹھیں جب بادشاہ نے ان کی عفت اور امانت کو دیکھ لیا تو مملکت مصر دے بیٹھا اگر وہ آپ کے تمام کمالات کو دیکھ لیتا تو خدا جانے کیا کرتا؟

(۱۱) جب کسی کی امانت اور صداقت پر اطمینان کرلو تو پھر ذمہ داری سونپنے میں تردد نہ کرو (اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ)

(۱۲) سربراہان مملکت کے مشیروں کو متقی، مدبر، امین، اور منصوبہ بندی پر مہارت تامہ رکھنے والا ہونا چاہیئے (اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِیۡ ۔۔۔ مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ)

(۱۳) جب ہمیں امین اور ماہرین مل جائیں تو پھر ٹال مٹول سے کام نہیں لینا چاہیئے (عزیز مصر نے فوراً حکم صادر کیا) (اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ)

(۱۴) جس پر اطمینان وایمان پیدا ہوجائے اُسے اختیارات دے دینا چاہیئے (لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ)

(۱۵) جناب یوسف کو کلی اختیارات مل گئے تھے (مَكِيۡنٌ) آپ محدود نہ تھے مکین اور امین ہونا لازم وملزوم ہیں (مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ)

آیت نمبر 55

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِيۡظٌ عَلِيۡمٌ ○

انہوں نے کہا مجھے اس زمین کے خزانوں پر مقرر کردیں یقیناً میں حفاظت کرنے والا ہوں اور خوب جاننے والا ہوں۔

نکات

سوال:۔ کیا وجہ ہے کہ جناب یوسفؑ نے اپنے لئے ذمہ داری کی پیش کش کیوں کی؟ یا دوسرے الفاظ میں انہوں نے ریاست کا مطالبہ کیوں کیا؟

جواب:۔ آپؑ نے بادشاہ مصر کے خواب سے لوگوں کے لئے خطرات اور نقصان کو محسوس کر لیا تھا آپ اپنے آپ کو آنے والے ناگوار حالات کا مقابلہ کرنے کے اہل سمجھتے تھے لہذا ضرر کو روکنے کے لئے اپنی طرف سے اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی پیش کش کی۔

سوال:۔ جناب یوسفؑ کا اپنی تعریف کیوں کی؟

جواب۔ جناب یوسف کو اپنی تعریف کا مقصد اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تھا کہ وہ قحط سالی کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں نہ کہ آپ کا مقصد فخر کرنا تھا۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب یوسف نے کافر حکومت کے ساتھ کیوں تعاون فرمایا جب کہ قرآن نے ایسا کرنے سے روکا ہے (وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا) جنہوں نے ظلم کیا ہے ان پر تکیہ نہ کرنا۔

جواب:۔ انہوں نے ظالموں کی حمایت کے لئے ذمہ داری قبول نہ کی تھی بلکہ قحط سالی کے ایام میں لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے قبول فرمایا انہوں نے بادشاہ کی خوشامد میں ایک کلمہ تک بھی نہ کہا تفسیر ظلال القرآن میں ہے کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ سیاستدان خطرناک مواقع پر عوام کو ان کے حال پر چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر جاتے ہیں لیکن جناب یوسفؑ ان کی حفاظت چاہتے تھے علاوہ ازیں اگر ظالم حکومت کو سرنگوں اور تبدیل کرنا ناممکن ہو تو جس حد تک ممکن ہو تو غلط طریقوں اور مظالم کے راستوں کو روکنا چاہیئے اور کچھ حکومتی اختیارات کو ہاتھ میں لے کر کام کرنا چاہیئے۔

تفسیر نمونہ میں ہے ''اہم سے اہم تر'' کے قانون کی حفاظت عقلاً اور شرعاً ایک اصل کلی کی حقیقت رکھتی ہے مشرک نظام حکومت میں شرکت جائز نہیں ہے لیکن ایک ملت کو قحط سے نجات دلانا اس سے زیادہ ضروری ہے اسی لئے تفسیر تبیان والے نے کہا ہے حضرت یوسف نے کسی سیاسی منصب کو قبول نہیں فرمایا تھا کہ ظالم کی مدد ہو فوجی ذمہ داری نہیں سنبھالی تھی تاکہ کسی کا ناحق خون نہ ہو صرف آپ نے اقتصادی ذمہ داری اپنے لئے اختیار فرمائی تاکہ لوگوں کو قحط کی مصیبت سے نجات دلائیں (تفسیر نور الثقلین)

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ جب ضرورت اس بات کا سبب بن گئی کہ جناب یوسفؑ مصر کی حکومت کے خزانوں کی سرپرستی فرمائیں تو انہوں نے خود ہی اس کی پیش کش کی تھی۔

علی بن یقطین بھی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی اجازت کے ساتھ بنو عباس کی حکومت کے وزیر رہے۔ تو اس قسم کے اللہ والوں کا وجود مظلوموں کی پناہ گاہ ثابت ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں سرکاری کاموں کا کفارہ دینی بھائیوں کی حاجات کو پورا کرنا ہے (وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۱۳۹)

جب امام رضاؑ سے پوچھا گیا کہ آپ نے مامون عباسی کی ولی عہدی کو کیوں قبول فرمایا تھا؟ آپ نے جواب میں فرمایا حضرت یوسفؑ اللہ کے نبی تھے وہ مشرک حکومت میں ایک اعلیٰ منصب دار تھے میں پیغمبر اکرمؐ کا وصی ہوں ایسے شخص کی حکومت کا عہدہ قبول

کیا جو بظاہر مسلمان ہے یہ اور بات ہے کہ میرا منصب قبول کرنا بامر مجبوری تھا جبکہ حضرت یوسف نے اپنی رضا اور موضوع وعنوان کی اہمیت کے پیش نظر ذمہ داری قبول فرمائی تھی۔

(ب) جونہی جناب یوسف نے مقام ومنزلت حاصل کرلیا تو آپ نے اپنے والدین کی ملاقات کا تقاضا نہ کیا بلکہ مصر کی حکومت کے خزانوں کی ذمہ داری کا تقاضا کیا کیونکہ والدین کی ملاقات کا تعلق محبت کے جذبات سے ہے جب کہ عوام الناس کو قحط کی آفات سے نجات دلانا ان کی اجتماعی ومعاشرتی ذمہ داری تھی۔

(ج) حضرت امام جعفر صادقؑ نے ایک ایسے گروہ سے خطاب فرمایا جو اپنے زہد کا اظہار کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اپنے جیسی سخت زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتے تھے آپ نے ان سے فرمایا مجھے بتاؤ تم حضرت یوسف کے بارے میں کیا کہو گے کہ جنہوں نے بادشاہ مصر سے کہا تھا( ) مجھے سرزمین مصر کے خزانوں کی ذمہ داری دے دو ان کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ نہ صرف ملک مصر کو اپنے ہاتھ میں لے لیا بلکہ ان کے اختیارات یمن تک جا پہنچے ان حالات کے باوجود ہم نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا جس نے جناب یوسف پر اعتراض کیا ہو (تفسیر نور الثقلین)

(د) ایک روایت میں ہے کہ امام علی رضاؑ نے فرمایا: جناب یوسف نے پہلے سات سالوں میں گندم کو جمع کیا اور اسے ذخیرہ کر دیا جب قحط کا آغاز ہوا تو آپ نے بڑے بچے تلے انداز کے مطابق لوگوں کی روزمرہ کی ضرورت کے مطابق اُنھیں گندم دیتے رہے اور بڑی دیانت داری کے ساتھ سرزمین مصر کو قحط کی بدترین آفات سے نجات دلائی حضرت یوسفؑ نے قحط کے ان سات سالوں میں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا تھا تاکہ کہیں بھوکے افراد کو فراموش نہ کر بیٹھیں (تفسیر مجمع البیان)

(ر) تفسیر مجمع البیان اور المیز ان میں آپ کی منصوبہ بندی کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی گئی ہے جب قحط سالی کا آغاز ہوا تو آپ نے سونا چاندی کے عوض گندم دینا شروع کیا آپ نے دوسرے سال جواہرات اور زیورات کے بدلے گندم دینا پیش کیا جب تیسرے سال کا آغاز ہوا تو آپ نے چوپاؤں کی قیمت میں گندم دی آپ نے چوتھے سال غلاموں کے عوض اور پانچویں سال گھروں اور عمارتوں کے عوض چھٹے سال کھیتوں اور زمینوں کے عوض گندم دی جب قحط کا ساتواں سال شروع ہوا لوگوں کو بطور غلام خریدا اور اس کے عوض گندم دی جب سات سال مکمل ہو گئے تو آپ نے بادشاہ سے کہا،، تمام لوگ اور ان کا مکمل سرمایہ میرے ہاتھ میں ہے لیکن میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور آپ بھی گواہ رہیں کہ میں ان تمام لوگوں کو آزاد کر رہا ہوں اور ان کا سرمایہ انہیں واپس کر رہا ہوں یہ حکمرانی میرے لئے صرف لوگوں کی نجات کا ذریعہ تھی اب آپ ان کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کریں۔

بادشاہ یہ ایک ملکوتی گفتگو سن کر جناب یوسفؑ کی معنوی روحانی عزت وعظمت کے سامنے اپنے آپ کو حقیر وپست سمجھنے لگا اس کی زبان پر بے ساختہ کلمہ توحید جاری ہو گیا" اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُهُ " میں خداوند تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں میں ایمان لے آیا ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ آپ حکومت کریں (اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ) آپ ہی حکومت کے مالک ہیں اور آپ ہی دیانتدار حکمران ہیں۔

(ایک وقت وہ تھا جب جناب یوسفؑ بازار مصر میں فروخت ہو رہے تھے تمام مصر چاہتا تھا کہ یوسفؑ کو خرید کر اپنا غلام بنالیں آخر بادشاہ مصر نے خرید کر اپنا غلام بنالیا پھر آج وہی یوسف ہیں جنہوں نے اپنی تدبیر سے مصر کے ہر فرد کو اپنا غلام بنالیا ہے کل کا غلام آج کا آقا بن چکا ہے)

ملکی، عالمی، معاشی، بحرانوں پر کنٹرول کرنے لئے جناب یوسفؑ کے فارمولے پر عمل کرنا چاہیئے آپ نے اپنی منصوبہ بندی سے پورے ملک اور گردنواح کے علاقوں کو بھوک و افلاس سے بھی بچا لیا قحط کے اس بدترین سات سالا دور میں قومی معاشی بحران کو کنٹرول کیا عوام کو عزت واحترام کے ساتھ روٹی دی انہیں گداگری کی لعنت سے اور دربدری سے بچالیا (عرض مترجم)

(س) افراد کے انتخاب کے سلسلے میں قرآنی معیار کو سامنے رکھا جائے "حفیظ" "علیم" بھی معیار قرآنی میں ہے اس کے علاوہ بھی معیار ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ایمان: ''کیا مومن فاسق کی طرح ہوسکتا ہے؟ یہ آپس میں برابر نہیں ہیں۔''

(۲) ماضی: (والسابقون) سبقت کرنے والے (ان کا کیا کہنا) وہ تو سبقت کرنے والے ہیں یہی لوگ خدا کے مقرب ہیں۔

(۳) ہجرت: (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ) جن لوگوں نے ایمان کو تو قبول کیا اور ہجرت نہ کی تو تم لوگوں کو ان سے کوئی سروکار نہیں (انفال ۷۲)

(۴) جسمانی اور علمی توانائی: ''اور علم اور جسم کی وسعت اس کے لئے خدا نے زیادہ کردی ہے''۔

(۵) خاندانی شرافت: ''تیرا باپ برا آدمی نہیں تھا۔''

(۶) جہاد و مبارزہ: ''خدا نے مجاہدین کو خانہ نشینوں پر عظیم ثواب کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے۔''

پیام

(۱) جہاں ضرورت ہو وہاں پر ذمہ داری کی قبولیت کو رضا کارانہ طور پر قبول کرنا چاہیئے (اجْعَلْنِيْ)

(۲) جس طرح دیانت سیاست سے جدا نہیں اسی طرح نبوت حکومت وسیاست سے جدا نہیں (اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ)

(۳) لائق وفائق اور امور میں مہارت رکھنے والے اپنے کام کی مسئولیت کو خود آپ جانتے ہیں (اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ)

(۴) پہلے اہلیت اور قابلیت کو جانچنا پھر مسئولیت کی درخواست (اَسْتَخْلِصْهُ۔۔ اجْعَلْنِيْ)

(۵) جب آپ کسی فن میں مہارت تامہ رکھتے ہوں اور آپ کو اپنی ذات پر بھرپور اعتماد بھی ہو تو ذمہ داری اٹھانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کردو (اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ)

(۶) اگر لائق افراد کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں تو ان کی ذاتی دلچسپیوں کا خیال رکھیں (اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ)

(۷) کسی ملک کی حکومت کے لئے اس ملک کی شہریت کا حامل ہونا ضروری نہیں ہے جناب یوسف مصری شہری نہیں تھے لیکن بلکہ مصر میں بطور حکمران اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا (قوم پرستی کی اجازت نہیں ہے) (اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ)

(۸) ضرورت کے موقع پر اپنی قابلیت اور مہارت کا تذکرہ خدا پر توکل زہد اور اخلاص کے منافی نہیں ہوتا (اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ)

(۹) بادشاہ مصر نے جناب یوسف علیہ السلام کے لئے جو اوصاف بیان کئے (مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ) دو صفات جناب یوسفؑ نے اپنے لئے بیان فرمائے (حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ) ان مذکورہ اوصاف سے قابل اور ماہر ذمہ داران حکومت کے اوصاف کا علم ہوتا ہے (قدرت، امانت، حفاظت، اور علمی مہارت)

(۱۰) منصوبہ سازی اور اخراجات پر کنٹرول کرتے وقت آنے والی نسلوں کے حصے کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے (حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ)

آیت نمبر 56

وَ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡہَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ○

اسی طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا کہ وہ جہاں چاہیں وہ قیام کریں ہم جسے چاہتے ہیں اسے اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

آیت نمبر 57

وَ لَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ○

اور آخرت کا اجر ایمان وتقوی والوں کے لئے زیادہ ہی بہتر ہے۔

نکات

(الف) ان دونوں آیات میں جناب یوسف کو ''محسن'' ''مومن'' اور متقی کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔

(ب) اس مکمل سورہ میں خداوند تعالیٰ کے ارادے اور اُس کی قدرت کاملہ کو مخلوق کے ارادوں اور خواہشات کے ساتھ تقابلی جائزے کے طور پر دیکھنا چاہئے۔

(۱) برادرانِ یوسف نے اُنہیں کنوئیں میں ڈالا، غلام بنایا تاکہ وہ ذلیل ورسوا ہو جائیں لیکن عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا تھا ''اَکۡرِمِیۡ مَثۡوٰىہُ'' اس کو عزت سے رکھنا۔

(۲) عزیز مصر کی بیوی نے ان کی عفت اور پاک دامنی پر دھبہ لگانا چاہا لیکن خداوند تعالیٰ نے انہیں پاک و پاکیزہ رکھا۔

(۳) جناب یوسفؑ کے آقاؤں نے چاہا کہ انہیں زندان میں ڈال کر ان کی قوت ارادی کو ختم کر دو اور وہ ذلیل رسوا ہو جائیں ''لیسجنن ولیکونا من الصاغرین'' لیکن خداوند تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ ان کو عظمت ملے اور مصر کی حکمرانی ملے (مکنا لیوسف)

(ج) امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ حریت اور آزادی آپ میں اس قدر بھری ہوئی تھی کہ آپ بزرگواری کی سرحد پر تھے آپ سے بھائیوں نے حسد کیا اور کنوئیں میں ڈال دیا، زنان مصر کی شہوت نے آپ کا گھیرا تنگ کر دیا، آپ زندان میں بے گناہ بند کر دیئے گئے، لوگوں نے آپ پر تہمتیں لگائیں ان تمام مصائب والام کے بعد آپ کو اقتدار ملا اور ایک طاقتور حکمران بن گئے آپ ان تمام انقلابات زمانہ سے گذرے آپ نے پامردی کا ثبوت دیا کہیں بھی آپ کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی (تفسیر نور الثقلین)

(د) اُخروی انعام دُنیوی انعام سے کہیں بہتر ہے کیونکہ اُخروی انعام (الف) محدود نہیں ہے (لھم ما یشائون) ان کے لئے وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے۔

(ب) نہ ختم ہونے والی ہے "خَالِدِيْنَ فِيْهَا" اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(ج) جنت میں ہر جگہ کوئی محدودیت نہ ہوگی (يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ)

(د) "لاتعداد بے حساب وکتاب،، (اَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ) ان کے لئے بے حساب اجر ہے۔

(ھ) مصائب وآلام آفات وامراض سے پاک "لَا يُصَدَّعُوْنَ" دردسر نہیں ہوگا۔

پیام

(۱) ہمیشہ خداوند تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے وہ پاکدامن اور متقی افراد کو عزت وعظمت عطا کرتا ہے (وَ كَذٰلِكَ)

(۲) اگرچہ بظاہر بادشاہ مصر نے جناب یوسفؑ سے کہا تھا (اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ) لیکن درحقیقت خداوند تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی تھی (مَكَّنَّا)

(۳) حکومت کے دائرہ اختیار میں ہے جو کچھ چاہے کرے (مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ ۔۔)

(۴) جب ملک بحرانی حالات سے دوچار ہو تو حکومت لوگوں کے مال واملاک میں تصرف کو محدود کر کے انہیں مفاد عامہ کے راہ پر چلا سکتی ہے (مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ ۔۔)

(۵) تمام اختیارات جناب یوسف ؑ کے ہاتھ میں تھے (حَيْثُ يَشَآءُ)

(۶) حکومت واقتدار اگر اللہ کے پاس وحی ورحمت سے ہو ورنہ نقصان ہی نقصان ہے (نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا)

(۷) اللہ کی نظر سے کوئی بھی اہم جزا یا سزا بغیر نہیں ہے (وَلَا نُضِيْعُ)

(۸) لوگوں کے حقوق یا تو جہالت کی وجہ سے ضائع ہوتے ہیں یا بخل اور عاجزی کی وجہ سے یا کوئی دوسرے عوامل دخیل ہوتے ہیں جب کہ خداوند تعالیٰ کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی کے اجر وضائع رہے وہ ان تمام عیوب سے پاک ہے (وَلَا نُضِيْعُ)

(۹) دنیاوی حکومت واقتدار اللہ کی نظام اور قانون سے (نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا)

(۱۰) خدا کی مشیت اپنا کی نظام اور قانون سے (نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا ۔۔ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۱۱)※ ائنات ی ر چیز مشیت ال※ ی ہے اتھوں گروی ے وہ ذات ح※ یم ے بغیر دلیل ے و※ سی وقدرت وح※ ومت ن※ یں دیتا(لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۱۲)اللہ ے خالص ومخلص بندے اس دنیا میں بھی اپنی ۶※ ی ا اجر احسن انداز میں پاتے یں اور عالم آخرت میں اس سے ※※ یں ب※ تر وبرتر اجر ے مستحق وں گے(لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۱۳)اگر اس دنیا میں سی ۶※ وصالح آدمی کو اس کا اجر ثواب نہیں مل سکا تو اسے گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک اور جگہ ہے جہاں اس کی تلافی کر دی جائے گی (لَا نُضِيْعُ ۔۔۔وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ)

(۱۴)بادشاہی اور حکومت آخرت کے اجر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے(وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ)

(۱۵)خاصانِ خدا کے سامنے مادی وسائل اور ظاہری حکومت کی کوئی حیثیت نہیں ہے ان کے نزدیک جو مطلوب اور مرغوب شئے ہے وہ ہے آخرت اور اس کی ابدیت(وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ)

(۱۶)اگر تم تقوی اختیار کرو گے تو ہم بھی تم پر اپنی رحمت نازل کریں گے (نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا ۔۔لِّلَّذِيْنَ ۔۔وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ)

(۱۷)ایمان کے ساتھ اگر تقوی ہو تو نہایت عمدہ واعلیٰ ہے ورنہ گناہگار مومن کا انجام غیر واضح ہے(اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ)

(۱۸)اگر تقوی دائمی خصلت کی صورت اختیار کر لے تو اس کی بہت زیادہ قدر ومنزلت ہے(وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ)

(۱۹)جب ایمان اور تقوی ایک مقام پر اکٹھے ہو جائیں تو یہ کیفیت آخرت کے اجر کا موجب بن جاتی ہے(وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ)

آیت نمبر 58

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۵۸

اور برادرانِ یوسف مصر آئے اور یوسفؑ کے ہاں حاضر ہوئے پس اس نے انہیں پہچان لیا اور وہ اس کو نہیں پہچان سکے۔

نکات

(الف)جناب یوسفؑ کی پیشین گوئی کے مطابق مصر کے لوگ سات سال تک نعمتوں اور بارش سے مستفید ہوتے رہے لیکن دوسرے سات سالوں کا آغاز ہوا تو لوگ قحط اور خشک سالی کا شکار ہونے لگے قحط نے اپنا دائرہ اتنا وسیع کر دیا تھا کہ ملک مصر سے دور دراز کے علاقے سرزمین فلسطین اور کنعان تک جا پہنچا حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا مصر جاؤ اور وہاں سے گندم لے آؤ آخر کار وہ مصر آئے اور گندم کے لئے درخواست کی اسی دوران جناب یوسفؑ نے غلہ حاصل کرنے والوں کے درمیان انہیں دیکھ لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے کیونکہ جناب یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنے کے زمانے سے لے کر ان کی سرزمین مصر پر حکومت تک کا درمیانی حصہ بیس سے تیس سال بنتا تھا جب جناب یوسفؑ کنوئیں سے نکلے تھے اس وقت جوان تھے (یابشری ھذا غلام) آپ

کچھ عرصہ عزیز مصر کے گھر میں خدمت کرتے رہے پھر کئی سال تک زندان میں رہے پھر قید سے رہائی کے بعد سات سالہ نعمتوں بھرا دور بھی گزر گیا جناب یوسفؑ کے بھائی مصر اُس وقت آئے جب مصر پر قحط سالی کا راج تھا۔

پیام

(۱) قحط سالی کے زمانے میں راشن بندی کا نظام ضروری ہے ہر شخص کو اپنا حصہ لینے کے لئے بذات خود رجوع کرنا چاہیئے تا کہ لوگ اس کے نام سے غلط مفاد نہ اٹھائیں (اِخْوَةُ)

(۲) قحط کے زمانے میں اگر دوسرے علاقوں کے لوگ اگر تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد ضرور کرنی چاہیئے (وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ)

(۳) فقر وافلاس وتنگ دستی نے جب ہر طرف ڈیرے ڈال دیئے ہوں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھ جائیں اُٹھیئے اور دوسرے علاقوں کا رخ کیجئے (وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ)

(۴) کبھی ظالم مظلوم کا محتاج ہو جاتا ہے (وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ) پہاڑ کو پہاڑ کے پاس جانا نہیں ہوتا آدم کو آدم کے پاس ضرور جانا ہوتا ہے۔

(۵) جناب یوسفؑ سے ہر سائل آسانی سے ملاقات کر سکتا تھا چاہے وہ غیر ملکی بھی ہوتا (وَجَآءَ اِخْوَةُ ۔۔ فَدَخَلُوْا) حکمرانوں کو چاہیئے کہ وہ ایسا برنامہ تیار کریں کہ ہر آدمی ان سے آسانی کے ساتھ مل سکے

(۶) بچپن کے زمانے میں ذہن پر بننے والے نقوش ومناظر ہمیشہ باقی رہتے ہیں کبھی نہیں مٹتے (فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ)

(۷) برادران نے جناب یوسفؑ کو بچپن میں دیکھا تھا اب اس ملاقات میں جناب یوسف ایک بزرگوار کی صورت میں تھے لیکن جناب یوسف نے اپنے بچپن کے زمانے میں انہیں دیکھا تھا تو بچپن کی یادیں باقی رہتی ہیں اس لئے آپ انہیں پہچان گئے لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔

آیت نمبر 59

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ○

اور جب یوسفؑ نے ان کی روانگی کے لئے سامان سفر تیار کیا تو کہنے لگے (اگر دوبارہ آؤ تو) اپنے سوتیلے بھائی کو میرے پاس لے آنا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپتا ہوں اور بہترین طریقہ پر میزبانی بھی کرتا ہوں۔

نکات

(الف) حضرت یوسفؑ نے فرمایا (ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ) اپنے پدری بھائی کو میرے پاس لے آنا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ایک اجنبی کی صورت میں اپنے برادران سے گفتگو کا آغاز کیا اور انہوں نے اپنا تعارف کچھ اس طرح کیا جیسا کہ تفاسیر میں آیا ہے کہ ہم یعقوبؑ کے بیٹے اور جناب ابراہیم کے پوتے ہیں ہمارا والد ایک بوڑھا آدمی ہے ان کے ایک بیٹے کو بھیڑیا

کھا گیا تھا وہ ان کے غم میں سالہا سال سے رو رہے ہیں وہ گوشہ نشین ہو چکے ہیں وہ بینائی کی طاقت سے بھی محروم ہو چکے ہیں اس لئے ہم اپنے ایک بھائی کو ان کی خدمت میں چھوڑ آئے ہیں اگر ممکن ہو تو ہمیں اپنے والد اور بھائی کا حصہ بھی دے دیجیئے تا کہ ہم بخوشی اپنے گھر لوٹ جائیں،، حضرت یوسفؑ نے حکم دیا کہ دس اونٹوں کے بار کے علاوہ باپ اور بھائی کے حصے کے دو اونٹوں کے بار کا اضافہ کر دیا جائے

(ب) جناب یوسفؑ نے اپنے برادران کی توجہ کے لئے فرمایا (وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ) میں بہترین میزبان ہوں،، یہ سن کر ان کے بھائیوں نے تسلیم کیا اور اپنی خوشی کا اظہار کیا لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ان تعبیرات کو جاری فرمایا۔

○خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○وہ بہترین رزق دینے والا ہے ○خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ○وہ بہترین بخش دینے والا ہے ○خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ○وہ بہترین کشائش والا ہے ○خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ○وہ بہترین تدبر کرنیوالا ہے ○خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ○وہ بہترین وارث ہے ○خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ ○وہ بہترین حاکم ہے

لیکن ان خطابات کے باوجود بہت سے لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے

پیام

(۱) جناب یوسف نے مصر میں ذخیرہ شدہ اناج کو اپنی نگرانی میں رکھا ہوا تھا (وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ)

(۲) جناب یوسف کی ادارت نے علاقائی اور ملکی سطح کے طویل المیعاد قحط کی پریشانیوں کو ہر طرف سے کنٹرول کیا جہاں مصر کے لوگ استفادہ کر رہے تھے وہاں اطراف کے لوگوں کی مدد بھی ہو رہی تھی (جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ)

(۳) راز داری بھی لازم ہے اور راست گوئی بھی جناب یوسفؑ نے فرمایا (بِاَخٍ لَّكُمْ) تمہارا بھائی یہ نہ فرمایا کہ میرا بھائی تا کہ راز داری کے ساتھ سچائی بھی باقی رہے

(۴) جب اشخاص یا ادارے یا ممالک مدد کرتے ہیں تو کچھ مصالح کی خاطر اپنی طرف سے شرائط بھی عائد کرتے ہیں (ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ)

(۵) بحرانی اور خشک سالی کے ادوار میں کم فروشی ممنوع ہے (اُوْفِي الْكَيْلَ)

(۶) معاملہ کرتے وقت جنس کی مقدار کی تعیین لازمی ہے (الْكَيْلَ)

(۷) برائی کا جواب اچھائی کے ساتھ دینا چاہیئے (جناب یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو ان کا پورا حق دیا ان کے مظالم کے بارے میں کوئی بات نہ کی (وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ... اُوْفِي الْكَيْلَ)

(۸) مزدور و ملازمین کا یا حکومتی معاونین کا کم تولنا یا انصاف سے کام لینا ذمہ داران افسران بالا کے کھاتے میں جاتا ہے (اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ)

(۹) حضرت یوسف کے زمانے میں مصر میں غلہ خریدنے بیچنے اور تقسیم کرنے کے لئے پیمانے مروج تھے (اُوْفِی الْکَیْلَ)

(۱۰) جب عوام میں مال تقسیم ہو رہا ہو تو اس تقسیم پر ان لوگوں کو مقرر کرنا چاہیئے جو عادل ہوں (اُوْفِی الْکَیْلَ)

(۱۱) طاقت کو انتقام کا ذریعہ نہ بنائیں (اُوْفِی الْکَیْلَ)

(۱۲) مہمان نوازی انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے (خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ)

(۱۳) جب قحط سالی کے زمانے میں مسافر اور قافلے آپ کے علاقے آئیں تو ان کا احترام کریں (خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ)

آیت نمبر 60

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ○

اگر تم اسے نہ لائے تو میرے پاس سے نہ تو غلہ ملے گا اور نہ تم میرے نزدیک آنا۔

(۱) ایک سسٹم کو چلانے کے لئے جہاں محبت لازمی ہے وہاں دھمکی اور خوف بھی لازمی ہے پہلے پیغام اور محبت لازمی ہے (خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ) بعد ازیں دھمکی اور الٹی میٹم (فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ)

(۲) غلط فائدہ اٹھانے کے ہر امکان کو ختم کر دینا چاہیئے (اگرچہ رواج میں بعض حاضرین غیر حاضر لوگوں کا مال لے جاتے ہوں لیکن اس رواج میں بعض لوگ غلط مفاد اُٹھا سکتے ہیں (فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ)

(۳) قانون کے نفاذ میں بھائی اور خاندان اور دوسرے تمام لوگوں کے درمیان امتیاز جائز نہیں (فَلَا كَیْلَ لَكُمْ) ہر شخص اپنا مقرر حصہ لے اور خود آئے)

(۴) دھمکی میں یہ بھی لازم نہیں ہے کہ دھمکی دینے والا اوپر اُسے سو فیصد جاری بھی کرے (فَلَا كَیْلَ لَكُمْ) کیونکہ حضرت یوسفؑ اپنی موجودگی میں بھائیوں کو قحط سالی میں بھوک سے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

(۵) ایک رہبر کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آرڈر کے اجراء کے لئے ہر قسمی اقدام کرے (فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ)

آیت نمبر 61

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ○

انہوں نے کہا ہم اُسی کے والد سے اس کا مطالبہ کریں گے اور یقیناً ہم ایسا کریں گے۔

نکات

(الف) پے در پے اصرار کو،، مراودہ،، کہتے ہیں جبکہ اس کے ساتھ التماس یا فریب ہو

(ب) برادرانِ یوسف کی گفتگو سے حسد کی بو آسانی سے محسوس کی جاسکتی ہے انہوں نے،، ابانا،، ہمارے بابا سے کی بجائے،، اباہ،، اس کے بابا سے،، کہا، حالانکہ سواہ کے اول میں برادران یوسف کی گفتگو یہ تھی،، ( ) ہمارے والد یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ ہم سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

پیام

(۱) بیٹے کا سفر والد کی رضا اور اجازت سے ہونا چاہیئے (سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ)

(۲) برادران یوسف کو اپنے گزشتہ عمل کی بنا پر اچھی طرح سے معلوم تھا کہ تقاضا اور اصرار کے باوجود ان کے والد بنیامین کو ان کے ساتھ نہیں جانے دیں گے (،،سَنُرَاوِدُ،، ہم اصرار کریں گے)

(۳) حضرت یعقوبؑ نے جناب یوسف کے بعد بنیامین کو اپنے سے کبھی دور نہ کیا تھا تو اب ان حالات میں انہیں باپ سے جدا کرنا آسان نہ تھا (سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ)

آیت نمبر 62

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ○

اور یوسف نے اپنے خدمتگاروں سے کہا ان کی رقم ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب وہ اپنے اہل وعیال کی طرف واپس جائیں تو اُسے پہچان لیں اس طرح ممکن ہے وہ واپس آئیں۔

نکات

(الف) حضرت یوسفؑ کو گزشتہ آیات میں صادق،، محسن،، مخلص،، کے القابات سے یاد کیا گیا،، آپ نے اپنے والد اور برادران کو جو غلہ دیا تھا اپنے حصے سے یا اپنی شخصی ملکیت سے دیا تھا نہ کہ بیت المال سے۔

(ب) آپ نے برادران کی رقم واپس کر دی تھی تا کہ رقم کا نہ ہونا ان دوسرے سفر کے لئے رکاوٹ کا سبب نہ بنے (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ) علاوہ ازیں رقم کی واپسی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنے بھائی کے بلانے میں سنجیدہ ہیں اور ان کے بارے میں کوئی برا ارادہ بھی نہیں رکھتے تھے اور ان کے سامان میں خفیہ طور پر رقم رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ان پر احسان نہ جتایا جائے اور وہ چوروں کی دست برد سے بھی محفوظ ہو جائیں۔

(ج) جناب یوسفؑ جو کل تک ایک غلام اور خدمتگار تھے آج وہ آقا اور مخدوم بن چکے تھے (لِفِتْيٰنِهِ) لیکن جب اپنے بھائیوں سے

گفتگو کی نہ تو ان سے انتقام لیا اور نہ ہی ان سے گلا شکوہ کیا بلکہ ان کا مال و سرمایہ لوٹا کر ان پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ انہیں دوست رکھتے ہیں۔

پیام

(۱) کسی لائق منظّم اور لیڈر کے منصوبوں میں جدت ہونی چاہیئے (اجْعَلُوْا)

(۲) برائی کا جواب اچھائی سے دینا چاہیئے (اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ)

(۳) صلہ رحمی کا مقصد امداد کرنا ہوتا ہے سودا بازی نہیں ہوتا (اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ)

(۴) ضرورت کے زمانے میں والد اور بھائیوں سے رقم لینا انسان کی شرافت ذاتی سے میل نہیں کھاتا (اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ)

(۵) جناب یوسف نے اپنے برادران کی رقوم کو ان کے سامان میں رکھنے کے لئے اہل کاروں کی ایک جماعت کو مقرر کیا تا کہ تہمت کے تمام امکانات رد ہو جائیں اور غلام ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں کہ رقم اپنے پاس رکھ لیں اور کہہ دیں کہ ہم نے رقم مسافروں کے مال میں رکھ دی ہے (اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ)

(۶) جب بھی کسی کی مدد کرو جتنا ممکن ہو مخفی طور پر کرو (فِيْ رِحَالِهِمْ)

(۷) نہ انتقام اور کینہ بلکہ ہدیہ ربط و بندھن کے لئے (اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ ... لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)

(۸) اچھائی کرنا لوگوں کو جذب کرنے کا بہترین وسیلہ ہے ((اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ ... يَرْجِعُوْنَ)

(۹) انسانوں کا مرجع بننے کے لئے ان کی رقم انہیں لوٹا دو ((اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ ... يَرْجِعُوْنَ)

(۱۰) ذمہ دار لوگوں اور اہل کاروں کے لئے ضروری ہے کہ جو آرڈر انہیں جاری کیا گیا ہے اس پر بھرپور طریقے سے عمل کریں تا کہ رہبر اپنے ہدف میں کامیاب ہو جناب یوسفؑ نے سمجھ لیا تھا اس طریقے سے یہ کاروان ضرور واپس آئیگا (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)

(۱۱) جو برنامے تشکیل دئے جاتے ہیں یا جو پروگرام بنائے جاتے ہیں ان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سو فیصد پایہ تکمیل تک پہنچیں (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)

آیت نمبر 63

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○

تو جب وہ لوگ اپنے بابا کے پاس واپس گئے تو ان سے کہا اے ہمارے والد صاحب ہم پر غلہ روک دیا گیا ہے لہذا آپ ہمارے

بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیئے تا کہ غلہ حاصل ہو سکے یقیناً ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

پیام

(۱) جناب یعقوبؑ اپنے خانوادہ اور اپنے بیٹوں پر مکمل تسلط رکھتے تھے (یٰٓاَبَانَا مُنِعَ ۔۔)

(۲) ایک باپ کو اپنے فرزند کے بارے میں امر و نہی کے تمام حقوق حاصل ہیں (فَاَرْسِلْ)

(۳) جناب بنیامین بھی اپنے والد کی اجازت کے بغیر سفر پر آمادہ نہیں ہوئے۔

(۴) کسی چیز کے حصول کے لئے یا کسی کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے محبت بھرے جذبات سے استفادہ کرنا چاہیئے (یٰٓاَبَانَا)

(۵) ایک مجرم چونکہ اپنے اندر خوف رکھتا ہے اس لئے بات بات پر تاکیدی جملے استعمال کرتا ہے ،،وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ،، انا، حرف لام،، اور جملہ اسمیہ پر یہ سب علامات تاکید ہیں۔

آیت نمبر 64

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○

(یعقوبؑ) نے کہا میں تم پر اس کے بارے میں اطمینان کروں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں کیا تھا؟ بہر حال اللہ سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور بہترین رحم کرنے والا ہے۔

نکات

سوال: جب جناب یعقوبؑ کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ ان کے بیٹوں کا سابقہ ریکارڈ کوئی زیادہ اچھا نہیں ہے باوجود اس کے انہوں نے پھر اپنے ایک اور بیٹے کو ان کے کیوں حوالے کر دیا؟

جواب: ۔فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس سوال کے جواب میں کئی ایک احتمالات پیش کئے ہیں وہ یہ ہیں

(۱) برادران یوسف نے اپنے گزشتہ اقدام سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہیں کیا تھا وہ اپنے والد کی محبت چاہتے تھے وہ انہیں حاصل نہیں ہو سکی تھی۔

(۲) برادران یوسف کا بنیامین کے ساتھ حسد جناب یوسف کے مقابلے میں کم تھا۔

(۳) قحط سالی اور اس کے آفات نے ان کے لئے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے اُن کے لئے دوبارہ سفر کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

(۴) پہلے حادثہ کو رونما ہوئے دسیوں سال بیت چکے تھے جس کی وجہ سے اُسے فراموش شدہ شمار کیا گیا تھا۔

(۵) خداوند تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کو ان کے بیٹے کی حفاظت کی یقین دہانی فرمادی تھی۔

پیام

(۱) جس کا ریکارڈ خراب ہو اس پر فوری اعتماد نہیں کرنا چاہیئے (هَلْ اٰمَنُكُمْ)

(۲) گزشتہ تلخ یادیں انسان کو مستقبل کے حوادث سے محفوظ کر لیتی ہیں (هَلْ اٰمَنُكُمْ ... عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ)

(۳) کسی ایک شکست یا تلخ تجربہ کے ساتھ اپنے آپ کو گوشہ نشین نہ کر دیجئے (هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ ... فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا)

(۴) برادران یوسف نے اپنے آپ کو محافظ خیال کیا تھا (وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ)

(۵) عوامل ظاہری اور مادی جس قدر بھی فراوان ہوں ان پر بھروسہ نہ رکھیں صرف اور صرف خدا کی ذات پر بھروسہ رکھیں (فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا)

(۶) خداوند تعالیٰ کی بے مثال رحمت اور اس کی ذات پر توکل کرتے ہوئے حوادث زندگی کا سامنا کرنا چاہیئے (فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ)

(۷) حفاظت کا سرچشمہ رحمت پروردگار ہے (فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ)

آیت نمبر 65

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی رقم کو پایا کہ وہ انہیں واپس کر دی گئی ہے کہنے لگے ہمیں اور کیا چاہیئے ہماری رقم بھی واپس کر دی گئی ہے اور ہم اپنے اہل وعیال کے لئے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے اور ایک اونٹ کا بار غلہ زیادہ لائیں گے اور وہ (غلہ) آسانی سے حاصل ہو جائے گا۔

نکات

(الف) شاید آیت کا معنی یوں ہو:۔ اس مرتبہ غلہ کی مقدار جو ہم لے آئے ہیں یہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہوا گر ہم دوسری مرتبہ جائیں گے تو بہت زیادہ لے آئیں گے۔

(ب) کلمہ ''نَمِيْرُ'' ''مِيْر'' سے اخذ کیا گیا ہے جس کا معنی ہے،، غذائی مواد،، اسی طرح ''نَمِيْرُ اَهْلَنَا'' کا معنی ہوا کہ ہم اپنے خاندان والوں کو غذا پہنچائیں گے۔

(ج) ''وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ'' کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی کا حصہ ایک اونٹ کے برابر تھا جو وہاں حاضری دے اور اپنا مال لے جائے۔

پیام

(۱) جناب یعقوبؑ کے بیٹے ان کے زیر سایہ زندگی کرتے تھے اور اپنی غذائی اور دوسری ضروریات پوری کیا کرتے تھے (فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ ... قَالُوْا يٰٓاَبَانَا)

(۲) جناب یوسف نہ صرف خود ایک اچھے انسان تھے بلکہ آپ انسان ساز بھی تھے (وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ) جناب یوسف نے اپنے حاسد اور جفا کار بھائیوں کو خفیہ طور پر ہدیہ پیش کیا تا کہ دوبارہ واپس آئیں قرآن مجید کا پیغام ہے (ادفع بالتی ھی احسن) برائی کو اچھائی کے ذریعے ختم کرو۔

(۳) اگر سامان کی قیمت پہلی مرتبہ وصول نہ کی جائے تو خریدار اپنی تحقیر خیال کرتا ہے اگر آپ تحفہ کا قصد رکھتے ہیں تو خریدار سے رقم لے لو پھر عقلمندانہ طریقے سے واپس کر دو (رُدَّتْ اِلَيْهِمْ)

(۴) اگر آپ مفرور کبوتروں کی اپنے ہاں واپسی چاہتے ہیں تو ان کے آگے دانے ڈال دیجئے (جناب یوسفؑ نے ان کی رقم انہیں واپس کر دی تا کہ واپس آئیں (بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ)

(۵) مرد اپنے گھر کی تمام ضروریات کا ضامن ہے (نَمِيْرُ اَهْلَنَا)

(۶) غذائی راشن بندی کے موجد جناب یوسف ہیں (وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ)

آیت نمبر 66

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۶۶

جناب یعقوبؑ نے کہا میں اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک تم مجھ سے اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد و پیمان نہ کر لو کہ تم اُسے اپنے ساتھ واپس لے آؤ مگر یہ کہ تم کسی مشکل میں گھیر لئے جاؤ تو پھر جب انہوں نے اپنا عہد دے دیا تو جناب یعقوب نے کہا ہم جو بات کر رہے ہیں اس پر اللہ ضامن ہے۔

نکات

(الف) موثق،، کا معنی ہے ہر وہ طریقہ جس سے فریق ثانی کو اطمینان حاصل ہو جائے چاہے وہ عہد و قسم اور نذر کی شکل میں ہو (مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ)

پیام

(۱) خویش وقربت پر اکتفاء نہ کیجئے بلکہ مضبوط عہد و پیمان لیجئے (لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰى)
(۲) خدا پر توکل اور قسم، نذر، عہد، مضبوط ترین معاہدہ ہے (مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ)
(۳) جس کا قول وفعل قابل اعتماد نہیں اس سے معاہدہ کرتے وقت مکمل اطمینان کرلو (مَوۡثِقًا)
(۴) اپنے فرزند کو دوسروں کے ہمراہ آسانی کے ساتھ مت بھیجئے (تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ)
(۵) معاہدوں میں ناگہانی آفات وبلیات کو مدنظر رکھیے (تکلیف مالا یطاق سے بچیئے)
(۶) تمام تقاضوں کو مکمل کر لینے کے بعد توکل برخدا سے غافل نہ رہیئے (قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ)

آیت نمبر 67

وَقَالَ يٰبَنِىَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغۡنِىۡ عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۚ وَعَلَيۡهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۶۷﴾

(یعقوبؑ) نے کہا میرے بیٹو! ایک دروازے سے شہر کے اندر نہ جانا اور مختلف دروازوں سے جانا اور میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا ہر حکم اللہ کے قبضے میں ہے اُس پر میرا بھروسہ ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

نکات

(الف) حضرت یعقوبؑ نے برادران یوسف کو وقت سفر چار توحیدی کلمات کے ساتھ نصیحت فرمائی۔
(۱) وَمَاۤ اُغۡنِىۡ عَنۡكُمۡ،، میں تم سے خدا کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتا حکم تو صرف خدا ہی کے لئے ہے۔
(۲) اس آیت سے پہلے والی آیت میں ہے،، اِلَّاۤ اَنۡ يُّحَاطَ بِكُمۡ،، مگر یہ کہ تم سب حادثے کا شکار ہو جاؤ یعنی ہر مقام پر ہر قسمی امکانات موجود ہیں۔
(۳) آیت نمبر ۶۳ میں فرمایا (فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حٰفِظًا) اللہ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔
(۴) آیت نمبر ۶۷ میں فرمایا (عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ) جی ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سراپا خداوند اور اس کی توحید کی طرف ہر وقت متوجہ رہتے تھے ادھر جناب یعقوب کے بیٹے اپنے سفر میں حفاظت کی نسبت اپنی ذات کی طرف دیتے ہوئے کہتے ہیں (وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ) ہم خود اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے ان باتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مومن موحد کی علامات کہاں ہیں کہاں نہیں ہیں۔

پیام

(۱) اولاد خطاؤں اور گناہوں کے ساتھ پیاری ہے (یٰبَنِیَّ)

(۲) اپنے بیٹوں کی حفاظت اور سلامتی کے لئے سوچ و بچار اور فکر و تدبر ضروری ہے (یٰبَنِیَّ لَا تَدۡخُلُوۡا)

(۳) یا جس وقت ایک عالم اور باخبر انسان وصیت کر رہا ہو تو وہاں اس وصیت یا حکم کے فلسفہ و حکمت کے بارے میں سوالات نہیں کرنا چاہیئں (لَا تَدۡخُلُوۡا .. پر انہوں نے عمل کیا اِس فرمان کی توجیہ نہیں پوچھی تھی۔

(۴) وقت سفر وعظ و نصیحت کا بہترین وقت ہے جناب یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کے وقت سفر فرمایا تھا (لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ)

(۵) حساسیت، بدگمانی، اور نظر بد کے تحفظ کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا چاہیئے جوانوں کے گروہ کا اجنبی علاقے میں جانا بدگمانی اور چغلی کا سبب بن سکتا ہے (لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ)

(۶) لطف اور قدرت خداوندی کو صرف ایک راہ میں منحصر نہ سمجھو اُسے کوئی روک نہیں سکتا وہ ہر راستے تمہاری مدد کر سکتا ہے (یٰبَنِیَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ)

(۷) صرف روکنے والے نہ بنو بلکہ مسئلے کا حل پیش کرو (لَا تَدۡخُلُوۡا ... وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ ..)

(۸) منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مختلف راستوں کو اختیار کیجئے (وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ)

(۹) ایک منجھے ہوئے مدبر و منتظم کے لئے ضروری ہے کہ منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ باقی احتمالات کو بھی نگاہ میں رکھے اس لئے کہ انسان اپنے کاروبار زندگی چلانے کے لئے مکمل اور مستقل حیثیت کا حامل نہیں ہے ہر پہلو پر غور و فکر کرنے کے باوجود بھی خدا کی قدرت ہر ایک پر غالب ہے ہماری منصوبہ بندی اور عقل مندی سو فیصد منصوبوں کی تکمیل کی ضامن نہیں (وَمَاۤ اُغۡنِیۡ عَنۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ)

(۱۰) تقدیر کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے (وَمَاۤ اُغۡنِیۡ عَنۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ)

(۱۱) حاکم مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ)

(۱۲) توکل کے ساتھ ساتھ اونٹ کے زانو کو بھی باندھ دو (وَّادۡخُلُوۡا .. عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ)

(۱۳) جہاں احتیاط لازمی ہے وہاں محاسبہ بھی لازمی ہے (لَا تَدۡخُلُوۡا) خداوند پر توکل بھی ضروری ہے (عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ)

(۱۴) خداوند تعالیٰ کے علاوہ کسی پر توکل مت کیجئے (عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ) کیونکہ صرف وہ ذات ہے جو مکمل کفایت کرتی ہے (وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا) وہ بہترین وکیل ہے (نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ)

(۱۵) جناب یعقوبؑ نے خود بھی توکل کیا اور دوسروں کو امر توکل کی تشویق فرمائی (تَوَکَّلۡتُ ... فَلۡیَتَوَکَّلِ ..)

آیت نمبر 68

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے والد نے انہیں حکم دیا تھا تو انہیں تقدیر الٰہی سے کوئی چیز بچا تو سکتی نہیں تھی مگر یعقوبؑ کے دل کی ایک حسرت تھی جسے انہوں نے اسے نکال دیا اور یقیناً وہ علم رکھنے والے تھے اس لئے کہ ہم نے انہیں علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نکات

(الف) حضرت یعقوبؑ کی دلی تمنا کیا تھی وہ پوری ہوگئی؟ اس بارے میں مفسرین کے مختلف نظریات ہیں

(۱) بنیامین جناب یوسفؑ کے پاس پہنچ جائیں اور جناب یوسف کو خاندانی تنہائی سے نجات ملے خواہ بنیامین پر چوری کا الزام آ بھی جائے۔

(۲) باپ اور بیٹے کی جلد ملاقات ہو اس کا بیان آئندہ آنے والا ہے خواہش یہی تھی کہ ان کے ذمہ جو کام تھا یہی کہ ان کے مصر جانے کے مقدمات تیار کریں اور اس میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے ایک دروازے سے بھی شہر میں داخل نہ ہوں اس پر عمل ہو بعد میں کیا ہوگا؟ یہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

پیام

(۱) تلخ تجربات انسان کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں بے ادب کو ادب آ جاتا ہے بزرگوں کو ستانے والا بزرگوں کے سامنے جھک جاتا ہے (دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ)

(۲) والدین کی اطاعت لازم ہے (دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ)

(۳) جب کسی کی بے ادبی کو بیان کیا جائے تو اس کے مودب ہونے کا ذکر بھی کرو (دَخَلُوْا ... اَبُوْهُمْ) اگر برادران یوسف نے اس سے قبل باپ کی طرف گمراہی کی نسبت دی تھی تو آج وہی ہیں جو اپنے والد کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

(۴) منصوبہ بندی، حساب کتاب، اور غور فکر ارادہ الٰہی کے مرہون منت ہیں اگر وہ چاہے گا تو کامیابی ہوگی اگر وہ نہ چاہے گا تو سب کچھ دھرے کا دھرا رہ جائے گا (مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ)

(۵) حضرت یعقوبؑ کچھ اسرار و مطالب سے باخبر تھے مصلحت کی بنا پر خاموش رہے (حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ)

(۶) اولیاء اللہ کی دعائیں اور حاجات مستجاب ہوتی ہیں (لَا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا)

(۷) انبیاء علیہم السلام کے علوم کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (عَلَّمْنٰهُ)

(۸) اکثر لوگ حقیقی علماء کو نہیں پہچانتے (وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ)

(۹) اکثر لوگ اسباب وعلل پر نگاہ رکھتے ہیں اور خدا کی حاکمیت اور اس پر توکل سے بے خبر ہوتے ہیں (اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ)

آیت نمبر 69

وَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰی یُوۡسُفَ اٰوٰۤی اِلَیۡہِ اَخَاہُ قَالَ اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡکَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴿۶۹﴾

اور جب یہ لوگ یوسف کے ہاں داخل ہوئے تو یوسف نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھا اور اپنے بھائی کو کہا میں تمہارا سگا بھائی ہوں تو تم ان لوگوں کے سلوک پر پریشان نہ ہونا۔

نکات

(الف) مفسرین نے لکھا ہے جس وقت فرزندان یعقوب مصر پہنچ گئے تو حضرت یوسف نے ان کی میزبانی کی ان میں سے ہر دو آدمیوں کے لئے غذا کا ایک طبق مقرر فرمایا بنیامین اکیلے رہ گئے جناب یوسف نے اسے اپنے پاس کھانے کی جگہ دی بنیامین نے بھائیوں کی بے وفائی اور جناب یوسف کے ساتھ برے سلوک کی داستان بیان کی اس موقع پر جناب یوسف کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور بنیامین سے کہا گھبراؤ نہیں میں وہی یوسف ہوں تمہارا بھائی آپ نے گفتگو میں کہا (اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡکَ) یقین جانو میں تمہارا بھائی ہوں آپ نے اس جملے کے ساتھ باقی احتمالات کا دروازہ بند کر دیا۔

(ب) "فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ" کے معنی میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک احتمال کے مطابق معنی ہوگا ،،اپنے بھائیوں کی گزشتہ کارستانیوں سے غمگین نہ ہو،، دوسرا یہ کہ،، منصوبہ یہ ہے کہ ملازمین تمہیں یہاں پر روکنے کے لئے پروگرام بنائیں گے کہ پیمانے کو تمھارے سامان میں رکھ دیں گے اس طرح منصوبہ مکمل ہو جائے گا اس پر گھبرانا نہیں۔

پیام

(۱) جو برادران کل تک اپنی قوت وقدرت پر نازاں تھے "نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ" ہم طاقتور ہیں آج خورد ونوش کا ساز وسامان حاصل کرنے لئے کمال تواضع وانکساری کے ساتھ آستانہ یوسف کی چوکھٹ کو بوسہ دے رہے تھے (دَخَلُوۡا عَلٰی یُوۡسُفَ)

(۲) کلام کی دو قسمیں ہیں ایک محرمانہ دوسری واضح اور آشکارانہ جناب یوسفؑ نے محرمانہ انداز میں اپنے بھائی بنیامین سے کہا (اَنَا اَخُوۡکَ)

(۳) کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو صرف خواص کو بتائی جاتی ہوتی ہیں (فَلَا تَبۡتَئِسۡ)

(۴) جب نعمت حاصل ہو جائے تو ماضی کی تلخیوں کو بھول جانا چاہیئے (جناب یوسف اور بنیامین کی ملاقات ہوگئی پس گزشتہ پریشانیوں کو بھلا دیا (فَلَا تَبۡتَئِسۡ)

(۵) جب منصوبہ بندی کی جائے تو اس سے قبل بے گناہ کو آگاہ کر دینا چاہیئے کہ وہ ذہنی طور پر آمادہ ہو جائے آپ نے بنیامین سے

فرمایا ہم آپ کو چور کے عنوان سے اپنے پاس روک لیں گے لہذا گھبرانا نہیں (فَلَا تَبْتَئِسْ)

آیت نمبر 70

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ○

اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کرلیا تو اپنے بھائی کے سامان میں پانی کا پیالہ رکھ دیا پھر منادی کرادی کہ آئے قافلے والو یقیناً تم لوگ چور ہو۔

نکات

(الف) ''سِقَايَةٌ'' اس پیمانے اور برتن کو کہتے ہیں جس میں پانی پیا جاتا ہے،، رحل،، اس خورجین کو کہتے ہیں جو اونٹوں پر لادا جاتا ہے،، عیر،، اس قافلے کو کہتے ہیں جو خوراک اور غلہ لے جانے کا کاروبار کرتا ہو۔

(ب) ایسا پہلی مرتبہ جناب یوسفؑ نے انوکھا منصوبہ نہیں بنایا تھا بلکہ اس سے پہلے انہوں نے غلے کی قیمت کو بھائیوں کے بوروں میں رکھ دیا تھا تاکہ دوبارہ آئیں اب کی مرتبہ ایک قیمتی برتن کو بنیامین کے بار میں رکھ دیا تھا تاکہ انہیں اپنے پاس ٹھہرائیں

(ج) حضرت یوسفؑ نے پہلے مرحلہ میں نوکروں کے ذریعہ بھائیوں کی رقم ان کے سامان میں رکھوائی تھی اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لیکن ان کے دوسرے سفر میں وہ پیمانہ اپنے ہاتھوں کے ساتھ بنیامین کے بار میں رکھا تھا اس امر کا نوکروں کو علم نہ تھا کیونکہ آپ اس بات کو مخفی رکھنا چاہتے تھے (جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ)

(د) کتب تفسیر میں موجود ہے کہ جب جناب یوسفؑ اور ان کے بھائی بنیامین کی خلوت میں نشست ہوئی تھی تو جناب یوسفؑ نے ان سے پوچھا تھا کیا آپ میرے پاس رہنا پسند کرو گے بنیامین نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ البتہ یہ کہا تھا،، کہ بابا جان نے برادران سے میری واپسی کا عہد لیا تھا،، اس پر جناب یوسفؑ نے فرمایا میں تیرے لئے یہاں رہنے کا منصوبہ تیار کرتا ہوں جناب یوسفؑ نے بنیامین کی رضا کے ساتھ یہ منصوبہ بندی فرمائی تھی،، ایسی فلمیں، نمائشیں، اور ڈرامے جن میں ظاہراً کسی کو مجرم اور گناہگار کے طور پر فلمایا جاتا ہے ایسے مناظر میں اس شخص کی رضامندی بھی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ لوگ درس حاصل کریں اور حقیقت تک پہنچ سکیں جائز ہیں

(ذ) سوال:۔ اس ماجرہ میں ایک بے گناہ کی طرف چوری کی نسبت کیوں دی گئی ہے؟

جواب:۔ بنیامین کو اپنے برادر جناب یوسفؑ کے منصوبے کا علم تھا اور اس نے اپنی رضامندی کا اظہار بھی کیا تھا لیکن جناب یوسفؑ کے منصوبے سے ان کے برادران کو پریشانی ہوئی تھی لیکن تلاشی کے دوران ان کی پریشانی دور ہوگئی تھی کیونکہ وہ الزام سے بری قرار دیئے گئے تھے اس کے علاوہ سرکاری اہل کاروں کو جناب یوسفؑ کی منصوبہ بندی کا علم نہ تھا تلاشی کے دوران جب انہیں پیمانہ ملا

تھا تو عین فطرت کے مطابق بآواز بلند کہا (اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ)

(ر) حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا (لا کذب علی المصلح) جو شخص لوگوں کے درمیان اختلاف دور کرنے کے لئے جھوٹ بولے وہ جھوٹ نہیں ہوتا پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی

پیام

(۱) بعض اوقات کسی واقعہ کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے ڈرامائی انداز اختیار کرنا پڑتا ہے تو یہ جائز ہے کسی اہم ترین مصلحت کے پیش نظر کسی بے گناہ کی طرف چوری کی نسبت دینے میں کوئی نقصان نہیں اس آدمی کا اس امر سے آگاہ ہونا لازمی ہے (كُمْ لَسٰرِقُوْنَ)

(۲) اگر ایک گروہ میں ایک آدمی بدعمل ہو تو تمام گروہ کو بدعمل کہا جاتا ہے (كُمْ لَسٰرِقُوْنَ)

آیت نمبر 71

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ○

انہوں نے ان کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا تمہاری کیا چیز چوری ہوگئی ہے؟

آیت نمبر 72

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ○

انہوں نے کہا کہ بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ ہمیں نہیں مل رہا ہے اور اسے لا دے اونٹ کے برابر غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

نکات

(الف) کلمہ "صُوَاع" اور "سِقَايَة" دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی پیمانہ اس میں پانی بھی پیا جاتا ہے اور گندم کا وزن یا اندازہ بھی کیا جاتا تھا یہ اس دور کی کفایت شعاری کی ایک علامت تھی کہ وہ لوگ ایک چیز سے کئی کام لیتے تھے، صواع، اس برتن کو کہا جاتا ہے جس میں ایک صاع (۳ کلو) گندم آسکے۔

(ب) کلمہ "حِمْل" حا، زیر کے ساتھ بار اور وزن کے معنی میں آتا ہے لفظ "حَمْل" حا کے فتحہ کے ساتھ بھی بار اور وزن کے معنی میں آتا ہے البتہ اس وزن کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز میں چھپا ہوا ہے جیسے بارش بادل کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور بچہ ماں کے پیٹ میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔

(ج) "وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ" جو شخص اسے لے آئے اس کے لئے ایک بار اونٹ ہے، فقہی اصطلاح میں اسے جعالہ کہا جاتا ہے یہ طریقہ سابقہ ادوار میں مروج تھا اور اسے قانونی حیثیت بھی حاصل ہے۔

پیام

(۱) برادران یوسفؑ نے ،، جملہ ،، مَّاذَا تَفۡقِدُوۡنَ) سے سفارش کی کہ جب تک چوری ثابت نہ ہو کسی پر الزام نہیں آنا چاہیئے

(۲) انعام معین کرنا زمانہ قدیم سے رائج ہے (لِمَنۡ جَآءَ بِهٖ حِمۡلُ بَعِيۡرٍ)

(۳) انعام کو افراد اور حالات زمانہ کے مطابق ہونا چاہیئے زمانہ قحط میں ایک اونٹ کا بار بہترین انعام ہے (حِمۡلُ بَعِيۡرٍ)

(۴) ضامن کو معین اور مشخص ہونا چاہیئے (اَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ)

(۵) ضامن قابل اعتماد شخص ہو (اَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ)

(۶) اطمینان کے حصول کے لئے ضمانت کا رواج بہت قدیم ہے (اَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ)

آیت نمبر 73

قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيۡنَ ○

قافلے والوں نے کہا اللہ کی قسم تم لوگوں کو بھی علم ہے کہ ہم اس زمین میں خرابی پھیلانے کے لئے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔

نکات

برادران یوسف نے کہا آپ کو معلوم ہے ہم اس ملک میں چوری یا فساد کے لئے نہیں آئے تھے یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے ملازمین کو کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ چور نہیں ہیں اس بارے میں چند احتمالات ہیں۔

(۱) شاید حضرت یوسف کی طرف سے انہیں اشارہ مل چکا تھا کہ یہ لوگ چور نہیں ہیں۔

(۲) جب سرزمین مصر میں داخل ہوئے تھے اس وقت ان کی اچھی طرح پڑتال کر لی گئی تھی جی ہاں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں آنے والے لوگوں کی خوب جانچ پڑتال کر لینی چاہیئے خصوصاً اُن دنوں جب ملک بحران سے گذر رہا ہو۔

پیام

(۱) اچھا ریکارڈ نجات و برات کی علامت ہے (لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ)

(۲) مصر کی انتظامیہ مضبوط اور تجربہ کار تھی اور وہ جانتی تھی کہ یہ لوگ فساد کے لئے نہیں آئے (لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ)

(۳) چوری زمین میں فساد کے مترادف ہے (مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيۡنَ)

آیت نمبر 74

قَالُوۡا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ كٰذِبِيۡنَ ○

انہوں نے کہا اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے؟

نکات

معلوم ہوتا ہے اس قسم کا سوال کرنے والے حضرت یوسف تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے بھائی کنعان کے علاقے کے قوانین کی بات کریں گے اور حضرت یعقوبؑ کا نظریہ پیش کریں گے۔

پیام

سزا کے معین کرنے کے لئے مجرم کے ضمیر کو فیصلے کا اختیار دیا جائے (فَمَا جَزَآؤُهٗٓ)

آیت نمبر 75

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○

وہ کہنے لگے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں سے مل جائے تو وہ آدمی اس کی سزا میں رکھ لیا جائے ہم مجرموں کو اس طرح سزا دیتے ہیں۔

پیام

(۱) گزشتہ ادوار میں چور کی سزا یہ تھی کہ اس کو غلام بنا لیا جاتا تھا (فَهُوَ جَزَآؤُهٗ) تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ چور کی سزا ایک سال کی غلامی تھی۔

(۲) قانون میں نہ تو استثناء ہے اور نہ عوض جو چور ثابت ہو جائے وہ ضرور غلام بنے گا (مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ)

(۳) دلائل اس انداز میں ہوں کہ ملزم سکون کے ساتھ الزام کو قبول کرے (مَنْ وُّجِدَ۔۔)

(۵) ایک گروہ میں ایک غلط کار کی غلطی پورے گروہ کی طرف جاتی ہے (مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ)

(۶) غیر ملک میں خلاف ورزی کرنے والے کی سزا خود اس ملک کے قوانین کے مطابق دی جاسکتی ہے نہ کے میزبان ملک کے قوانین کے مطابق (كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ)

(۷) چوری ظلم کا ایک ظاہر و باہر نمونہ ہے (كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ)

آیت نمبر 76

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ

نَّشَآءُ ؕ وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ ○

پھر یوسف نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں کو دیکھنا شروع کیا پھر اسے اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکالا اس طرح ہم نے یوسف کے لئے ترکیب کی ورنہ وہ بادشاہ کے قانون کے تحت اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے سوا اس کے کہ اللہ چاہے ہم جسے چاہتے ہیں اس کے درجات بلند کر دیتے ہیں اور صاحب علم سے بالاتر ایک اور صاحب علم ہے۔

نکات

(الف) لفظ "کید" یہ ہر جگہ مذموم معانی کے لئے نہیں آتا ہے لفظ "کید" نقشہ، تدبیر، اور تجویز کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے (كِدۡنَا)

(ب) تفتیش اور تلاشی کے موقع پر جناب بنیامین پُرسکون اور آسودہ حال رہے تھے انہوں نے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کیا تھا کیونکہ وہ صورت حال سے باخبر تھے تدبیر کو مخفی رکھنے کے لئے اور بدگمانی سے بچنے کے لئے تلاشی کا آغاز دوسرے بھائیوں کے سامان سے کیا گیا اور نوبت بنیامین کے سامان تک جا پہنچی پیمانہ ان کے سامان سے برآمد ہوا لہذا پہلے سے طئے شدہ پروگرام کے مطابق آپ کو مصر میں رہنا پڑا اور یہ خداوند تعالیٰ کی بتائی تدبیر تھی ورنہ مصر کے قوانین کے مطابق جناب یوسف ان کو چور کے عنوان سے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔

پیام

(۱) تفتیش و تلاش کے کام پر مامور اہل کاروں کو ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے شک و گمان بھی نہ آئے (فَبَدَاَ بِاَوۡعِيَتِهِمۡ)

(۲) نچلے عملہ کی کاروائی حکام بالا کے کھاتے میں شمار ہوتی ہے "فَبَدَاَ" جناب یوسف نے تلاشی نہیں لی تھی لیکن قرآن میں ہے،، انہوں نے اس کام کا آغاز کیا۔

(۳) ملزمین کے مال کی تلاشی پر حکمران مجاز ہیں (فَبَدَاَ بِاَوۡعِيَتِهِمۡ)

(۴) نئی سوچ و فکر ایجادات و منصوبہ بندی الٰہی الہام کے نتیجے میں عمل میں آتے ہیں (كِدۡنَا)

(۵) جناب یوسف کے تمام منصوبے الٰہی الہام کے نتیجے میں عمل میں آئے تھے (كِدۡنَا لِيُوۡسُفَ)

(۶) بنیامین کا حضرت یوسف کے ساتھ رہ جانا جناب یوسف کے مفاد میں تھا (كَذٰلِكَ كِدۡنَا لِيُوۡسُفَ)

(۷) قانون کا احترام اور اس کی پابندی غیر الٰہی نظام میں بھی لازم ہیں (مَا كَانَ لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ فِىۡ دِيۡنِ الۡمَلِكِ)

(۸) افسران بالا اور حکومتی افراد پر لازم ہے کہ وہ قانون کی پاسداری کریں اور اس سے اعراض نہ کریں (جناب یوسف مصر کے قوانین کے پابند تھے اس لئے اپنے بھائی کو اپنی نگرانی میں رکھا (لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ)

(۹) معنوی مقامات کے درجے اور مراتب ہوتے ہیں (نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ)

(۱۰) علم وآ گاہی ہی فوقیت اور برتری کا سبب ہے (نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ ... وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ)

آیت نمبر 77

قَالُوۡۤا اِنۡ يَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ وَلَمۡ يُبۡدِهَا لَهُمۡ ۚ قَالَ اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ ○

(برادران یوسف) نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی تو یوسف نے اپنے دل میں چھپائے رکھا اور ان کے لئے ظاہر نہیں کیا مگر یہ کہا تم منزل کے لحاظ سے برے ہو اور اللہ خوب جانتا ہے اس بات کو جو تم بیان کر رہے ہو۔

پیام

(۱) ملزم یا تو اپنے الزام سے انکار کرتا ہے اور میں نے چوری نہیں کی یا اپنے کام کی توجیہ میں کہتا ہے یہ چوری کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے (فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ)

(۲) حاسد دسیوں سال گذر جانے کے بعد بھی وار کرنے سے نہیں چوکتا (فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ)

(۳) ایک بھائی کے اخلاق کا دوسرے بھائی پر اثر ہوتا ہے اَخٌ لَّهٗ ماں کا اخلاق بیٹے پر اثر کرتا ہے (بنیامین اور جناب یوسفؑ ایک ہی ماں سے تھے۔

(۴) جہاں دل صاف نہ ہوں وہاں کسی پر الزام کو جلد تسلیم کر لیا جاتا ہے (اِنۡ يَّسۡرِقۡ فَقَدۡ ...) پیمانہ کا اس سامان سے نکلنا اس کی چوری پر دلیل نہیں تھا لیکن چونکہ بھائیوں کے دل میں اس کے لئے محبت نہ تھی لہذا چوری کے لفظ کو اس کے پلے باندھ کر بات کو پکا اور سچا تسلیم کر لیا۔

(۵) جہاں نفرت ہو اور محبت نہ ہو وہاں تھوڑی سی خلاف ورزی کو بڑا بنا دیا جاتا ہے انہوں نے لفظ "سَرِقَ" نہیں کہا بلکہ "یسرق" کا لفظ استعمال کیا یعنی وہ ہمیشہ یہی کام کرتا ہے۔

(۶) مقصد کے حصول کے لئے مخالفین کے طعنوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے (سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ)

(۷) بسا اوقات اپنی عزت کی حفاظت کے لئے دوسروں پر الزام تراشی کی جاتی ہے (سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ)

(۸) جوانمردی اور وسعت قلبی رہبری اور قیادت کی علامتیں ہیں (فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ)

(۹) اپنے رازوں کو جذبات پر قربان نہ کریں (جناب یوسف نے اپنے بھائیوں سے چوری کی نسبت کو سنا لیکن مصلحت کی خاطر خاموش رہے (فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ)

(۱۰) ہر جگہ راز کا ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوتا (وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ)

(۱۱) اپنے بھائی سے حسد، جھوٹ، تہمت، یہ وہ دلائل ہیں جن کی بنا پر جناب یوسف نے اپنے بھائیوں کے بارے میں فرمایا (شَرٌّ مَّكَانًا)

(۱۲) برادران یوسف پھر بھی بنیامین سے اگر اس سے پیمانہ کی چوری فرض کر بھی لیں بدتر تھے کیونکہ وہ تو وہ تھے کہ جنہوں نے اپنے بھائی کو چرایا تھا۔

آیت نمبر 78

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۷۸

انہوں نے کہا اے عزیز مصر! اس کا باپ بوڑھا ہے تو ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ رکھ لیجئے ہمیں تو آپ نیکی کرنے والے دکھائی دیتے ہیں۔

نکات

جب برادران یوسف نے دیکھا کہ حالات کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئے ہیں بنیامین کا مصر میں رہنا یقینی ہو گیا ہے اُدھر اپنے والد سے عہد و پیمان بھی تازہ باندھ کے آئے ہیں عہد شکنی بھی ہو رہی ہے جناب یوسف کی گذشتہ داستان کا نقشہ بھی سامنے آ گیا ان تمام حالات کے پیش نظر انہوں نے محسوس کیا کہ بنیامین کی واپسی یقیناً تلخ ہے۔ تو انہوں نے نفسیاتی طریقے سے اپنی درخواست پیش کی محبت بھرے جذبات سے اور خوشامدانہ انداز کو اپنانا شروع کیا کہنے لگے آپ عزیز مصر ہیں آپ ایک حکمران ہیں آپ کا شمار ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جو نیک اور صالح ہیں۔ اسکا باپ بوڑھا ہے آپ ہم میں سے جس کو چاہیں اس کی جگہ رکھ لیں ان طریقوں سے بنیامین کی سزا معاف کرانے کی کوشش کی۔

پیام

(۱) الٰہی طاقت کے اپنے انداز ہیں ایک نہ ایک دن ہر سنگ دل وظالم کو ذلیل ورسوا کر کے رہتی ہے اس جملہ "يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ" میں التماس والتجاء کی کیسی صورتیں پوشیدہ ہیں۔

(۲) ابتداء میں صاحبان تقویٰ نفس پرستوں کے ہاتھوں پریشان ہوتے ہیں آخر کار خداوند تعالیٰ انہیں عزت وغلبہ دیتا ہے (يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ)

(۳) جناب یوسف اپنے زمانہ اقتدار میں بھی ان لوگوں میں شمار ہوتے تھے جو نیک اور پرہیز گار تھے (اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ)

(۴) نشیب وفراز، انقلاباتِ زمانہ وسختی وآسانی اور ضعف وقدرت محسنین کے حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتے (جناب

یوسفؑ اپنی زندگی کے تمام ادوار میں نیکوکاروں میں شمار ہوتے رہے (اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ)

آیت نمبر 79

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ○

تو انہوں نے کہا ''اللہ کی پناہ'' جس کے ہاں سے ہمیں سامان ملا ہے اس کے علاوہ ہم کسی اور کو رکھ لیں ؟ اگر ہم ایسا کریں تو اس صورت میں ظالم قرار پائیں گے۔

نکات

(الف) حضرت یوسفؑ کے کلام میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنیامین کو چور کے عنوان سے متعارف نہیں کرانا چاہتے تھے اس لئے آپ نے یہ نہیں فرمایا " وَّجَدْنَا سَارِقاً "، ہم نے انہیں بطور چور کے پایا ہے بلکہ فرمایا " وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ "، اس کے سامان میں ملا ہے یہ نہیں کہ وہ ہمارا چور ہے۔

(ب) اگر جناب یوسف کسی دوسرے بھائی کو بنیامین کی جگہ پر اپنے ہاں پابند کر لیتے تو منصوبہ بھی ناکام ہو جاتا ہے اُسے طرح طرح کی تکالیف بھی دیتے اس کی دل آزاری بھی کرتے اور جو شخص بنیامین کی جگہ پابند ہوتا وہ اپنے آپ کو ناحق گرفتار خیال کرتا۔

پیام

(۱) قانون قانون ہے اس کا احترام ہر شخص پر لازم ہے حتی کہ عزیز مصر بھی اُس سے مستثنیٰ نہیں (مَعَاذَ اللّٰهِ)

(۲) نیک وصالح انسان قانون شکنی نہیں کرتا (مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)

(۳) قاضی کو چاہیئے قضاوت کے وقت جذبات واحساسات کو ایک طرف رکھے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)

(۴) قضاوت میں بے پناہ حساسیت ہے اس لئے قاضی کو اللہ کی پناہ کا سہارا چاہیئے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)

(۵) جناب یوسف نے دو مقامات پر اللہ تعالیٰ سے پناہ کی درخواست کی ایک جب آپ زلیخا کے ساتھ خلوت میں تھے اور دوسرا یہ مقام جب آپ اپنے بھائیوں میں فیصلہ فرما رہے تھے (قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ)

(۶) قانون شکنی ظلم ہے (کسی شخص کی درخواست سے قانون کو نہیں توڑا جا سکتا (مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا)

(۷) گناہ گار کی جگہ بے گناہ کو سزا نہیں ملنی چاہیئے چاہے وہ بے گناہ اس پر راضی بھی ہو (مَعَاذَ اللّٰهِ)

آیت نمبر 80

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى

يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○

جب وہ لوگ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے ان میں سے جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کی قسم دے کر تم سے عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں خطا کر چکے ہو لہذا میں تو اس سرزمین سے نہیں ہٹوں گا جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے۔

نکات

"خَلَصُوْا" ایک گروہ نے خود کو دوسرے گروہ سے جدا کر لیا۔

(ب) "نَجِيًّا" سرگوشی کرنے لگے "خَلَصُوْا نَجِيًّا" کے معنی ہوں گے انہوں نے خفیہ میٹنگ کی کہ اب کیا کیا جائے؟

پیام

(۱) التماس اور التجائیں تمہیں احکام الٰہی کے اجراء سے نہ روکیں (فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ)

(۲) گناہ دوری کا سبب بن جاتا ہے ساتھی خطا کار کو چھوڑ دیتے ہیں اپنے بھی پرائے ہو جاتے ہیں (فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا)

(۳) ایک وہ زمانہ تھا جب یہی برادران اپنی طاقت کے بل بوتے پر آپس میں مشاورت کر رہے تھے کہ کسی طرح یوسف کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے (اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا ... لَا تَقْتُلُوْا ... وَاَلْقُوْهُ) آج ہیں کہ التماس و التجا کا کاسۂ گدائی ہاتھ میں لئے ہوئے اس فکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ کس طریقے سے بنیامین کو آزادی دلوائیں (خَلَصُوْا نَجِيًّا)

(۴) باپ کی عدم موجودگی میں تمام خاندانی ذمہ داریاں بڑے بھائی پر آتی ہیں (قَالَ كَبِيْرُهُمْ)

(۵) معاشرے میں اور خاندان میں سن رسیدہ کے مراتب محفوظ ہیں (قَالَ كَبِيْرُهُمْ)

(۶) تلخ اور ناگوار حوادث میں تمام تر ذمہ داری بزرگوں پر جاتی ہے اور ذمہ داری کی خلاف ورزی کی صورت میں سب سے زیادہ شرمندگی بھی اٹھانا پڑتی ہے (قَالَ كَبِيْرُهُمْ)

(۷) عہد و پیمان پر عمل درآمد ضروری ہوتا ہے (قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا)

(۸) سخت پیمان اور محکم فیصلہ جات ناجائز مفادات سے روکے رکھتے ہیں (قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا)

(۹) خیانت اور جنایت باضمیر انسانوں کو مرتے دم تک ستاتی رہتی ہے (مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ)

(۱۰) دھرنا دینا زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے (فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ)

(۱۱) پردیس کو اختیار کرنا شرمندگی اُٹھانے سے بہتر ہے (فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ)

(۱۲) بارگاہ خداوندی میں سے اچھائیوں کی امیدیں رکھنی چاہئیں (وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ)

آیت نمبر 81

اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰۤی اَبِیۡکُمۡ فَقُوۡلُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَکَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَہِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَمَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ ○

تم اپنے والد کے پاس جاؤ اور جا کر ان سے کہو اے بابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہمیں جو علم ہوا اس کی ہم نے گواہی دے دی اور غیب کی بات کی ہمیں خبر نہیں ہے۔

پیام

(۱) انسان خود غرض ہے جب گندم کی غرض دخیل کار تھی کہ گندم زیادہ ملے تو کہہ رہے تھے (فَارسل معنا اخانا) ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ روانہ کرو آج جب ان پر تہمت لگی تو کہتے ہیں "ابنك" تیرے بیٹے نے چوری کی ہے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی ہے۔

(۲) شہادت اور گواہی علم کی بنیاد پر ہونی چاہیئے (وَمَا شَہِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا)

(۳) عہد و پیمان میں ناگہانی مصائب و حوادث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے عذر و معذرت کا راستہ کھلا رکھنا چاہیئے (وَمَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ)

(۴) اپنا عذر واضح صورت میں پیش کر دینا چاہیئے (وَمَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ)

آیت نمبر 82

وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡیَۃَ الَّتِیۡ کُنَّا فِیۡہَا وَالۡعِیۡرَ الَّتِیۡۤ اَقۡبَلۡنَا فِیۡہَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ○

اور بستی والوں سے پوچھیئے جس میں ہم ٹھہرے تھے اور اس قافلے سے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور یقین جانیئے ہم بالکل سچے ہیں۔

نکات

(الف) "قریہ" کا معنی گاؤں یا بستی نہیں بلکہ قریہ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں لوگ جمع ہوں یا رہائش رکھیں خواہ وہ شہر ہو یا گاؤں ہو "وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡیَۃَ" کا معنی ہے اہل قریہ سے سوال کرو۔

(ب) "عیر" اس قافلے کو کہا جاتا ہے جو خورد و نوش کے ساز و سامان کی نقل و حمل کرتا ہے۔

(ج) برادران یوسف اپنے والد کے پاس جناب یوسف کے بھیڑیئے کے کھانے کی دلیل پیش نہ کر سکے تھے لیکن اس مقام پر اپنے دعویٰ کی دو دلیلیں پیش کیں ایک تو مصر والوں سے سوال اور دوسرے اس قافلہ والوں سے سوال جس کے ساتھ وہ یہاں پہنچے تھے علاوہ ازیں انہوں نے جناب یوسف کے واقعہ میں کہا تھا (انا لصادقون) اگر ہم سچے بھی ہوں۔

کلمہ ''لو'' تردید وشک، خوف اور سستی کی نشاندہی کرتا ہے علاوہ ازیں کلمہ ''انا'' اور حرف لام جو'' وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ '' استعمال ہوئے ہیں اس کا معنی ہے ہم یقیناً سچے ہیں۔

پیام

(۱) ریکارڈ کی خرابی اور جھوٹ ساری زندگی کے لئے انسان کی باتوں کو شکوک وشبہات کے قریب کر دیتا ہے (وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ)

(۲) عینی گواہوں کی شہادت دعویٰ کے ثبوت کیلئے معتبر ذریعہ ہوتی ہیں (وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ۔۔۔ وَالْعِيْرَ)

(۳) جب معتبر ذرائع شہادت جمع ہو جائیں تو جھوٹ کی نفی ہو جاتی ہے (وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ۔۔ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ)

آیت نمبر 83

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○

(یعقوبؑ نے) کہا تم نے اپنی طرف سے بات بنالی ہے تو بہر حال میں صبر کرتا ہوں جو بہتر ہے ممکن ہے اللہ سب کو میرے پاس لے آئے یقیناً وہ بڑا دانا اور حکمت والا ہے۔

نکات

(الف) جب برادران یوسف جناب یوسف کا خون آلود کرتہ اپنے والد کے پاس لائے تھے اس وقت اپنے آپ کو مغموم بھی ظاہر کر رہے تھے گریہ بھی کر رہے تھے اور کہا تھا (یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے یہ سن کر جناب یعقوب نے فرمایا تھا (بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ) تمہارے نفوس نے اس کام کو تمہاری آنکھوں میں خوبصورت بنا کر پیش کر دیا ہے اور میں اس پر صبر سے کام لوں گا۔

اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد جب یہ دوسرا واقعہ پیش آیا جس میں ان کے دو بیٹے (بنیامین اور بڑا بیٹا) جدا ہوئے تھے تو آپ نے پھر بھی وہی پہلے والا جملہ زبان پر جاری فرمایا "بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ"

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جناب یوسف کے واقعہ میں تو برادران نے سازش اور خیانت کی تھی جبکہ بنیامین کے سلسلے میں ایسی کوئی بات نہ تھی تو پھر جناب یعقوب کا کلام دونوں مواقع پر ایک جیسا کیوں ہے؟ (بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ)

صاحب تفسیر المیزان نے اس کا جواب یوں دیا ہے جناب یعقوبؑ دراصل یہ بتانا چاہتے تھے کہ ان دو بھائیوں کی ہم سے جدائی تمہاری کاروائی کا شاخسانہ ہے جو تم نے جناب یوسف کے بارے میں انجام دی تھی یا پھر اس سوال کا جواب یہ ہو کہ حضرت یعقوب کی مراد یہ ہو کہ، تم خیال کرتے ہو کہ تم بے قصور ہو تمہارا کام اچھا ہے حالانکہ یہ سب کچھ تم نے کیا ہے تم ہی قصوروار ہو کیونکہ (۱) جب تم نے عزیز مصر کا پیمانہ اپنے بھائی کے سامان میں دیکھا تھا تو اسے چور کیوں سمجھ لیا تھا؟ ہوسکتا ہے کہ کسی اور نے پیمانہ اس

کے سامان میں رکھ دیا ہو؟

(۲) جلدی کیوں واپس آ گئے وہیں رک کر خوب تحقیق کر لیتے؟

(۳) چور کی سزا یرغمال کیوں بتائی؟ ان احتمالات میں صاحب کتاب کا نظریہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ بادشاہ کا پیمانہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کی طرف چوری کی نسبت دے دی گئی تھی ان کے بڑے بھائی کا مصر میں رہ جانا بھی اس معاملے کی پیروی کرنا تھا یا رحم کی درخواست دینا تھا چور کی جو سزا بتائی گئی تھی وہ ان کے اپنے علاقے میں رائج تھی ان تینوں مقامات پر انسانی قصور نظر نہیں آتا کہ جس کی بنا پر کہا جائے (بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا)

صبر کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) عجز و مجبوری کا صبر جیسا کہ جہنمی کہیں گے (سَوَاءٌ عَلَیۡنَاۤ اَجَزِعۡنَاۤ اَمۡ صَبَرۡنَا) ہمارے لئے برابر ہے صبر کریں یا بے صبری کا مظاہرہ کریں ہمیں نجات نہیں مل سکتی۔

(۲) علم رکھتے ہوئے رضا کارانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبر کرنا صبر کی اس قسم کے کئی نمونے ہیں جو ہر جگہ قابل تعریف ہیں اگر دنیا کے بارے میں ہو تو زہد ہوگا اگر گناہ کے بارے میں ہو تو تقویٰ ہوگا خواہشات نفسانی کے بارے میں ہو تو عفت و پاکدامنی ہوگی مال حرام کے بارے میں ہو تو پرہیزگاری ہوگی۔

(۳) کبھی برائی کو شیطان خوبصورت کر کے پیش کرتا ہے (وَاِذۡ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ) کبھی دنیاوی زرق و برق کو اچھائی کی صورت میں پیش کرتا ہے (حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّیَّنَتۡ)

پیام

(۱) کبھی انسانی نفس برائی کو انسان کے لئے خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے (بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ)

(۲) صبر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا شیوہ ہے اور "صبر جمیل"، وہ صبر ہے جس میں صرف اور صرف خدا کی تسلیم و رضا ہوتی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا (فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ) وہ صبر ہے جس میں صرف اور صرف خدا کی تسلیم و رضا ہوتی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا (فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ)

(۳) اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے (عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّاۡتِیَنِیۡ بِهِمۡ)

(۴) حضرت یعقوب کو اپنے تینوں بیٹوں (یوسف، بنیامین اور بڑے بھائی) کی زندگی پر یقین تھا اور ان کی ملاقات کے منتظر تھے (عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّاۡتِیَنِیۡ بِهِمۡ جَمِیۡعًا)

(۵) قدرت خداوندی کے نزدیک مشکلات کی کوئی حیثیت نہیں ہے چاہے وہ نئی ہوں یا پرانی اس کے نزدیک ان کا حل ایک جیسا ہے خداوند تعالیٰ کل کے گمشدہ یوسف اور آج کے مسافر بھائی کو اکٹھا کر سکتا ہے (جَمِیۡعًا)

(۶) مومن تلخ ترین حوادث و مشکلات کو خداوند عالم کی حکمت سمجھتا ہے (الۡحَکِیۡمُ)

(۷) جب انسان اپنے علم وحکمت کے آئینے میں افعال خداوندی کا نظارہ کرتا ہے تو سخت سے سخت ترین حوادث میں بھی صبر وشکر کے دامن سے پیوستہ رہتا ہے (فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ)

آیت نمبر 84

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ○

اور (یعقوبؑ) نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے! یوسف پر افسوس اور ان کی دونوں آنکھیں رنج وغم سے سفید ہو گئیں تو وہ ایک خاموش پیکر غم بن گئے۔

نکات

(الف) کلمہ "یٰٓاَسَفٰى" کے معنی ہیں ایسا رنج وغم جس میں غصہ اور غضب پایا جائے جناب یوسف چشم گریاں وقلب بریاں اپنی زبان مبارک پر "یٰٓاَسَفٰى" کا کلمہ جاری رکھتے تھے۔

(ب) ایک روایت حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے آپ نے فرمایا واقعہ کربلا کے بیس سال بعد تک میرے والد امام زین العابدین ہر مناسب موقع پر گریہ فرماتے تھے جب آپ سے گریہ کا سبب پوچھا جاتا تو فرماتے ،، حضرت یعقوبؑ کے گیارہ بیٹے تھے ان میں سے صرف ایک غائب ہو گیا تھا حالانکہ وہ زندہ تھا اس کے فراق میں اتنا روئے کہ آنکھیں دے بیٹھے جبکہ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے والد گرامی اپنے بھائیوں اور خاندان نبوت کے سترہ افراد کو شہید ہوتے دیکھا تو میں کیسے نہ گریہ کروں؟

پیام

(۱) حسد کی بدبختی زندگی بھر کے لئے تحقیر وتوہین کا روگ ہے (تَوَلّٰى عَنْهُمْ)

(۲) برادران یوسف کا خیال تھا کہ یوسف کو راستے سے ہٹا کر اس کا مقام لے لیں گے (یخل لکم وجه ابیکم) لیکن حسد نے انہیں اپنے باپ کے قہر غضب کا مستحق بنا دیا (تَوَلّٰى عَنْهُمْ)

(۳) جناب یعقوبؑ یہ جانتے تھے کہ ظلم صرف اور صرف یوسف پر ہوا ہے اس کے دوسرے بیٹے پر نہیں ہوا ہے (يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ)

(۴) بعض اوقات غم وگریہ نابینائی کا سبب بن جاتے ہیں (وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ)

(۵) ندبہ وگریہ اور سوز وعشق کے لئے معرفت ضروری ہے (جناب یعقوب کو جناب یوسف کی معرفت تھی جس کی وجہ سے ان کے غم میں آنکھیں دے بیٹھے تھے)

(۶) شخصیت کے مطابق اس کے مصائب کی اہمیت ہوتی ہے (یوسف پر ڈھائے جانے والے مظالم اور دوسرے لوگوں پر آنے والے مظالم میں فرق ہے اس لئے کہ جناب یوسف کا نام لیا جاتا ہے دوسروں کا نہیں لیا جاتا۔

(۷) اپنے عزیز واقارب پر غم گریہ اور رنج واندوہ کا مظاہرہ جائز ہے (وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ)
(۸) برداشت کی حد ہوتی ہے آخر ایک دن صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے (وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ)
(۹) غم غصہ کو پی جانا مردان الٰہی کے صفات میں سے ہے (فَهُوَ كَظِيْمٌ)
(۱۰) گریہ اور غم صبر کے منافی نہیں ہیں (فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ... يٰٓاَسَفٰى ... فَهُوَ كَظِيْمٌ)

آیت نمبر 85

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ○

(بیٹوں نے) کہا خدا کی قسم! آپ برابر یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ سخت بیمار پڑ جائیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔

نکات

"حَرَض" اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے عشق وغم نے نڈھال کر کے رکھ دیا ہو۔

پیام

(۱) جناب یوسف جیسی شخصیات ہمیشہ یاد رہنی چاہئیں (تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ) اولیاء اللہ دعائے ندبہ میں یوسف زمان (امام زمانؑ) کو یاد کر کے آہ وفریاد کے ساتھ روتے ہیں)
(۲) اگر تم یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ تم کس کو کتنا دوست رکھتے ہو تو دیکھو تم اسے کتنا یاد رکھتے ہو (تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ)
(۳) جو یوسف کی معرفت رکھتا ہے تو وہ جو سوز ودرد رکھتا ہے اس کو عام لوگ محسوس نہیں کر سکتے (تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا)
(۴) روحانی ونفسیاتی مسائل جسم بدن پر اثر کرتے ہیں (حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ) جدائی انسان کو توڑ کر رکھ دیتی ہے یا مار دیتی ہے تو پھر موت ومصیبت کے داغ کیا کچھ نہیں کریں گے؟
(۵) محبت پدری اور عمومی تعلقات میں بہت بڑا فرق ہے (مِنَ الْهٰلِكِيْنَ)

آیت نمبر 86

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(یعقوب) نے کہا میں اپنے رنج وغم کی شکایت بس اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

نکات

(الف) "بث" شدید غم کو کہا جاتا ہے غم کی اُس کیفیت کا نام ہے کہ جس کے باعث انسان اپنے غم کو بیان نہیں کر سکتا۔
(ب) حضرت آدم نے ترک اولیٰ کے وقت بارگاہ خداوندی میں ان الفاظ میں آہ وزاری کی (قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا) ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفوس پر ظلم کیا۔ حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری کے ایام میں یوں فریاد کی (اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ) مجھے بڑی اذیت ہوگئی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فقر و ناداری میں فرمایا تھا (رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ) اے میرے پروردگار میں اس کا جو تو مجھ پر نعمت اتارے محتاج ہوں۔ حضرت یعقوبؑ نے فراق فرزند میں کہا تھا (اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ) میں اپنی ظاہری فریاد اور مخفی رنج کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔
توفیق سلب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن شکایت اپنے خدا سے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (اِنَّمَآ اَشْکُوْا ۔۔۔ اِلَی اللّٰہِ)
(۲) ایک موحد انسان اپنا درد دل صرف بارگاہ الٰہی میں بیان کرتا ہے (اِنَّمَآ اَشْکُوْا ۔۔۔ اِلَی اللّٰہِ)

دست حاجت چو بدی ،نزد خداوندی بد
کہ کریم است ورحیم وغفور است و ودود
نعمتش نا متناہی ،کرمش بے پایان
ہیچ خواننده از این در نرود بے مقصود

جب اپنی حوائج کا ہاتھ پھیلاؤ تو صرف خدا ہی کے آگے پھیلاؤ کیونکہ وہ کریم رحیم اور ودود ہے جس کی نعمتیں بے انتہاء اور جس کا کرم نہ ختم ہونے والا ہے دعا مانگنے والا اس کے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔
(۳) ظاہری آنکھوں سے دیکھنے والے افراد حوادث زمانہ کے اسرار کو سمجھے بغیر راحت و آسانی کے ساتھ گزر جاتے ہیں جبکہ ان کی گہرائیوں میں نگاہ رکھنے والے لوگوں کی نگاہیں ان کے قیامت تک کے اثرات پر ہوتی ہیں (وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ)
(۴) حضرت یعقوب اپنے بیٹے جناب یوسف کے زندہ ہونے پر آگاہ تھے ان کے انجام سے بھی واقف تھے علاوہ ازیں خداوند تعالیٰ اور ان کی صفات کے ایسے حقائق سے باخبر تھے جن کو دوسرے نہیں جانتے تھے (وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)
(۵) شاید "مالا تعلمون" وہی یوسف کے خواب ہوں کہ جناب یعقوب نے آغاز میں جن کی تعبیر فرمائی تھی۔

آیت نمبر 87

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○

اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی خبر لو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو نا یقیناً اللہ کی رحمت سے تو صرف کافر

لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔

نکات

(الف)" تَحَسُّسُ "،قوت حاسہ کے ذریعے کسی چیز کی تلاش کرنا۔اور" تجسّس "،برائیوں کی جستجو اور تلاش کے معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔جبکہ" تَحَسُّسُ "،اچھائیوں کی تلاش اوران کے حصول کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔

(ب)مفردات راغب کے مطابق "رَوح اور رُوح "جان کے معنی میں آتے ہیں لیکن لفظ "رَوح "مصائب کے دور ہونے اور رحمت کے نزول کے بارے میں بولا جاتا ہے گویا مشکلات اور مصائب کے دور ہونے پر انسان کے اندر ایک خوشی کی تازہ لہر آجاتی ہے تفسیر تبیان میں جو "رَوح "کی تشریح کی گئی ہے وہ یہ ہے رَوح کا لفظ "ریح "ہوا سے لیا ہے انسان جس طرح ہوا کے چلنے سے سکون وچین محسوس کرتا ہے اسی طرح اللہ کی رحمت سے بھی اسے مسرت کا احساس ہوتا ہے۔

(ج)روایات کے مطابق رحمت خداوندی سے مایوسی گناہ کبیرہ ہے۔

پیام

(۱)والد کو اپنی اولاد سے تعلقات ہمیشہ کے لئے منقطع نہیں کرنا چاہیئے(وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ ۔۔یٰبَنِیَّ ۔۔)

(۲)معرفت کو تحرک کی ضرورت ہے(اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا)

(۳)لطف خداوندی کا حصول اور کاہلی وسستی کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں(اذْهَبُوْا ۔۔۔وَلَا تَایْئَسُوْا)

(۴)اولیاء اللہ خود بھی مایوس نہیں ہوتے اور دوسروں کو بھی مایوس نہیں کرتے(وَلَا تَایْئَسُوْا)

(۵)مایوسی کفر ہے(لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ) کیونکہ مایوس آدمی اپنے دل میں کہتا ہے کہ قدرت الٰہی اب ختم ہوچکی ہے اور یہ کفر ہے۔

آیت نمبر 88

بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ○

پھر وہ جب یوسف کے ہاں داخل ہوئے تو کہنے لگے۔اے عزیز مصر! ہم اور ہمارے گھر والے سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں ہم تھوڑی سی پونجی لائے ہیں پس آپ ہمیں پورا غلہ دیجئے اور ہم پر یہ خیرات کیجئے یقیناً اللہ خیرات دینے والوں کو اجر عطا کرنے والا ہے۔

نکات

(الف) "بِضَاعَةٍ" اس مال کو کہا جاتا ہے جو قیمت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے "مُّزْجٰىةٍ" کا لفظ "ازجاۃ" سے لیا گیا ہے جو دھتکار دینے کے معنی میں آتا ہے کیونکہ مال بیچنے والے کم قیمت کے عوض اپنا مال نہیں دیتے بلکہ خریدکو دھتکار دیتے ہیں تو ایسی قیمت کو "بضاعت مزجاۃ" کہا جاتا ہے۔

(ب) کچھ مفسرین نے "وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا" سے بنیامین کی واپسی کی درخواست مراد لی ہے

(ج) روایات میں آیا ہے کہ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں آپ نے جناب یوسفؑ کی تعریف وتوصیف کی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ملک کنعان میں قحط کی تباہ کاریوں کا ذکر کیا تھا جب یہ خط جناب یوسف کو ملا تو آپ نے اس خط کو اپنے بھائیوں کے سامنے پڑھا اس کے بوسے لئے آنکھوں سے لگایا اور رونے لگے آپ اس حد تک گریہ کیا کہ ان کے آنسوؤں ان کے پر ٹپکنے لگے برادران یوسف نے ابھی تک یوسف کو نہیں پہچانا تھا یہ کیفیت دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ہمارے والد کے بارے میں وہ اتنا احترام کس لئے کر رہے ہیں؟ پھر آہستہ آہستہ ان کے حیرت زدہ قلوب میں امید کی کرن پھوٹنے لگی جب انہوں نے جناب یوسف کو مسکراتے دیکھا تو کہنے لگے کہیں یہ یوسف تو نہیں؟ (تفسیر نمونہ)

پیام

(۱) جناب یعقوب کو یوسف کی ضرورت ہے (فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ) لیکن فرزندان یعقوب کو گندم کی ضرورت ہے (فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ)

(۲) تحقیر وتذلیل کرنے والے ایک دن خود ذلیل وحقیر بن جاتے ہیں ایک دن فرزندان یعقوبؑ نے کہا تھا، "نَحْنُ عُصْبَةٌ" ہم طاقتور جماعت ہیں۔ "سرق اخ له من قبل" ہمارے بھائی نے چوری کی تھی (انا ابانا لفی ضلال مبین) ہمارا باپ کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور آج انکساری کے ساتھ کہہ رہے ہیں (مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ)

(۳) مدد کے حصول کے لئے خاص طریقہ کار کی ضرورت ہوتی ہے وہ طریقے یہ ہیں (ا) مدد کرنے والے کی تعریف وتوصیف کی جائے (ایها العزیز)

(ب) اپنے حالات کا تذکرہ اور اپنی ضروریات کو بیان کرنا چاہیئے (مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ)

(ج) مالی حالات کا اظہار (بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ)

(د) مدد کرنے والے کے اندرونی جذبات کو ابھارنا (وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ) (د) غربت وافلاس انسان کو ذلیل کر دیتی ہے (مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ)

آنچه شیران را کند روبه مزاج ... احتیاج است احتیاج است احتیاج

جو چیز شیروں کو لومڑی بنا دیتی ہے ... وہ یہی احتیاج ہے فقر وافلاس ہے

آیت نمبر 89

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ○

(یوسف) نے کہا کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

نکات

ممکن ہے ایک سوال میں مختلف قسم کے مطالب پوشیدہ ہوں وہ مطالب مثبت ہوں یا منفی اور اذیت دینے والے ہوں حضرت یوسف کا سوال آپ نے ان سے پوچھا تھا کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے کیا سلوک کیا تھا؟ ممکن ہو یہ سوال اس لئے ہو کہ (۱) میں تمام حالات جانتا ہوں (۲) تم نے جو کچھ کیا ہے اچھا نہیں کیا اس کی توبہ کرو (۳) بنیامین کی تسلی کی خاطر ہو وہ اس مجلس میں موجود تھے (۴) اپنے برادران کی سرزنش کی خاطر ہو (۵) اپنی عزت کے اظہار کے لئے ہو (۶) اس لئے ہو کہ تم نے اس قدر جرائم کئے اب بخشش کی امید کس لئے؟ مندرجہ بالا تمام اہداف میں صرف پہلے تین مقاصد حضرت یوسف کی عزت و منزلت کے شایان ہیں باقی احتمالات آپ کی شرافت اور منزلت سے جوڑ نہیں کھاتے جیسا کہ بعد والی آیات اس امر کی وضاحت کرتی ہیں علاوہ ازیں ان لوگوں نے آپ کی طرف آپ کے سامنے چوری کی نسبت دی یہ سن کر بھی آپ خاموش رہے آخر کار اپنے بھائیوں سے فرمایا (لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ)

(ب) جہالت صرف نہ جاننے کا نام نہیں بلکہ خواہشات نفسانی کا غلبہ بھی جہالت کی ایک قسم ہے انسان کو چاہیئے جتنا بڑا عالم ہو اگر گناہگار ہے تو جاہل ہے کیونکہ وہ حقائق پر توجہ نہیں رکھتا اور دوزخ کو خریدنے والا ہوتا ہے۔

پیام

(۱) نامہ اعمال ایک دن ضرور کھلے گا (هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ)

(۲) جوانمردی اس میں ہے کہ فریق مخالف کی زیادتیوں کی جزئیات کو بیان نہ کیا جائے (مَّا فَعَلْتُمْ)

(۳) جس وقت تمہیں طاقت قدرت حاصل ہو جائے تو دوسرے مظلوموں کو فراموش نہ کریں (مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ)

(۴) جوانمردی یہ بھی ہے کہ مجرم کو اس کے عذر کی راہیں بھی بتائی جائیں (اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ)

آیت نمبر 90

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ○

اور وہ کہنے لگے کیا واقعی آپ یوسف ہیں کہا میں یوسف ہوں اور میرا بھائی ہے ہم پر اللہ نے احسان فرمایا ہے یقیناً جو پرہیز گاری سے کام لیتا ہے اور صبر کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

نکات

(الف) جوں جوں وقت گذرتا جارہا تھا برادران یوسف حیرت کے سمندر میں ڈوبتے جارہے تھے کہ عزیز مصر نے ان کے والد کے خط کو پڑھ کر شدت سے رونا کیوں شروع کر دیا تھا؟ عزیز مصر کو یوسف کے ماجرا کا کیسے علم ہو گیا؟ قیافہ تو سچ مچ یوسف سے ملتا جلتا ہے کہیں یہ یوسف ہی نہ ہوں؟ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم خود اس سے پوچھ لیں اگر یوسف نہ ہوئے تو لوگ ہمیں دیوانہ نہیں کہیں گے اگر واقعی یوسف ہوئے تو پھر ہمیں شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور پھر ہم پر کیا گذرے گی الغرض برادران یوسف کے جسم وجان کو ایک ھیجان نے اپنی شدید لپیٹ میں لے رکھا تھا ماحول پر سناٹا چھا چکا تھا آخر کار اس سناٹے کو ان کے اس بے ساختہ سوال نے توڑا کیا آپ یوسف ہیں؟ اس ماحول اور محفل میں کیا رنگ بکھرے ہونگے حالات نے کتنے رخ اختیار کئے ہوں گے کوئی ہے مصور جو ان ھیجانی کیفیات کی تصویر کشی کرے شرمندگی اور خوشی کے ملے جلے جذبات میں پُرنم آنکھیں، گلے ملنے، ان کیفیات ان تمام مناظر کی تصویر کشی کون کرسکتا ہے ان جذبات واحساسات کی مقدار خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

(ب) ایسا ماحول پیدا کرنا چاہیئے کہ لوگ سوال کرنے پر خود مجبور ہو جائیں اور ان کے رشد وتربیت کے جذبات کو پروان چڑھایا جائے (جناب یوسف نے جو ماحول میسر کیا تھا وہ کچھ اس طرح کا تھا کہ برادران یوسف میں سوال اور جستجو کی تڑپ بڑھتی چلی جارہی تھی وہ خود اپنے آپ سے کہہ رہے تھے کہ،، جناب یوسفؑ بنیامین کو مصر لانے پر کیوں مصر تھے؟ ہمارے اناج میں بادشاہ کا پیمانہ کیوں ملا؟ پہلی مرتبہ ہمارے اناج کی رقم کیوں واپس کر دی تھی؟ بادشاہ کو داستان یوسف کا علم کہاں سے ملا؟ ممکن ہے اب ہمیں اناج نہ ملے جب یہ تمام ھیجانی سوالات ان کی روح کی آخری منزل پر آئے تو بے ساختہ بول پڑے کیا آپ یوسف ہیں؟ آپ نے فرمایا جی ہاں

(ج) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ حضرت قائم علیہ السلام میں حضرت یوسف کی ایک صفت یہ ہوگی کہ لوگ آپ کو نہیں پہچانتے ہوں گے آخر کار خداوند تعالیٰ اجازت دے گا اور آپ اپنا تعارف کرائیں گے (بحار ج ۱۲ ص ۲۸۳)

پیام

(۱) زمانے کا گذرنا، تلخ وشیریں انقلابات، رابطوں اور رشتوں کو تبدیل کر دیتا ہے (ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ)

(۲) اولیاء اللہ نعمات کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیتے ہیں (مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا)

(۳) صبر وتقوی کا اجر اس دنیا میں بھی ملتا ہے اَنَا يُوْسُفُ ... مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ ..)

(۴) حکومت ورہبری اور قیادت کے اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو حسد وحوادث، تحقیر وشہوت، قید وبند اور پروپیگنڈے کی مسمومیت جیسے کٹھن امتحانات سے آزمائے جاتے ہیں اور سرخرو وسرفراز ہو کو باہر آتے ہیں (مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ)

(۵) حساس ترین لمحات میں تبلیغ کا فائدہ اُٹھائیں جب برادران یوسف اپنے کئے پر نادم نظر آنے لگے اور جناب یوسفؑ کی باتوں کو

توجہ سے سننے کے لئے آمادہ ہوئے تو اس وقت جناب یوسفؑ نے فرمایا(مَنۡ یَّتَّقِ وَیَصۡبِرۡ۔۔)

(۶)لطف خداوندی اس کی حکمت کے مطابق ہے وہ قابلیت واہلیت کے بنا پر عطا کرتا ہے(مَنۡ یَّتَّقِ وَیَصۡبِرۡ۔۔۔)

(۷)صبر وتقوی عزت ووقار عطا کرتا ہے(مَنۡ یَّتَّقِ وَیَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ)

(۸)صبر وتقویٰ محسنین کی خصوصیات میں سے ہے(مَنۡ یَّتَّقِ وَیَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ)

(۹)الٰہی طریقہ کار ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے صالح افراد کو حکومت عطا کرتا ہے۔

آیت نمبر 91

قَالُوۡا تَاللّٰہِ لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیۡنَا وَاِنۡ کُنَّا لَخٰطِـئِیۡنَ ○

انہوں نے کہا اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم بے شک خطاوار تھے۔

نکات

''ایثار'' دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کے معنی میں آیا ہے برادران یوسف نے اپنی غلط سوچ کی بنا پر ''نحن عصبة'' کہہ کر ایک اور غلطی کی تھی اور اس کے ساتھ کہا تھا''القوہ فی غیبت الجب'' اسے اندھے کنویں میں ڈال دو،،لیکن خداوند تعالیٰ نے اس قدر انہیں افلاس کی پستی سے دوچار کر دیا کہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے التماس پر اتر آئے اور کہنے لگے (مسنا واھلنا الضر)ان الفاظ سے انہوں نے اعلان کیا کہ ان کا منصوبہ ناکام ہو گیا''وَاِنۡ کُنَّا لَخٰطِـئِیۡنَ'' آخر ان کی غلط سوچ ایک حقیقت کے تسلیم کرنے میں تبدیل ہو گئی اور کہنے لگے لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰہُ،،اللہ نے آپ کو ہم سب پر غلبہ دیا ہے۔

(ب)برادران یوسف نے تاللہ کے کلمہ کے ساتھ کئی بار قسم کھائی (الف)''تاللہ لقد علمتم ما جئنا لنفسد فی الارض،، خدا کی قسم آپ لوگ تو جانتے ہیں کہ ہم تمہاری سرزمین میں فساد پھیلانے اور چوری کرنے کی غرض سے نہیں آئے تھے۔

(ب)تَاللّٰہِ تَفۡتَؤُا تَذۡکُرُ یُوۡسُفَ ،،بابا سے کہنے لگے بابا جان خدا کی قسم آپ تو ہمیشہ یوسف ہی کی یاد میں لگے ہوئے ہیں۔

(ج)''تَاللّٰہِ لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰہُ،، جناب یوسف سے کہا خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر برتری عطا کی ہے۔

پیام

(۱)اگر از روئے حسد کسی کے کمالات اور برتری سے چشم پوشی کریں گے تو آخر ذلت و جبر کا اعتراف کرنا پڑے گا (تَاللّٰہِ لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیۡنَا)

(۲)ارادہ خداوندی کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا (تَاللّٰہِ لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیۡنَا)

(۳)اگر طاقت وتوانائی کے ایام میں کام نہیں کریں گے تو پھر کمزوری و ناتوانی کے دنوں میں شرمساری اُٹھانا پڑے گی (نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ۔۔ وَاِنۡ کُنَّا لَخٰطِـئِیۡنَ)

(۴) گناہوں کا اعتراف عفو و بخشش کا باب کھولتا ہے (وَاِنۡ کُنَّا لَخٰطِـئِیۡنَ)

آیت نمبر 92

قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ ۫ وَ ہُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ○

یوسف نے کہا آج تم پر کوئی عتاب نہیں ہوگا اللہ تم کو بخش دے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

نکات

"تَثۡرِیۡبَ" کا معنی ہے توبیخ، سرزنش، گناہ کا شمار کرنا اور زیادہ ملامت کرنا ہے۔

(ب) مکہ معظّمہ فتح ہو چکا تھا مشرکین مکہ نے خانہ کعبہ میں پناہ لے رکھی تھی حضرت عمر نے کہا،، آج ہم انتقام لیں گے یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا آج بخشش کا دن ہے آپؐ نے مشرکین سے پوچھا،، آج میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے،، تو انہوں نے کہا،، ہم اچھائی کی امید رکھتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے کریم بھائی ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا آج میں وہی بات کرتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے کی تھی (قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ) جناب عمر نے یہ سن کر کہا،، میں اپنی بات پر سخت نادم ہوں۔

(ج) حضرت علیؑ کا فرمان ہے "اِذَا قَدَرۡتَ عَلٰی عَدُوِّکَ فَاجۡعَلِ الۡعَفۡوَ عَنۡہُ شُکۡرًا لِلۡقُدۡرَۃِ عَلَیۡہِ" جب تم اپنے دشمن پر قابو پا لو تو اس بات کا شکر ادا کرنے میں اُسے معاف کر دو۔

(د) حدیث میں آیا ہے (جوان کا دل بہت نرم ہوتا ہے) بعد ازیں آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی جناب یوسفؑ اپنے والد اور بھائیوں کی نسبت جوان تھے اس لیے فوراً اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا۔

پیام

(۱) وسعت قلبی ریاست و حکومت کا ذریعہ ہوتی ہے (قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ)

(۲) جب ایک مجرم اپنے جرم کا اعتراف کر لے تو فوراً اُسے قبول کر لیجیئے اُسے شرمندہ نہ کیجیئے (لَا تَثۡرِیۡبَ۔۔ یَغۡفِرُ اللّٰہُ)

(۳) اپنی معافی و بخشش کا اعلان کر دینا چاہئے تا کہ دوسرے لوگ سرزنش نہ کر سکیں (الۡیَوۡمَ)

(۴) جناب یوسفؑ نے روحانی طریقے سے اپنے خطا کار برادران سے سلوک کیا ہمیں بھی اس طرح کرنا چاہیئے (وَاِنۡ کُنَّا لَخٰطِـئِیۡنَ۔۔۔ قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ)

(۵) لوگوں کو فوراً معاف کر دینا چاہیئے۔ (لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ)

(۶) قدرت و حکومت کے دنوں میں معاف کر دینا اولیاء اللہ کی سیرت ہے (قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ)

(۷) جرات و مردانگی جناب یوسفؑ سے سیکھنی چاہیئے پہلے تو انہوں نے انہیں معاف کر دیا پھر خداوند تعالیٰ سے ان کے لیے مغفرت

فرمائی (اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ)

(۸) جب بندہ اپنے حقوق معاف کرسکتا ہے تو جو خداوند تعالیٰ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ہے تو پھر اُس سے عفو و بخشش کے علاوہ اور کیا اُمید کی جاسکتی ہے۔ (یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ)

(۹) شرمساروں کو بخش دینا سنت پروردگار ہے (یَغۡفِرُ مضارع) آیا ہے۔

(۱۰) خداوند تعالیٰ کی بخشش ان لوگوں کے شامل حال بھی ہوسکتی ہے جو عرصہ دراز تک دو پیغمبروں (یوسفؑ اور یعقوبؑ) کو تکلیف دیتے رہے۔ (لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ ... الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ ۫ وَ ہُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ)

(۱۱) مظلوم کا ظالم کو بخش دینا بخشش خداوندی کے شامل ہونے کی راہوں کو ہموار کرتا ہے لیکن اُس کی معافی بھی اُس کی رحمت پر منحصر ہے (اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ کی طرح)

(۱۲) مغفرت و رحمت کے ساتھ خداوندی تعالیٰ کی تعریف و توصیف (اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ) دعا و استغفار کے آداب میں شامل ہے۔

آیت نمبر 93

اِذۡہَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ ہٰذَا فَاَلۡقُوۡہُ عَلٰی وَجۡہِ اَبِیۡ یَاۡتِ بَصِیۡرًا ۚ وَ اۡتُوۡنِیۡ بِاَہۡلِکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ○

اور میرا یہ کرتا لے جاؤ اور لے جا کر میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور میرے پاس اپنے تمام اہل و عیال کو لے آؤ۔

نکات

(الف) داستان یوسفؑ میں حضرت یوسفؑ کی قمیض کا کئی ایک مقامات پر ذکر ہے۔

۱۔ (وَ جَآءُوۡ عَلٰی قَمِیۡصِہٖ بِدَمٍ کَذِبٍ) برادران یوسفؑ جناب یوسفؑ کا کرتہ جھوٹے خون سے آلودہ کر کے اپنے والد کے پاس لائے تھے اور کہا تھا اُسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔

۲۔ (قَمِیۡصُہٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ) پیچھے کی طرف سے پھٹا ہوا کرتا جرم اور مجرم کی علامت بن گیا۔

۳۔ (اِذۡہَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ) جناب یوسفؑ کا کرتا آنکھوں کی بینائی سے محروم جناب یعقوبؑ کی شفا کا موجب بن گیا۔

(ب) اگر جناب یوسفؑ کا کرتہ جو ان کے تن بدن پر رہا تھا وہ ایک نابینے کی بینائی کو پلٹا سکتا ہے تو کیا اولیا اللہ سے مربوط اشیا جیسے ان کی قبور ان کے روضوں کی دیواریں، صحن، کپڑے، غلاف وغیرہ دوسرے تبرکات سرمایہ شفا نہیں بن سکتے؟ جی ہاں! ضرور بن سکتے ہیں!

(ج) اس مقام پر حضرت یوسفؑ کی شناخت برادران کی معذرت خواہی جناب یوسفؑ کا معافی کا اعلان عام خداوند تعالیٰ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرنے کا وعدہ یہ تمام مراحل یہاں ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن ابھی وہ مراحل باقی ہیں کہ جن میں جنابؑ یعقوب کی بینائی کی واپسی کا ذکر ہے جو برادران یوسفؑ کے جرائم کی یادگار رہے اس آیت میں اس مشکل ترین مرحلہ کے حل کا راستہ بتایا گیا

ہے۔اس روایت کے ضمن میں یہ بھی موجود ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے برادران سے فرمایا تھا میرا کرتا میرے والد کے پاس وہ برادر لے جائے جو میرا خون آلود کرتا لے گیا تھا اسی طرح انہیں شادان وفرحان کرے۔

(د) ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسفؑ شبانہ روز اپنے بھائیوں کے ساتھ ایک دستر خواں پر کھانا کھاتے تھے جب ایک دستر خوان پر اکٹھے ہوتے تو شرمندگی محسوس کرتے تو انہوں نے حضرت یوسفؑ تک پیغام بھجوایا کہ ہمارا دستر خوان علیحدہ ہونا چاہیئے کیونکہ آپ سے ہمیں شرم آتی ہے حضرت یوسفؑ نے جواب دیا ''میں تمھارے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر افتخار محسوس کرتا ہوں ایک وہ وقت تھا جب لوگ مجھے دیکھتے تھے تو پکار اُٹھتے تھے'' (سُبْحَانَ مَنْ بَلَّغَ عَبْدًا بِيْعَ بِعِشْرِيْنَ دِرْهَمًا مَا بَلَغْ) پاک ہے وہ ذات جس نے بیس درہم کے عوض فروخت شدہ غلام کو آج اتنی بڑی عزت وعظمت عطا فرمائی۔لیکن اب آپ لوگوں کا وجود میرے لئے عزت کا موجب ہے اب تمام دنیا کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں نہ تو غلام تھا اور نہ ہی بے اصل ونسب تھا۔میرے تمھارے جیسے بھائی ہیں اور حضرت یعقوبؑ نبی جیسا والد ہے لیکن پردیسی اور مسافر ضرور ہوں (اللہ اکبر! یہ کیا جوانمردی اور بے مثال بردباری ہے!

(ر) مرحوم آیت اللہ العظمیٰ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی جب علاج کے لیے ''شہر اراک سے تہران کی طرف تشریف لا رہے تھے تو انہوں نے اپنے سفر کے دوران ایک رات قم میں قیام کیا اہل قم نے ان سے درخواست کی کہ وہ حوزہ علمیہ کو اراک سے قم لے آئیں۔ کیونکہ اہل بیتؑ کا حرم ہے اور حضرت معصومہ علیہا السلام کا مدفن ہے انہوں نے قرآن مجید سے استخارہ لیا تو یہ آیت سامنے آئی (وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ)

پیام

(۱) جو اشیاء اولیاء اللہ سے مربوط ہیں ان سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ (اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ) جناب یوسفؑ کی قمیص سے نابینا کو بینائی مل گئی۔

(۲) جو شخص نفسانی ھواؤھوس کا مقابلہ کرتا ہے اس کی ہر چیز مقدس ہوتی ہے حتی کہ اس کا لباس بھی۔ (بِقَمِيْصِيْ)

(۳) مقدس اشیاء کو بطور تبرک دیکھنا کافی نہیں ہے ہاتھ لگانا لازمی ہے (فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ)

(۴) خوشی وغمی کا آنکھوں پر اثر ہوتا ہے۔(وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ ... يَاْتِ بَصِيْرًا)

شاید یہی وجہ ہے کہ جو اولاد اچھی ہوتی ہے تو انہیں آنکھوں کی ٹھنڈک کا نام دیا جاتا ہے۔ (جی ہاں! یہ ایک اس صورت میں ہے اگر ہم اسے معجزہ کی نظر سے نہ دیکھیں)

(۵) وصل بوڑھے کے دل کو زندہ اور نابینا کو بینا کر دیتا ہے (فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا)

(۶) معجزہ اور کرامت میں سن وسال کی شرط نہیں ہے (بیٹے کے کُرتے سے باپ کی آنکھوں میں بینائی آ گئی)

(۷) جناب یوسف علم غیب جانتے تھے ورنہ انھیں یہ کہاں سے علم حاصل ہوا تھا کہ اس کے کُرتے سے باپ کی آنکھوں میں بینائی آ جائیگی (يَاْتِ بَصِيْرًا)

(۸) خداوند تعالیٰ نے اس چیز کو جو حضرت یعقوبؑ کے حزن واندوہ کا سبب بنی تھی اسے آپ کے لیئے مسرت وشفا کا سبب بنادیا (ایک دن کرتا غم واندوہ کا سبب بناوہی کرتا آج مسرت وشادی کا سبب بنا)

(۹) وہ اولاد جنہیں دولت وحکومت میّسر آجائے انہیں اپنے غریب ونادار رشتہ داروں خصوصاً سالخوردہ والدین کی کفالت کرنا چاہیئے (وَاْتُوْنِیْ بِاَھْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ)

(۱۰) فرائض کی ادائیگی کے لیئے معاشرتی ماحول موثر ہوتا ہے (وَاْتُوْنِیْ بِاَھْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ) حضرت یوسف کے لیئے ان حالات میں صلہ رحمی کے لیئے ایسی صورت پیدا ہوگئی تھی کہ ان کے خاندان کے تمام افراد کو ملک مصر آجانا چاہیئے تھا۔

(۱۱) دوسرے لوگوں کے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے خویش واقارب کی خبر گیری بھی ضروری ہے۔ (وَاْتُوْنِیْ بِاَھْلِکُمْ)

(۱۲) مسکن کی تبدیلی اور ہجرت کے بہت زیادہ فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے اس سے غم انگیز یادیں ختم ہوجاتی ہیں (وَاْتُوْنِیْ بِاَھْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ)

(۱۳) افراد خانہ اور رشتہ داروں کو حتی الامکان ایک دوسرے کے قریب قریب زندگی بسر کرنا چاہیئے (وَاْتُوْنِیْ بِاَھْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ)

(۱۴) جناب یوسف کی جرات وجوانمردی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بھائیوں نے انہیں برداشت نہ کرتے ہوئے کنویں میں ڈال دیا تھا۔ لیکن جناب یوسف نے اپنے تمام برادران اور خاندان کو اپنے ہاں بلالیا تھا (وَاْتُوْنِیْ بِاَھْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ)

(۱۵) خویش واقارب جتنے بھی خطا کار ہوں ان میں سے رابطہ منقطع نہیں کرنا چاہیئے (و اتونی باھلیکم اجمعین)

(۱۶) جو لوگ جدائی کے دکھ جھیل چکے ہیں ان کی فلاح اور سہولت کے اسباب فراہم کرنے چاہئیں (اجمعین) اب جناب یعقوب میں تاب وفرقت باقی نہیں رہی تھی۔

(۱۷) بہترین شفقت ومہربانی وہ ہوتی ہے جو سب کے شامل ہو (اجمعین)

آیت نمبر 94

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْھُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

اور جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو تو یقیناً مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

نکات

(الف) ''فَصَلَتِ'' کا معنیٰ ہے ''جدا ہوا'' اور ''فَصَلَتِ الْعِیْر'' کے معنی ہیں ''کاروان مصر سے جدا ہوا'' اور فاصلے پر پہنچ گیا۔ ''تُفَنِّدُوْنِ'' کی اصل ''فند'' ہے جس کا معنی ہے عقل کی ناتوانی اور بے وقوفی۔ (صواعق المحرقہ)

(ب) حضرت یعقوبؑ کو اس بات کا خوف تھا کہ ان کی مجلس والے لوگ ان کی طرف کم عقلی کی نسبت دیں گے اس لیئے انہوں نے

فرمایا(لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ) لیکن اس واقعہ سے بڑھ کر وہ واقعہ ہے کہ حضرت رسولؐ کی طبیعت ناساز ہوئی تھی اور آپ کا وقت رحلت قریب تھا تو آپ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا تھا کہ کاغذ اور قلم لے آؤ تا کہ میں تمہیں ایسی تحریر لکھ کر دوں کہ جس پر تم عمل کر کے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے تو اس مجلس میں موجود ایک شخص نے کہا تھا ''اِنَّ الرَّجُلَ لَیَھْجُرَ'' یعنی یہ آدمی (رسول اللہؐ) ہذیان کہہ رہا ہے یہ کہہ کر تحریر کا موضوع ضائع کر دیا۔

(ج) سوال: صرف حضرت یعقوبؑ نے جناب یوسفؑ کی خوشبو کیسے محسوس کر لی تھی؟

جواب: اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں انبیاء علیہم السلام جس طرح وحی کا ادراک کرتے تھے اس طرح حضرت یعقوبؑ نے یوسفؑ کی خوشبو کو محسوس کیا تھا۔ لیکن ہم ان امور کا ادراک نہیں کر سکتے لیکن وہ کر لیتے ہیں۔ جب مدینہ کے اردگرد خندق کھودی جا رہی تھی اس دوران رسول اللہؐ نے خندق کھودنے کے لیئے کدال زمین پر ماری تو پتھر سے برقی چنگاریاں اٹھیں تو رسول اللہؐ نے فرمایا ''میں ان چنگاریوں کی روشنی میں ملک روم اور ایران کی حکومتوں کو سقوط کرتے دیکھا ہے'' لیکن کچھ کمزور ایمان لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا۔ ''پیغمبرؐ خوف کی وجہ سے مدینہ کے گرد خندق کھود رہا ہے لیکن کدال کے زمین پر پڑنے کو کہتا ہے کہ میں ایک طاغوت اور اس کی حکومت کے سقوط کو دیکھ رہا ہوں''

(د) آیت اللہ الخوئی نے نہج البلاغہ کی شرح میں لکھا ہے ''امام کے لیئے نور کا ایک عمود ہوتا ہے جب خدا کا ارادہ ہوتا ہے تو امام اس میں نگاہ کرتا ہے تو انہیں آنے والے واقعات نظر آجاتے ہیں۔ اور کبھی ان کے احوال عام افراد کی طرح ہوتے ہیں۔

میں نے جناب یعقوب سے پوچھا۔ آپ نے ملک مصر اتنے دور فاصلے سے جناب یوسف کی خوشبو محسوس کر لی تھی لیکن چاہ کنعان تو بہت قریب تھا وہاں اپنے یوسف کو نہ دیکھ سکے تھے۔ تو آپ نے جواب میں کہا ''ہمارے حالات برق آسمانی کے مانند ہیں کہیں چمکتی ہے اور کہیں نظر نہیں آتی کبھی میں آسمان پر ہوں وہاں کے مناظر دیکھتا ہوں اور کبھی میرا ایسا حال ہوتا ہے کہ اپنے پاؤں کی پشت کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔

(ذ) یہ بھی تو ممکن ہے کہ ''یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے مراد جناب یوسف کی نئی اور تازہ خبر ہو۔ اس جدید دور میں یہ مسئلہ دنیائے سائنس میں ٹیلی پیتھی کے نام سے معروف ہے جس کا مطلب ہے دور دراز کے مقامات سے افکار کا منتقل کرنا اس دور میں یہ ایک علمی مسئلہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ یعنی جن لوگوں کا باہمی نزدیکی تعلق ہے۔ یا جن لوگوں کے اندر خصوصی روحانی طاقت پائی جاتی ہے جونہی کوئی واقعہ دنیا کے کسی خطے میں پیدا ہوتا ہے انہیں اس کا علم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے امام محمد باقرؑ سے سوال کیا بعض اوقات میرے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ میرا دل سخت پریشان ہو جاتا ہے اور میری یہ حالت ہو جاتی ہے کہ میرے آس پاس بیٹھنے والے لوگ میری اس حالت سے واقف ہو جاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ امامؑ نے فرمایا تمام اہل اسلام خلقت کے لحاظ سے ایک طینت اور حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ جب کوئی حادثہ دنیا میں کسی دوسرے گوشے میں کسی مسلمان کو پیش آتا ہے تو دوسرا مسلمان اسے روک لیتا ہے حالانکہ اس کے بعد اس کے درمیان دور دراز کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اس لیئے یہ پریشان ہو جاتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

(ر) اگر حضرت یوسفؑ کی خوشبو جناب یعقوبؑ نے اپنی قوت شامہ سے محسوس کی تھی تو یہ خارق العادت امر ہے اور یہی معجزہ ہے کیونکہ حضرتؑ نے خوشبوئے یوسفؑ کو بہت دور سے محسوس کیا تھا۔ عراق کی ایران پر مسلط جنگ کے دوران ایرانی عوام امام خمینیؒ کے حکم پر مغربی اور جنوبی محازوں پر جمع تھے ''مسلم بن عقیلؑ نامی کاروائی جاری تھی بندہ بھی اس کاروائی میں موجود تھا اس جگہ پر آیت اللہ اشرفی اصفہانی بھی تشریف فرما تھے اس وقت ان کی عمر نوے سال تھی انھوں نے حملے کی رات مجھے فرمایا'' مجھے بہشت کی خوشبو آرہی ہے'' لیکن میں نے جس قدر محسوس کرنے کی کوشش کی مجھے وہ خوشبو محسوس نہ ہوئی۔

جی ہاں! جس شخص کے پاس نوے سال کا علم ہو زہد و تقویٰ ہو تہجد کی نمازیں ہوں اس کے اندر اس قدر طاقت پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو محسوس کر لے اور دوسروں کو اس خوشبو کا احساس تک بھی نہ ہو انہوں نے اپنے بارے میں پیشن گوئی فرمائی تھی کہ محراب میں جو موجود تھا آدمی شہید ہوگا وہ میں ہوں گا اور ایسا ہی ہوا۔

ممکن ہے جنت کی خوشبو سے مراد ایک عرفانی خوشبو ہو جس طرح کہ مناجات کی مٹھاس کا ذائقہ معنوی ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے اس خوشبو سے مراد طبعی اور اصلی خوشبو ہو لیکن ہر سونگھنے والا اس کا اہل نہیں جس طرح ریڈیائی لہریں فضاؤں میں گردش کر رہی ہوتی ہیں لیکن ہر ریڈیو ان تمام لہروں کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا۔

پیام

(۱) اگر باطن صاف ہو تو انسان معنوی حقائق کا ادراک کر سکتا ہے۔ لیکن حقائق کا ادراک محدود ہوتا ہے اس طرح نہیں ہے کہ انہیں ہر فرد ہر زمان میں ہر ایک پالے۔ حضرت یعقوبؑ نے قمیص یوسفؑ کی خوشبو اس وقت محسوس فرمائی تھی جب قمیص مصر سے کنعان کی طرف چل چکی تھی۔ (فَصَلَتِ الْعِيْرُ)

(۲) اگر ہمارے اندر حقائق کے ادراک کی قوت نہیں ہے تو دوسروں کے ادراک کا انکار نہ کریں۔ (لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ)

(۳) جاہلوں کے درمیان علماء کی زندگی تکلیف دہ اور پر کٹھن ہوتی ہے۔ (لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ)

آیت نمبر 95

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

لوگوں نے کہا خدا کی قسم! آپ اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔

نکات

اس سورۃ کی آٹھویں آیت میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ برادران یوسفؑ نے اپنے والد کے حق میں کہا تھا (اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ) ہمارے والد یوسفؑ اور ان کے بھائی سے بلا وجہ بہت زیادہ محبت کرنے میں کھلم کھلا گمراہی میں ہیں۔ یہاں اس آیت میں انہوں نے کہا ( ) یعنی ابھی تک آپ اپنی گزشتہ خطاء پر قائم ہیں۔

(ب) عوام کو حق حاصل نہیں ہے کہ اولیاء اللہ کو اپنے اوپر قیاس کریں اور یہ فیصلہ کریں یہ بات ہوسکتی ہے یا نہیں ہوسکتی حضرت علیؑ کا فرمان ہے (اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوْا) (نہج البلاغہ حکمت ۱۷۲) لوگ جس سے خود جاہل ہوتے ہیں وہ ان کے دشمن ہوتے ہیں۔ جو اس چیز کو جاننے والے ہوتے ہیں۔

پیام

(۱) حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ نے کسی عجیب بات پر کبھی کوئی قسم نہ اٹھائی لیکن برادرانِ یوسفؑ نے مختلف اوقات میں کئی دفعہ قسمیں اٹھائیں۔ آیت نمبر ۷۳، ۸۵، ۹۱، ۹۵ میں برادران یوسف کی قسموں کا ذکر موجود ہے۔ جی ہاں! انبیاء علیہم السلام حتی المقدور قسمیں کھانے سے گریز کرتے ہیں۔ (قَالُوْا تَاللّٰهِ)

(۲) نیک وصالح لوگوں کے کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے (اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ) اپنے باپ کی طرف گمراہی کی نسبت دینے کا سبب اپنی ذات پر قیاس کرنے کی وجہ سے تھا۔

(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کی جدائی کے عرصے میں ان کی زندگی سے پُرامید تھے اور اپنے ساتھ بیٹھنے والوں میں اس بات کا اظہار فرماتے تھے۔ (اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ)

آیت نمبر 96

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

تو جب خوش خبری دینے والا آیا تو اُس نے (یوسف کا کرتہ) (یعقوب) کے چہرے پر ڈال دیا تو ان کی آنکھیں فوراً روشن ہوگئیں۔ انہوں نے کہا کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟

نکات

(الف) اگر (وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ) (ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں) سے مراد بینائی کم ہو "تو پھر" (بَصِيْرًا) کے معنی ہوں گے (ان کی آنکھیں پُرنور ہوگئیں) جو اس امر کی دلیل ہے کہ حزن وخوشی انسانی نگاہ اور قوت باصرہ میں اثر انداز ہوتے ہیں جی ہاں! اگر اس سے مراد مطلق نابینائی ہے جیسا کہ (فَارْتَدَّ بَصِيْرًا) کے کلمات سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر یہ ایک معجزہ اور توسل ہوگا جس کی تائید قرآن کریم فرماتا ہے۔

(ب) یہ دنیا کتنے انقلابات رکھتی ہے اس کے اندر کتنے نشیب وفراز ہیں ایک وُہ بھی دن تھا کہ برادران یوسفؑ جناب یوسفؑ کی بھیڑیے کے کھا جانے کی خبر لائے تھے آج یہ بھی دن ہے وہی برادران یوسفؑ ہیں جو ان کی حکومت کی خبر لائے ہیں۔

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام کے علم کا سرچشمہ علم الٰہی ہے۔(اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ...)

(۲) پیغمبران خداوندی اللہ کے وعدوں پر یقین محکم رکھتے ہیں۔(اَلَمْ اَقُلْ...)

(۳) حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں کے برعکس جناب یوسفؑ کی زندگی اور جدائی کے خاتمے کا یقین تھا۔(اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ...)

(۴) نالائق اولاد اپنے والد کی نابینائی اور لائق اولاد اپنے والد کی بینائی کا سبب ہوتی ہے۔(وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ...فَارْتَدَّ)

(۵) ارادہ الٰہی قوانین فطرت پر حکومت رکھتا ہے۔(فَارْتَدَّ بَصِيْرًا)

(۶) اولیاء اللہ کا لباس اور دوسرے تبرکات اپنے اندر بے پناہ اثر رکھتے ہیں(فَارْتَدَّ بَصِيْرًا)

(۷) بعض اوقات کچھ امور جو بظاہر ناپسندیدہ ہوتے ہیں لیکن ان کے اندر اچھائیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔مصر کا قحط بظاہر ایک بہت بڑی مصیبت تھی۔لیکن یہی قحط جناب یوسفؑ کی آزادی و بے گناہی و حاکمیت و وصال پدر اور قحط کے کنٹرول بننے کا سبب بنا(اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)

آیت نمبر 97

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾

(بیٹوں) نے کہا!اے ہمارے ابا جان! ہمارے گناہوں کی معافی کے لیئے سفارش کیجیئے۔یقینا ہم خطاوار تھے۔

آیت نمبر 98

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

(یعقوب) نے کہا!میں تمہارے لیئے پروردگار سے بخشش کی التجا کروں گا یقیناوہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

نکات

(الف) حضرت یعقوبؑ کے بیٹے موحّد تھے اور اپنے والد کے اعلیٰ مقام کو بھی جانتے تھے (يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا) انھوں نے ''جس ضلال'' گمراہی سے اپنے والد کو منسوب کیا تھا وہ عقیدے کی گمراہی نہ تھی بلکہ اس ''گمراہی'' سے مراد حضرت یعقوبؑ کی جناب یوسفؑ سے محبت اور تعلق تشخیص میں گمراہی تھی۔

(ب) ظالم کے صرف تین روز ہیں ''روز طاقت وقدرت'' وروز مہلت اور رُوزِ ندامت'' مظلوم کے بھی تین روز ہیں ''ایک وہ

روز حسرت جس روز اس پر ظلم ہوا۔ دوسرا روز حیرت کہ ظالم کے خلاف کیا تدبیر کرے۔ تیسرا روز نصرت اس دنیا میں یا آخرت میں''

(ج) جن لوگوں نے مشکوک شبہات میں اپنے والد سے کہا تھا (انا ابانا لفی ضلال مبین) جب مشکوک وشبہات کے پردے ہٹے تو کہہ رہ ہے (اِنَّا کُنَّا خٰطِـِٕیْنَ) (د) تفسیر مجمع البیان اور اطیب البیان میں نقل ہے کہ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں کی مغفرت کی دعا کے لیئے شب جمعہ یا وقت سحر کا انتظار کیا۔

پیام

(۱) ظلم سراپا ذلت ہے جب برادران نے یوسفؑ کو کنویں میں ڈالا تھا تو ان کے لیئے وہ خوشی ومسرت اور غلبے کا دن تھا اور جناب یوسفؑ کے لیئے مغلوبیت کا دن تھا۔ اور آج کا دن جناب یوسفؑ کے لیئے غلبے کا دن تھا۔

(۲) گناہوں کی مغفرت کے لیئے اولیاء اللہ سے توسل جائز ہے (یٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا)

(۳) والد کی دعا میں قبولیت کا خاص اثر ہوتا ہے (یٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا)

(۴) توبہ کے لیئے دیر نہیں کرنا چاہیئے (اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا)

(۵) جرم وخطاؤں کا اعتراف بخشش کا ذریعہ ہے (اِنَّا کُنَّا خٰطِـِٕیْنَ)

(۶) دعا کی قبولیت میں ساعات کا دخل ہے (قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ)

(۷) والد کی دعا اولاد کے حق میں خاص اثر رکھتی ہے (سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ)

(۸) والد کو کینہ ور نہیں ہونا چاہیئے اولاد کی خطاؤں کو دل میں نہیں رکھنا چاہیئے (اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ)

(۹) اقرارِ جرم کے وقت مجرم کو لعن طعن نہ کی جائے (انا کنا خاطئین) جب بیٹوں نے کہا ہم خطا کار ہیں تو فوراً باپ نے کہا (سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ)

(۱۰) گناہ گار کو مغفرت خداوندی کی امید دلائیں (قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ)

(۱۱) اولیاء اللہ سے توسل کرنے کے بعد استجابت دعا پر صبر کریں (سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ)

(۱۲) حضرت یعقوبؑ نے اپنے حقوق تو معاف کر دیئے اور حقوق الٰہی کے لیئے اپنے فرزندوں سے دعا کا وعدہ فرمایا (سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ)

(۱۳) خداوند تعالیٰ کا لطف وکرم بڑے سے بڑے گناہوں اور بڑے سے بڑے خطا کاروں کے شامل حال ہو جاتا ہے (ھو الغفور الرحیم) حالانکہ ان لوگوں کے سبب کئی سال تک دونبی دکھی اور پریشان حال رہے پھر بھی اس کی کریم ذات سے بخشش ومغفرت کے امیدوار ہیں۔

آیت نمبر 99

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

تو جب وہ سب جناب یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے ساتھ بٹھایا اللہ نے چاہا تو اطمینان کے ساتھ مصر میں داخل ہو جایئے۔

نکات

(الف) میں نہیں جانتا کہ داستان کے اس ھیجان انگیز منظر کو کس طرح اور کس انداز میں ادا کروں! جناب یوسفؑ اپنے والدین کے استقبال کے لیئے شہر سے باہر شاھی خیمہ لگایا ہوا تھا اور آپ ان کے احترام میں کھڑے ہوئے تھے تا کہ جب وہ تشریف لائیں تو انہیں عزت واحترام کے ساتھ شہر میں لے چلیں (فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ ... ادْخُلُوْا مِصْرَ) یہ تو ایک فطری امر ہے کہ جب جناب یوسفؑ کے والدین اور برادران سفر کی تیاری کر رہے تھے تو کنعان کی فضاؤں کا منظر ہی عجیب تھا۔ اہل کنعان دیکھ رہے تھے کہ کئی سالوں کے بعد جناب یوسفؑ کی سلامتی کی خوشخبری ملی ہے جناب یعقوبؑ کی بینائی واپس آئی ہے اب جناب یعقوبؑ شوق ومحبت کی کیفیات کے ساتھ اپنے بیٹے سے ملنے کے لیئے کس طرح بیتاب ہیں اور کس بے تابی کے ساتھ تیاری کر رہے ہیں۔ صرف خاندان یعقوبؑ کے گھر میں خوشیاں نہیں منائی جارہی تھیں بلکہ اہل شہر بھی خوشیاں منا رہے تھے خصوصاً انہیں اس بات کی زیادہ خوشی تھی کہ جناب یوسفؑ مصر کے خزانوں کے مالک اور وہاں کے حاکم بن چکے ہیں۔ اور زمانہ قحط سالی میں وہ ان کی مدد کر چکے تھے۔ کس طرح ان ہیجانی لمحات کی تصویر کشی کی جائے جہاں ہر طرف شوق عشق ومحبت اور تمناؤں نے کائنات میں قوس وقزح کے رنگ بکھیر دیئے ہوں۔!!

(ب) (ابویہ) (اس کے والدین) کا کلمہ بتاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی والدہ بھی زندہ تھیں لیکن جس سوال کا جواب مجھے اب تک نہیں مل سکا وہ یہ ہے کہ اس پوری طویل داستان میں ان کے سوز وگداز اور گریہ ونالہ کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس موضوع پر سکوت کے پردے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟

(ج) بعض روایات میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو قسم دی اور بہت زیادہ اصرار کیا کہ وہ اپنی درد بھری آپ بیتی بیان کریں جناب یوسفؑ نے اپنی داستان کا آغاز اس طریقے سے سے کیا آپ نے فرمایا ''میرے بھائی مجھے کنویں کے کنارے پر لے گئے اور جھڑکیں دے کر میرا کُرتا اُتارا'' اتنا سن کر جناب یعقوبؑ غش کھا کر بے ہوش ہو گئے۔ جب غش سے آفاقہ ہوا تو داستان کے دوبارہ جاری رکھنے کی فرمائش کی لیکن جناب یوسفؑ نے عرض کیا ''اے بابا جان'' آپ کو جناب ابراہیمؑ واسماعیلؑ اور اسحاقؑ علیھم السلام کے حق کی قسم مجھے داستان کے بیان کرنے سے معاف فرمائیں'' یہ سن کر جناب یعقوبؑ نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا (تفسیر نمونہ ومجمع البیان)

پیام

(ا) شہر سے باہر استقبال کرنا شاندار کام ہے (فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ) شہر سے باہر جناب یعقوبؑ کے مراسم بجالائے گئے

اور جناب یوسفؑ وہاں خیمہ زن تھے۔

(۲) عہدہ ومنصب ہمیں والدین کے احترام سے غافل نہ کردے (وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ)

(۳) اگر کسی ملک کا سربراہ بھی اپنے ملک کے امن وامان کی بات کرے تو اسے بھی خداوند تعالیٰ کے لطف وکرم کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ (اِنْ شَآءَ اللّٰہ) جب تک خدا نہ چاہے امن قائم نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ایک امت نے پہاڑ کے پتھروں سے اپنے گھر بنائے تاکہ وہ ہمیشہ محفوظ رہ جائیں لیکن قہر خداوندی نے انہیں آناً فاناً تباہ وبرباد کرکے رکھ دیا (وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾) (حجر ۸۲۔۸۳)

(۴) رہائش وسکونت کے لیئے اس جگہ کا انتخاب کیا جائے جہاں امن وامان کا رفرما ہو (اٰمِنِيْنَ)

(۵) جہاں یوسفؑ جیسے حکمران صاحب اقتدار ہوں تو وہاں امن وامان خود بخود قائم ہوجاتا ہے۔ (اٰمِنِيْنَ)

آیت نمبر 100

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب سجدہ میں گر گئے اور انہوں نے کہا اے بابا یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ جسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا ہے اور اس نے مجھ پر احسان کیا اس نے مجھے زندان سے نکالا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالا آپ کو بیابان سے یہاں لے آیا یقیناً میرا رب جو چاہتا ہے اسے اپنی تدبیر سے انجام دیتا ہے یقیناً وہی دانا اور حکمت والا ہے۔

نکات

(الف) ''عرش'' اس تخت کو کہا جاتا ہے جہاں بادشاہ بیٹھتا ہے۔ (خَرُّوْا) کا معنی ہے زمین پر گرنا (بَدْو) کا معنی ہے ''بیابان وصحرا'' (نزغ) کا معنی ہے فساد کی غرض سے کسی کام میں مداخلت کرنا۔

(ب) (لطیف) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کا معنی ہے اس کی قدرت کاملہ پیچیدہ سے پیچیدہ امور میں اندر تک نفوذ رکھتی ہے۔ اس آیت میں یہ اسم اس مناسبت سے استعمال ہوا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی زندگی میں پیچیدہ ترین گرھیں تھیں۔ جن کو کھولنے کے لیئے صرف قدرت خداوندی ہی کام تھا۔ جس نے اس میں نفوذ کیا اور انہیں کھول دیا۔

(ج) جناب یوسفؑ کعبہ کی مثل ہو گئے ان کے والدین اور برادران نے ان کی طرف منہ کر کے ان کی عظمت اور کرامت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا سجدہ کیا (خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا) اگر یہ سجدہ غیر اللہ کے لیئے ہوتا اور شرک ہوتا تو حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ جو اللہ کے نبی تھے قطعاً اس برائی کو برداشت نہ کرتے یہ سجدہ تعظیمی تھا عبادت کے لیئے نہ تھا اس لیئے یہاں کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

پیام

(۱) آپ جس مقام و منصب پر فائز ہوں اپنے والدین کو اپنے سے اعلیٰ و برتر سمجھیں۔ (رَفَعَ اَبَوَيْهِ) جس نے رنج و غم زیادہ اٹھا رکھے ہوں اس کی عزت و عظمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) انبیاء کرام بھی تخت نشین ہوئے ہیں (عَلَى الْعَرْشِ)

(۳) حکمرانوں کے حقوق کا احترام لازمی ہے ان کے آگے تواضع سب پر ضروری ہے (خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا)

(۴) جب والدین اور برادران نے جناب یوسفؑ کا سجدہ کیا تو یہ ان کے خواب کی تعبیر تھی۔ (رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ... خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا)

(۵) خداوند تعالیٰ کی ذات صاحبِ حکمت و دانش ہے وہ کبھی دعا کی قبولیت اور خواب کی تعبیر ایک عرصہ بعید کے بعد عطا فرماتا ہے۔ (هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ)

(۶) منصوبوں کو حقیقت کا جامہ پہنانا کارِ خداوندی ہے۔ (قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا) جی ہاں! یہ مقام فکر ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنی استقامت اور صبر کی بات نہیں کرتے بلکہ تمام امور کی نسبت خدا کی طرف دیتے ہیں۔

(۷) اولیاء اللہ کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ (جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا)

(۸) واسطوں اور اسباب کے میسر آجانے کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف دینا چاہیئے جناب یوسفؑ کی زندگی میں انھیں اس مقام حکومت و عزت تک پہنچانے میں بہت سے اسباب و علل کا ہاتھ ہے لیکن وُہ فرماتے ہیں (وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ)

(۹) جب مصائب کے طوفان تھم جائیں اور مسرت و قدرت حاصل ہو جائے تو اقارب کی پہلی ملاقات میں ماضی کی تلخیوں کا ذکر نہ کیا جائے (اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ) جناب یوسفؑ نے جب اپنے والد سے پہلی ملاقات کی تو زبان پر شکر خدا تھا آپ نے حالات کی تلخی کا ذکر نہ کیا۔

(۱۰) ہمیں جوانمردی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے اور مہمان کے دل کو رنجیدہ نہیں کرنا چاہیئے آیت کریمہ میں ہے حضرت یوسفؑ نے زندان سے رہائی کی بات کی لیکن کنویں سے نجات کا تذکرہ نہ کیا کہ کہیں برادران شرمندہ نہ ہوں۔ (اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ)

(۱۱) ہمیشہ تحمل و بردباری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے بغض و انتقام سے بچنا چاہیئے جناب یوسفؑ فرماتے ہیں (نَزَغَ الشَّيْطٰنُ) شیطان نے وسوسہ ڈالا ورنہ برادران اتنے بُرے نہ تھے۔

(۱۲) اولیاء اللہ زندان کے دخول اور خروج کو اللہ کی توحید اور اس کی ربوبیت کی مرضی پر محمول کرتے ہیں (رب السجن احب)

کے کلمات جناب یوسفؑ کی زبان پر تھے جب آپ زندان سے باہر آئے تو فرمایا (اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ)

(۱۳) ہر سختی کے بعد آسانی ہے (اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ)

(۱۴) بادیہ نشینی میعاد نہیں ضرورت ہے (وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ ۔۔۔۔ جَآءَ بِکُمْ)

(۱۵) والدین کی زندگی اپنی اولاد کے قرب میں بسر ہو رہی ہو تو یہ ایک بہت عظیم لطف پروردگار ہے۔ (وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ ۔۔۔۔ جَآءَ بِکُمْ)

(۱۶) حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصر تہذیب و تمدن کا مرکز تھا لیکن کنعان دیہی آبادی پر مشتمل تھا (جَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ)

(۱۷) اچھی زندگی اور ترقی کے لیئے سفر کرنا چاہیئے (جَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ)

(۱۸) ایک خالص و مخلص انسان تمام امور کا مرکز خداوند تعالیٰ کی ذات کو سمجھتا ہے۔ حوادث و مصائب کا خدا کے حضور شکوہ و شکایت نہیں کرتا اس آیت میں یہ کلمات (جَعَلَهَا رَبِّیْ۔ اَحْسَنَ بِیْٓ ۔ اَخْرَجَنِیْ ۔ وَجَآءَ بِکُمْ) اپنے رب کی مہربانیوں کے ذکر پر مشتمل ہیں۔

(۱۹) برادران اور خاندان کے دوسرے افراد کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شیطان ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوششوں میں ہمیشہ لگا رہتا ہے۔ (مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ)

(۲۰) اپنے آپ کو دوسروں پر برتر خیال نہ کرو (بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ) جناب یوسفؑ نے فرمایا کہ شیطان نے برادران کو فریب دیا بلکہ آپ نے فرمایا شیطان نے میرے اور ان کے درمیان پھوٹ ڈالی آپ نے اپنے آپ کو ایک فریق قرار دیا۔

(۲۱) جس طرح حضرت یعقوبؑ داستان کے آغاز میں آپ کے بچپن میں فرمایا تھا (اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ) جناب یوسفؑ نے بھی وہی انداز اپنایا (مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ)

(۲۲) خداوند تعالیٰ کے تمام کام لطف و کرم اور اس کی مہربانیوں کے ساتھ ہوتے ہیں (اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ)

(۲۳) تمام تلخ و شیریں حوادث و واقعات خداوند تعالیٰ کے علم و حکمت کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ (الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ)

(۲۴) معاف کر دینے کے بعد کسی کو شرمندہ نہ کیجئے جب جناب یوسفؑ نے اپنے برادران کو معاف کر دیا تو داستان کو نقل کرتے وقت کنویں کا نام نہ لیا تا کہ بھائی شرمسار نہ ہوں۔

(۲۵) حضرت یعقوبؑ نے داستان کے آغاز میں جناب یوسفؑ سے فرمایا تھا۔ (اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ) داستان کے خاتمے پر حضرت یوسفؑ نے فرمایا (اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ) یہ دونوں موارد قابل توجہ ہیں۔

آیت نمبر 101

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

اے میرے رب تو نے مجھے ایک طرح کی حکومت دی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا پروردگار ہے مجھے دنیا سے مسلمان اٹھا اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔

نکات

(الف) اولیاء اللہ جب اپنی عزت وعظمت اور دولت وقدرت کی طرف مخاطب ہو کر کہتے ہیں خداوندا یہ سب کچھ جو میرے پاس ہے تیری عطا ہے حضرت یوسفؑ نے بھی ایسا ہی کیا اپنے والد سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے کلام کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیا۔ خداوند تعالیٰ نے حکومت مصر دو آدمیوں کو عطا کی ان دو میں سے ایک فرعون تھا جس نے اپنی حکومت کی نسبت اپنی طرف دی (الیس لی ملك مصر) دوسرے حضرت یوسفؑ تھے آپ نے اپنے ملک وحکومت کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف دی (اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ)

(ب) حضرت ابراہیمؑ کی فکر ان کی اولاد میں جلوہ گر ہوتی نظر آتی ہے انہوں نے فرمایا تھا (اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) (بقرہ ۱۳۱) میں نے عالمین کے پروردگار کو تسلیم کیا ہے۔ ان کے بعد ان کے پوتے حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا (فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ) (البقرہ:۱۳۲)

''اس دنیا سے جب بھی رخصت ہونا ایمان کی دولت کے ساتھ رخصت ہونا'' (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا) اور اس مقام پر حضرت یعقوبؑ کے فرزند حضرت یوسفؑ بارگاہ خداوندی میں اس کی تسلیم ورضا میں اپنی موت کے خواہش مند ہیں اور اپنے رب کی بارگاہ میں دعا مانگتے ہیں (رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ) حضرت ابراہیمؑ صالحین میں سے تھے ارشاد خداوندی ہے (اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ) (بقرہ ۱۳۰) اور جناب یوسفؑ کی درخواست بھی یہی ہے کہ مجھے ان کے ساتھ ملحق فرمانا (اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ)

(ج) جناب یوسف کی خداوند تعالیٰ نے ہر موڑ ومنزل پر محافظت فرمائی انہیں علم کی دولت سے مالا مال فرمایا انہیں قدرت وحکومت عطا فرمائی ہر قسم کے خطرات ان سے دور فرمائے پھر بھی وہ اپنی عاقبت وآخرت کے لحاظ سے پریشان نظر آتے ہیں۔ افسوس صد افسوس ان لوگوں پر جو سلطنت وحکومت، کرسی ومال، علم ودانش مختلف حیلوں سے حاصل کرتے ہیں خدا جانے ان کا انجام کیا ہوگا۔

(د) خداوند تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اسماء کے علم کی تعلیم دی (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ) (بقرہ ۳۱) حضرت داؤدؑ کو زرہ سازی کا علم عطا فرمایا (وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ) (انبیاء ۸۰) حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیوں کا علم دیا (عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ) (نمل ۱۶) حضرت یوسفؑ کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا (عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ) اور پیغمبر اکرمؐ کو اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا۔

پیام

(۱) ملک وسلطنت کی عطا کارہائے خداوندی میں سے ہے (رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ)

(۲) ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حکومت ہمیں اپنی فکر یا مال وقدرت یا اپنی منصوبہ بندی سے حاصل ہوئی ہے درحقیقت اس کا اصل

عامل ارادہ خداوندی ہے (اٰتَیۡتَنِیۡ)

(۳) خداوند تعالیٰ جو کچھ ہمیں عطا فرماتا ہے یا واپس کر لیتا ہے یہ سب کچھ ہماری تربیت کے لیئے ہوتا ہے (رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ ... رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ)

(۴) حکومت درحقیقت صاحبان علم ودانش کا حق ہے نہ کہ جاہل لوگوں کا (اٰتَیۡتَنِیۡ ... عَلَّمۡتَنِیۡ) حضرت یوسفؑ کا علم ودانش ان کی حکومت کا وسیلہ بنا۔

(۵) ہر جگہ اور ہر حالت میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دینا چاہیے۔ (اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ)

(۶) قدرت وحکومت اور سیاست ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسان دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ مگر وہ جس کے لطف خداوندی شامل حال ہو وہ دین کے ساتھ رہتا ہے (تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا) جناب یوسفؑ نے کنویں میں بھی یہ دعا مانگی زندان میں بھی دعا مانگی لیکن جب آپ کو اقتدار ملا تو آپ نے فوراً دعا مانگی خدایا مجھے مسلمان بنا کر اس دنیا سے اٹھانا۔

(۷) بندگان خدا اوج عزت وطاقت وقدرت کے زمانے میں موت قیامت اور اپنے انجام کی فکر میں ہوتے ہیں (تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ) اس طرح زوجہ فرعون، فرعون کے محل میں اپنی آخرت وعاقبت کی فکر میں تھی (رَبِّ ابۡنِ لِیۡ عِنۡدَکَ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّۃِ) اے میرے پروردگار! جنت میں اپنے پاس میرا گھر بنا دے۔ (تحریم ۱۱)

(۸) خداوند تعالیٰ کی عزت وعظمت صرف اس لیئے نہیں ہے کہ اس نے ہمیں اپنی نعمات سے مستفید کیا ہے بلکہ وہ کل کائنات کا خالق ہے (فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ)

(۹) جناب یوسفؑ کا اعزاز وافتخار اس بات میں نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر حکمران ہیں بلکہ ان کا اعزاز یہ ہے کہ اللہ ان پر حاکم ہے (اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ)

(۱۰) کار خیر میں انجام بخیر ہونے اور اس کی پائیداری کو اہمیت حاصل ہے نہ کہ اس کے آغاز کو اہمیت حاصل ہے انبیاء علیہم السلام اپنے انجام خیر کی دعا فرماتے رہے۔ (تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا) جب میں اس دنیا سے رخصت ہونے لگوں تو تجھے تسلیم کر کے مروں۔ (تفسیر المیزان)

(۱۱) دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی نعمات کو یاد کیا جائے (رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ) بعد ازیں اپنی حوائج بیان کرنا چاہیئے (تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا)

(۱۲) جب تمہیں حکومت وقدرت حاصل ہو جائے تو خداوند تعالیٰ کی مناجات سے غافل نہ ہو جایئے (رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ ..)

(۱۳) صحیح وعادلانہ حکومت کے لیئے علم ودانش کو اہمیت حاصل ہے (رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ ..)

(۱۴) بارگاہ خداوندی میں دعاؤں اور مناجات میں صرف دنیا کے مسائل کی بات نہ ہو (اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡکِ وَعَلَّمۡتَنِیۡ)

(۱۵) حضرت یوسفؑ ہیجان انگیز لمحات میں بھی اپنے خدا کی طرف متوجہ تھے اور اس کی بارگاہ میں محو مناجات تھے۔ (فِی الدُّنۡیَا

وَالْاٰخِرَةِ)

(۱۶) انسانی اقتدار کی کوئی حیثیت نہیں (مِنَ الْمُلْكِ) انسانی علم بھی محدود ہے (مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ) لیکن خداوند تعالیٰ کی حکومت پوری کائنات پر ہے (رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ ۔۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ)

(۱۷) خداوند تعالیٰ زمین و آسمان کا خالق ہے وہ اپنے بندے کو ہر قسم کی بلاؤں اور مصائب سے نجات دلا سکتا ہے اور اسے بلند ترین درجات پر پہنچا سکتا ہے۔ (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا) (تفسیر المیزان)

(۱۸) اپنے ایمان و اسلام پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے اپنے ایمان کی آخر تک حفاظت کیجیئے (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا)

(۱۹) ایمان کا آخری درجہ ہے کہ انسان اپنے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر لے۔ (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا)

(۲۰) سب سے بہترین نعمت عاقبت بالخیر ہے جو خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا)

(۲۱) کوئی حکومت تا ابد نہیں ہے (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا)

(۲۲) نیک و صالح لوگوں کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوں اور صالحین کے ساتھ ملحق ہوں (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ)

(۲۳) نیک و صالح انسان حکومت اس لیئے چاہتے ہیں کہ وہ خدمت خلق کریں اور معاشرے کی اصلاح کریں۔ (وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ)

(۲۴) آخرت میں صالحین اعلیٰ ارفع مقام پر فائز ہوں گے (اس لیئے جناب یوسفؑ نے ان سے ملحق ہونے کی دعا مانگی) (وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ)

حضرت یوسفؑ کی خصوصیات یا ایک کامیاب رہنما کی خصوصیات:

داستان یوسفؑ کے آخر میں ان کی سیرت کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے

(۱) سخت ترین حالات اور مصائب و مشکلات میں بھی خدا کی طرف مکمل توجہ (رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ ۔۔) خوشی و مسرت کے لمحات میں بھی اس کی ذات کی طرف مکمل توجہ (رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ)

(۲) انحرافی گروہوں اور ان کی گمراہ کن پالیسیوں سے روگردانی (اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ)

(۳) سابقہ الٰہی رہبروں کے اصولوں کی پیروی (وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ ۔۔ وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ)

(۴) زندگی کے آخری سانس تک رضائے پروردگار کی راہوں پر برقرار رہنے کا پختہ عزم (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا)

(۵) رقیبوں اور حاسدین کے مقابلے میں وقار و عظمت کا مظاہرہ (اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا)

(۶) حوادث زمانہ اس کے مصائب و آلام پر صبر و استقامت (يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۔۔۔ باهلك سوء)

(۷) آسائش وراحت پر پاکدامنی اور تقویٰ کو ترجیح (مَعَاذَ اللّٰهِ، رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ)
(۸) اجنبی اور بیگانوں سے اپنی حقیقت کو پوشیدہ رکھنا۔ (وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ)
(۹) بے پناہ علم (عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔۔۔ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ)
(۱۰) فصاحت و بلاغت اور خوبصورت طرزِ تکلم (فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ)
(۱۱) خاندانی شرافت ونجابت (اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ)
(۱۲) فکری ونظری مخالفین کے ساتھ نرمی ومدارات (یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ)
(۱۳) پیکرِ خلوص واخلاص (کان من المخلصین)
(۱۴) دوسرے لوگوں کی ہدایت واصلاح کے لیئے دلسوزی اور قلبی لگاؤ (ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار)
(۱۵) منصوبہ بندی اور ایجادات کی بھرپور صلاحیت (جعل السقایۃ، ائتونی باخ لکم، فذروہ فی سنبلہ)
(۱۶) تواضع وانکساری (وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ)
(۱۷) عفودرگزر (لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ)
(۱۸) جرات اور جوانمردی (نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ)
(۱۹) امانت داری (اجْعَلْنِیْ عَلٰى خَزَآىٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ)
(۲۰) مہمان نوازی وضیافت (اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ)

آیت نمبر 102

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ﴿۱۰۲﴾

یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں حالانکہ آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب انہوں نے اپنے اپنے منصوبے کو پختہ کیا اور وہ سازش کررہے تھے۔

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام وحی کے ذریعے غیب سے آشنا ہوتے ہیں (ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ۔۔)
(۲) انبیاء علیہم السلام تمام علم غیب نہیں جانتے (مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ)
(۳) اگر خداوند تعالیٰ نہ چاہے تو لوگوں کے فیصلے (اَمْرَهُمْ) ان کا اجماع (اَجْمَعُوْٓا) اور ان کی سازشیں (یَمْكُرُوْنَ) کسی بھی صورت میں کارآمد نہیں ہوسکتیں۔

(۴) پے در پے اور مربوط حوادث میں اصلی اور ابتدائی نکتے کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے داستانِ یوسف کا مرکزی نقطہ جناب یوسفؑ کو صفحۂ ہستی سے مٹانا تھا۔ (اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ وَهُمۡ يَمۡكُرُوۡنَ)

آیت نمبر 103

وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾

اور آپ کتنے ہی خواہش مند ہوں ان لوگوں میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

نکات

(الف) کلمہ ''حرص'' کا معنی ہے کسی چیز سے شدید قسم کا تعلق اور اس کے حصول کے لیئے بے پناہ کوشش و کاوش

پیام

(۱) دینی عقائد کے لحاظ سے اکثر لوگوں پر قرآن مجید میں متعدد مرتبہ تنقید کی گئی ہے۔ (وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ ۔ بِمُؤۡمِنِيۡنَ)

(۲) پیغمبران گرامی لوگوں کی ہدایت کے لیئے سوز در در رکھتے ہیں (حَرَصۡتَ)

(۳) ہر حرص قابل مذمت نہیں (پیغمبران گرامی لوگوں کے ایمان لانے پر حریص تھے۔ (حَرَصۡتَ)

(۴) لوگوں کی کج فہمی حقیقت کے بیان کرنے میں رکاوٹ نہیں بننی چاہیئے۔ (وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ ۔ بِمُؤۡمِنِيۡنَ)

(۵) لوگوں کی اکثریت کا ایمان نہ لانا پیغمبروں کی کوتاہی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ انسان کی اپنی خود مختاری اور آزادی کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ خود ایمان لانا ہی نہیں چاہتے۔ (مَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ)

آیت نمبر 104

وَمَا تَسۡـَٔـلُهُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾

حالانکہ آپ ان سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے اور یہ قرآن تو تمام جہانوں کے لیئے بس ایک نصیحت ہے۔

نکات

(۱) پیغمبر اسلامؐ نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنے تبلیغی فریضے کی ادائیگی کے سلسلے میں لوگوں سے اس کا اجر طلب نہ فرمایا کیونکہ لوگوں سے کچھ ایسی توقعات دعوت تبلیغ کے عمل کو قبول کرنے کو مشکل بنا دیتی ہے جیسا کہ سورہ طور کی آیت نمبر ۴۰ میں ہے (اَمۡ تَسۡـَٔـلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ) اگر آپ ان لوگوں سے اجرت مانگتے ہوتے تو ان پر یہ سنگین ہوتا اگر ہم دوسری آیت کو دیکھتے ہیں تو اس میں اجر رسالت مودت فی القربیٰ کو قرار دیا گیا ہے۔ (اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى) ''شوری ۲۳''

(۱) یہ اس لیئے ہے کہ اہل بیتؑ کی پیروی اور ان سے محبت ان کے لیئے سودمند ہے نہ کہ پیغمبرؐ کے لیئے۔ ایک اور مقام پر سورہ سباء

میں ہم دیکھتے ہیں (قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ) ''سباء ۴۷''

(۲) جی ہاں! جو شخص اہل بیتؑ کو دوست رکھے اور ان کی اطاعت کرے تو ان کی اطاعت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اور خداوند تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

(ب) قرآن کریم ذکر ہے کیونکہ

(۱) خداوند تعالیٰ کی آیات اس کی نعمات اور صفات یاد دلاتی ہیں

(۲) انسان کو اس کا ماضی اور مستقبل یاد دلاتا ہے

(۳) معاشروں کو ان کے عروج وزوال کے اسباب کی یاد دلاتا ہے۔

(۴) عرصہ محشر کی یاد دلاتا ہے

(۵) کائنات کی عزت وعظمت کی یاد دلاتا ہے۔

(۶) تاریخ ساز شخصیات کی تاریخ اور ان کی سیرت وکردار کی یاد دلاتا ہے۔

(ج) قرآنی معارف واحکام ایسے حقائق ہیں جنہیں یاد کرنا ضروری ہے ہمیشہ ہر وقت ان کا ذکر ضروری ہے کیونکہ قرآن کو ذکر کہا گیا ہے اور ''ذکر'' ایسے علم ومعرفت کو کہا جاتا ہے جو ہر وقت ذہن میں حاضر رہے انسان ان سے کبھی غافل نہ ہو۔

پیام

(۱) ایک مبلغ کو چاہیئے کہ وہ عوام سے کسی قسم کے توقعات نہ رکھے اپنے آپ کو اس میدان میں اس طرح رکھے جس طرح انبیا علیہم السلام تھے۔ (وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ)

(۲) تبلیغ میں مک مکاؤ بری بات ہے لیکن اگر کوئی خود دے دے تو لے اسے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (تسئل)

(۳) معارف قرآن فطرت کے مطابق ہیں تمام لوگ ان سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں کلمہ ''ذکر'' کا معنیٰ مطلب یہی ہے کہ انسان اپنے اندر سے ان کے حقوق سے واقف ہے لیکن وہ بھول بھلیوں کا شکار ہے۔

(۴) پیغمبروں کا کام تذکرہ ویاد آوری اور انسانی فطرت کو بیدار کرنا ہے۔ (ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ)

(۵) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رسالت عالمین کی رسالت ہے۔ (لِّلْعٰلَمِيْنَ)

آیت نمبر 105

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور آسمانوں اور زمینوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ بغیر فکر وتوجہ کے گزر جاتے ہیں۔

نکات

(الف) اس آیت کریمہ کے اندر رسول اکرمؐ اور امام اور ہر اس رہبر کے لیئے تسلی کا سامان ہے جو حق وحقیقت کے لیئے اپنے آپ وقف کیئے ہوئے ہیں۔ انہیں یہ پیغام دیا گیا ہے اگر لوگ ان کی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کی طرف توجہ نہیں دیتے تو کوئی بات نہیں وہ بالکل نہ گھبرائیں عوام الناس کا تو ہمیشہ سے یہ طریقہ ہی رہا ہے۔ وہ کارخانہ قدرت ہمیشہ سے دیکھتے چلے آرہے ہیں لیکن ایک لمحہ بھر کے لیئے اس کی کائنات اور اس کی خلقت میں غور نہیں کرتے یہ ذہن کو ہلا دینے والے زلزلے عقول کو حیران کر دینے والی سورج و چاند کی گرہنیں گرجنے والے بادل چمکنے والی بجلیاں ستاروں اور کہکشاؤں کی گردشیں غرض عالم ارض وافلاک کا ہر جوہر دیکھتے ہیں لیکن غور نہیں کرتے۔

(ب) جملہ (یَمُرُّوْنَ عَلَیْہَا) کے تین معانی ہوتے ہیں۔

(۱) آیات الٰہی کے انسانی مرور سے مراد اس کی آیات کا مشاہدہ ہے۔

(۲) آیات الٰہی کے انسانی مرور سے مراد زمین کی حرکت وگردش ہے کیونکہ زمین کی حرکت کے ساتھ انسان اجرام سماوی پر جاسکتا ہے۔ (تفسیر المیزان)

(۳) آسمانی آیات ہر مرور انسان کے فضائی اسباب ووسائل کے ساتھ آسمانوں پر چلنے پھرنے کی پیشین گوئی ہے (سفرنامہ حج ایت اللہ صافی)

(ج) (اعراض) ''روگردانی'' غفلت سے بہت زیادہ خطرناک ہے کیونکہ ذات توحید کی آیات سے کائنات بھری پڑی ہے (کَاَیِّنْ) انسان مسلسل ان سے مربوط ہے (یَمُرُّوْنَ) انسان نہ صرف ان آیات کو فراموش کرتا ہے اور نہ صرف ان سے غافل رہتا ہے بلکہ اکثر اوقات جان بوجھ کر ان سے منہ پھیر لیتا ہے۔

پیام

(۱) کائنات کا ذرہ ذرہ ''خداشناسی'' کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (ایۃ)

(۲) جب انسان لڑائی جھگڑے پر اتر تا ہے تو کسی چیز کو قبول نہیں کرتا (وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ ... یَمُرُّوْنَ عَلَیْہَا وَہُمْ عَنْہَا مُعْرِضُوْنَ)

(۳) سطحی نگاہ اور غور وفکر کی معدومیت کے ماحول میں رشد وہدایت کا حصول مشکل ہے (یَمُرُّوْنَ ... مُعْرِضُوْنَ)

(۴) اکیلا علم کافی نہیں حق کو قبول کرنا لازمی ہے پھر ایمان کی منزل ملتی ہے (یَمُرُّوْنَ عَلَیْہَا وَہُمْ عَنْہَا مُعْرِضُوْنَ)

(۵) کسی داستان کا احسن القصص ہونا فائدہ مند نہیں ہے جی ہاں! اس وقت وہ مفید ہے جب اس سے حاصل ہونے والے دروس اور عبرت وموعظہ پر عمل کیا جائے۔ (وَہُمْ عَنْہَا مُعْرِضُوْنَ)

آیت نمبر 106

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُہُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَہُمْ مُّشْرِکُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لائے بھی ہیں تو اس کے ساتھ شریک ٹھہرتے ہیں

نکات

(الف) حضرت امام رضاؑ کا فرمان ہے اس آیت میں ''شرک'' کفر و بت پرستی کے معنی کے لیئے نہیں آیا بلکہ اس سے مراد خداوند تعالیٰ کے علاوہ کسی اور طرف توجہ کے معنی کے لیئے استعمال ہوا ہے (تفسیر نمونہ)

حضرت امام صادقؑ کا فرمان ہے انسان کے اندر شرک اس طرح چلتا ہے جس طرح تاریک رات میں سیاہ رنگ کی چیونٹی سیاہ رنگ کے پتھر پر چلتی ہے تو شرک اس سے بھی مخفی چال چلتا ہے (سفینۃ البحار ج ۱، ص ۶۹۷)

حضرت امام باقرؑ نے فرمایا لوگ عبادت میں تو موحد ہیں لیکن اطاعت میں شرک کرتے ہیں (کافی ج ۲، ص ۲۹۲)

ایک اور روایت میں نقل ہوا ہے کہ اس آیت میں شرک سے مراد ''شرک نعمت'' ہے جب انسان کہتا ہے ''فلاں آدمی نے میرا کام کر دیا'' یا ''فلاں نہ ہوتا تو میں برباد ہو گیا ہوتا'' وغیرہ (تفسیر نمونہ)

پیام

(۱) ایمان کے کئی مراتب ہیں ایمان خالص جس میں ذرہ برابر شرک نہ ہو بہت کم ہے (وَمَا يُؤْمِنُ۔۔۔اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ)

مخلص مومن کی علامات

(۱) مومن مخلص ہوتا ہے انفاق و اخراجات میں (لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا) (انسان، ۹) کسی سے اجر اور شکریئے کی امید نہیں رکھتا۔

(۲) عبادت و بندگی میں (وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا) (کھف ۱۱۰) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں کرتا۔

(۳) ابلاغ و تبلیغ میں (اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ) (ہود، ۲۹) اپنے خدا کے سوا کسی سے اجرت نہیں مانگتا۔

(۴) ازواجی زندگی میں (اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ) (نور، ۳۲) فقر و افلاس سے ہراساں نہیں ہوتا خدا پر توکل کرتے ہوئے اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔

(۵) لوگوں سے میل ملاقات میں (قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ) (انعام، ۹۱) اللہ کی رضا کے علاوہ کسی چیز کو نہیں چاہتا۔

(۶) میدان جنگ ہو یا اللہ کے دشمن کا سامنا ہو (وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ) (احزاب، ۳۹) اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

(۷) محبت و الفت میں (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) (بقرہ، ۱۶۵) اللہ سے بڑھ کر کسی اور سے محبت نہیں رکھتا۔

(۸) تجارت اور کسب معیشت میں (رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ) (نور، ۳۷) یاد خدا سے کبھی غافل نہیں رہتا۔

مشرک مومن کی علامات

(۱) عزت و عظمت کا مرکز لوگوں کو خیال کرتا ہے (اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ) (نساء، ۱۳۹)

(۲) اچھے برے اعمال کو خلط ملط کر دیتا ہے (خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا) (توبہ ۱۰۲)
(۳) لوگوں سے میل ملاقات میں پارٹی اور گروہ بندی کی بنا پر تعصب وحسد کا شکار ہو جاتا ہے۔ (كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ) (مومنون، ۵۳)
(۴) عبادت میں سستی کاہلی اور ریاکاری کرتا ہے (الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝) (ماعون، ۵، ۶)
(۵) میدان جنگ میں لوگوں سے خوفزدہ ہو جاتا ہے (يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ) (نساء، ۷۷)
(۶) تجارت اور دینوی امور میں سب سے آگے رہتا ہے (اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ) (تکاثر، ۱)
(۷) دین و دنیا کے انتخاب میں دنیا کو سامنے رکھتا ہے اور پیغمبر کو اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔ (وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا) (جمعہ، ۱۱)

آیت نمبر 107

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۰۷

کیا یہ لوگ اس بات سے بے فکر ہیں کہ اللہ کی طرف سے انہیں کوئی عذاب گھیر لے یا اچانک ان پر قیامت برپا ہو جائے اور انہیں خبر تک نہ ہو۔

نکات

(غَاشِيَةٌ) ایسی سزا اور عذاب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو پورے فرد یا معاشرے کو لپیٹ میں لے لے۔

پیام

(۱) کوئی شخص اپنے آپ کو سزا اور عذاب سے دور نہ سمجھے (اَفَاَمِنُوْٓا)
(۲) جب انسان قہر الٰہی کی طرف متوجہ ہو تو یہی توجہ اسے راہ حق کی طرف حرکت دینے میں مؤثر ہوتی ہے۔ (اَفَاَمِنُوْٓا)
(۳) قہر خداوندی اطراف واکناف سے گھیرے میں لے لیتا ہے اس سے فرار ممکن نہیں (غَاشِيَةٌ)
(۴) معمولی سا عذاب انسان کو اپنی گرفت میں لینے کے لیئے کافی ہے (غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ)
(۵) قیامت کی یاد انسانی تربیت کے لیئے مؤثر ہوتی ہے (تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ)

آیت نمبر 108

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸

کہہ دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف پوری بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں اور اللہ پاک و پاکیزہ ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

نکات

توحید کی طرف دعوت دینے والے عام لوگوں سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں گزشتہ دو آیات میں بتا چکے ہیں کہ عام لوگوں کا ایمان اکثر طور پر شرک سے آلودہ ہوتا ہے (وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ) لیکن آسمانی مبلغ بانگ دھل کہتا ہے (وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)

پیام

انبیاء علیہم السلام کا راستہ روشن، قابل شناخت اور واضح ہوتا ہے۔ (هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ)

(۲) راہ حق وحقیقت پر چلنے والوں کو اپنے منشور کا بے خوف وخطر کا اعلان کر دینا چاہئے۔ (هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ)

(۳) رہبر کی دعوت خدا کی طرف ہونی چاہیئے نہ کہ اپنی طرف (اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ)

(۴) رہبر کو رہبری وقیادت کے لیئے بصیرت کامل کا حامل ہونا چاہیئے (عَلٰي بَصِيْرَةٍ)

(۵) لوگوں کو چشم بستہ اور بغیر علم وآگاہی کے کام کو مکمل کرنے کی ترغیب نہیں دینا چاہیئے (عَلٰي بَصِيْرَةٍ)

(۶) پیغمبرؐ اکرم کے پیروکاروں میں سے ہر ایک کو مبلغ ہونا چاہیئے بصیرت اور مکمل آگاہی کے ساتھ لوگوں کو خدا کی طرف بلانا چاہیئے (اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔۔انا ومن اتبعنی)

(۷) محور تبلیغ یہ ہے کہ شرک سے خداوند تعالیٰ کی ہر طرح تزیہ وتقدیس ہونی چاہیئے (سُبْحٰنَ اللّٰهِ)

(۸) دین اسلام کے مبلغین کو خالص اور مخلص ہونا چاہیئے (مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)

(۹) توحید وشرک کی نفی دین اسلام کی بنیاد ہے (اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔۔۔مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)

آیت نمبر 109

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ

لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور آپ سے قبل ہم ان بستیوں میں صرف مردوں کو ہی بھیجتے رہے ہیں جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی کیا وہ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں تو وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا؟ صاحبان تقویٰ کے لیئے تو آخرت کا گھر ہی بہتر ہے تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟

نکات

انبیاء علیہ السلام کے مخالفین ہمیشہ یہ بہانہ بناتے چلے آئے ہیں کہ انبیاء ہمارے جیسے انسان کیوں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کی بھی یہی سوچ تھی جس کی بنا پر یہ آیت ایک طرف تو ان کے سوال کا جواب دے رہی ہے اور دوسرے پہلو سے انہیں تنبیہ کر رہی ہے۔

پیام

(۱) تمام انبیاء مرد تھے (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا) کیونکہ تبلیغ و ہجرت اور مسافرت کے امکانات مرد کیلئے زیادہ تھے۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے علوم کا مرکز وحی تھا قرآنی اصطلاح میں اس علم کو علم لدنی کا نام دیا گیا ہے (نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ)

(۳) انبیاء علیہم السلام مرد تھے اور ان کے درمیان رہتے تھے نہ وہ فرشتے تھے اور نہ گوشہ نشین اور نہ ہی آرام پسند افراد تھے (مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى)

(۴) سیر و سفر ہدف دار ہونا چاہئے (اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا ۔۔ فَيَنْظُرُوْا)

(۵) حقائق کی دریافت کے لیئے مثبت نظر ایک کامل طریقہ ہے (فَيَنْظُرُوْا)

(۶) زمین میں سیر و سیاحت تاریخ سے آگاہی درس عبرت حاصل کرنا ہدایت و تربیت کا بہترین ذریعہ ہے (فَيَنْظُرُوْا)

(۷) عبرت حاصل کرنے اور آنے والی نسل کے لیئے آثار قدیمہ کی حفاظت بہت ضروری ہے (فَيَنْظُرُوْا)

(۸) انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا، وحی کا نزول اللہ کے مخالفین کی ہلاکت غرض یہ سب کچھ خدائی طریقہ کار رہا ہے۔ (كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ)

(۹) کفار کو پیغمبروں کی مخالفت سے اس دنیا میں سوائے قہر و ہلاکت کے کچھ نہیں ملتا تھا لیکن اہل تقویٰ کو آخرت کی ہر نعمت مل جاتی ہے جو دنیا سے ہر صورت بہتر ہے (وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ)

(۱۰) بشر کا اپنے امور میں عقل و فکر کا استعمال قرآن اور انبیاء کے اہداف میں سے ہے۔ (اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ)

(۱۱) انسان کا عقل و خرد سے کام لینا اسے مکتب انبیاء علیہ السلام کی طرف لے جاتا ہے۔ (اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ)

آیت نمبر 110

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

یہاں تک کہ جب انبیاء (لوگوں سے) مایوس ہو گئے اور وہ سمجھنے لگے کہ ان سے جھوٹی باتیں کہی گئی تھیں تو ان کے پاس ہماری نصرت پہنچ گئی تو جسے ہم نے چاہا اسے نجات مل گئی ہمارا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا۔

نکات

(ا) جب طول تاریخ میں جھانکا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اپنی دعوت تبلیغ پر مکمل جان کاری کا مظاہرہ فرماتے تھے آخر ایک وقت آ گیا آخر ایک وقت آتا کہ لوگوں کی ہدایت سے مایوس ہو جاتے تھے لیکن ان کے ہٹ دھرم دشمن اپنی دشمنی اور مخالفت سے باز نہیں آتے تھے قرآن مجید نے اس کے چند نمونے دکھائے۔

(ا) انبیاء کی مایوسی کے چند نمونے

حضرت نوح دور دراز کے عرصہ تک اپنی امت کے لوگوں کو دعوت توحید دیتے رہے چند گنے چنے لوگوں کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا آخر کار اللہ تعالیٰ نے فرمایا (لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ) (ہود ۳۶) جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں بس وہی ہیں ان کے علاوہ کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی نفرین میں جو ان کی مایوسی کی علامت فرمانے لگے (لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا) (نوح ۲۷) ان لوگوں سے کافر اور فاجر کے علاوہ اور کوئی پیدا نہیں ہوگا۔

حضرت ہودؑ، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور تبلیغ میں بھی کفار کے ایمان نہ لانے کے حالات کے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔

(ب) انبیاء علیہم السلام کے بارے میں لوگوں کی بدگمانیاں کفار نے انبیاء کی دھمکیوں کو جھوٹا خیال کیا تھا سورہ ہود ۲۷ آیت میں ہے (بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ) ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو (ہود ۲۷) اس طرح فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا (اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا) یقیناً میرا گمان ہے کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ (اسراء ۱۰۱)

(ج) نصرت خداوندی کے چند نمونے

قرآن کریم نے نصرت خداوندی کو حق جانا ہے خداوند نے اپنے اوپر اپنے مخلص بندوں کی نصرت واجب قرار دی ہے (كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ) مومنین کی نصرت ہم پر لازم ہے (روم ۴۷) ایک دوسرے مقام پر فرمایا (نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ) ہم نے ہود اور ان کا ساتھ جو لوگ مومن تھے ان کو نجات دی۔ (ہود ۵۸) اب رہی بات خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب کی جب مجرمین پر اس نے اپنا قہر نازل فرمایا تو اسے کوئی اور نہ پلٹا سکا، (وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ) (رعد ۱۱)

پیام

۱۔انسانی سنگدلی اور ہٹ دھرمی اس حد تک جا پہنچتی ہے کہ پیغمبران الٰہی جیسے بردبار انسانوں کو بھی مایوسی کا شکار بنا دیتی ہے (اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ)

۲۔حسن ظن اور حسن نیت اور حوصلے کی بھی ایک حد ہوتی ہے (حَتّٰٓى)

۳۔جہاں محنت وکاوش کے آثار نظر نہ آ رہے ہوں وہاں ضرور اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے کچھ لوگوں سے اعراض کر لینا ہی بہتر ہوتا ہے (اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ)

۴۔مجرمین کو ڈھیل دینا ان سے عذاب موخر کرنا سنت الٰہی ہے (حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ) کہ ہم نے اس قدر مہلت دی کہ انبیاء مایوس ہو گئے۔

۵۔عذاب الٰہی سے مجرمین کو ڈھیل اور مہلت نے انہیں جرات تکذیب عطا کی (حَتّٰٓى اِذَا ... وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا)

۶۔جب انبیاء لوگوں کی ہدایت سے مایوس ہوئے تو پھر قہر الٰہی نازل ہو گیا (اِذَا اسْتَيْـَٔسَ ... لَا يُرَدُّ بَاْسُنَا)

۷۔انبیاء کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت کا بھی ایک خاص زمانہ ہوتا ہے۔(اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ... جَآءَهُمْ نَصْرُنَا)

۸۔خداوند تعالیٰ کا قہر وغضب انبیائ اور مومنین سے دور رہتا ہے۔(نَصْرُنَا ... بَاْسُنَا)

۹۔خدا کا قہر وغضب ہو یا اس کی نصرت ومہربانی سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔(نَصْرُنَا ... بَاْسُنَا)

۱۰۔انسان کے مقہور ومعذب ہونے یا نجات پانے میں اُس کا اپنا ہاتھ رہا ہے۔

۱۱۔ارادۂ خداوندی اور اُس کی مشیت قانون کے مطابق ہے۔

۱۲۔خدائی راستہ کہیں نہیں رُکتا۔(جب لوگ حالات کو اُس منزل تک لے آتے ہیں کہ وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا تو وہاں پر قدرتِ خدا جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

۱۳۔خداوند تعالیٰ کے قہر وغضب کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔خداوند تعالیٰ کی سُنت ہے کہ انبیاء کی حمایت کی جائے اور مجرمین کو ہلاک کر دیا جائے۔(جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ... لَا يُرَدُّ بَاْسُنَا)

آیت نمبر 111

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

بلاشبہ صاحبانِ عقل کے لئے اُن کے واقعات میں سامانِ عبرت ہے۔وہ قرآن کوئی افسانہ نہیں ہے جسے گھڑ لیا گیا ہو بلکہ اس سے پہلے آئے ہوئے کلام کی تصدیق ہے اور ہر بات کی تشریح ہے اور صاحبانِ ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

نکات

(الف) ''عبرت'' و ''تعبیر'' دونوں کا معنی ''عبور'' ہے۔ یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف جانا۔
خواب کی تعبیر کو ''تعبیرِ خواب'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ خواب سے انسان حقائق تک جا پہنچتا ہے۔
''عبرت'' کے معنی ہیں ''دیکھی اور سُنی جانے والی اشیاء سے عبور کر کے اَن دیکھی اور اَن سُنی اشیاء تک رسائی حاصل کرنا۔''
(ب) ''قَصَصِهِمْ'' سے شاید تمام انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی طرف اشارہ ہو یا پھر داستانِ یوسف کے مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ جناب یعقوبؑ برادرانِ یوسف، عزیزِ مصر اور جناب یوسفؑ کی زندگی کے تلخ و شیریں حوادث جن کا اس سورہ میں ذکر ہوا ہے وہ مراد ہوں۔

پیام

۱۔ قصوں کی امتیازی خصوصیات یہ ہوتی ہیں کہ وہ نصیحت و عبرت آموز ہوں۔ اس لئے سورہ کے آغاز میں کہا گیا ہے ''نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ'' اور سورہ کے آخر میں بتایا گیا ہے ''لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ''
۲۔ حضرت یوسفؑ نے اپنی زندگی میں پیش آنے والی تمام مشکلات اور حوادث میں سے گذر کر عزت و غلبہ حاصل کیا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لوگوں کے مکر و حیلوں، سازشوں، مخالفتوں کو جھیلتے ہوئے حکومت و سلطنت حاصل کی۔ (لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ)
۳۔ داستانوں سے صرف صاحبانِ عقل عبرت حاصل کرتے ہیں۔ (عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ)
۴۔ قرآنی قصوں سے عبرت حاصل کرنے کا کوئی خاص زمانہ نہیں۔ ہر دور میں درس و عبرت حاصل کر سکتے ہیں (لِّاُولِي الْاَلْبَابِ)
۵۔ قرآنی داستانیں حق و حقیقت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہر داستان اپنے مقام پر عبرت آموز ہے۔
۶۔ سچی اور حقیقی بات گہرا اثر رکھتی ہے۔ (عِبْرَةٌ ..... مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى)
۷۔ قرآن مجید اور دوسری سماوی کتب کا مرکز بھی ایک ہے اور منزل بھی ایک ہے۔ (تَصْدِيْقَ الَّذِيْ ....)
۸۔ قرآن مجید انسان کی تمام ضروریات کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ (تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ)
۹۔ قرآن مجید سراپا ہدایت ہے۔ (هُدًى)
۱۰۔ صرف اہلِ ایمان ہی قرآن کریم کی رحمت و ہدایت سے مستفید ہوتے ہیں۔ (هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)
۱۱۔ نکات پیدا کرنے کے لئے اور درسِ عبرت کے حصول کے لئے عقل و دانش کا ہونا ضروری ہے۔ (لِّاُولِي الْاَلْبَابِ) لیکن نورِ خداوندی اور اُس کی رحمت کے حصول کے لئے بھی ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)
۱۲۔ داستانِ یوسف متلاشیانِ حق و حقیقت کے لئے آیتِ پروردگار ہے (آيَاتٌ لِّلسَّائِلِيْنَ) صاحبانِ دانش و بینش کے لئے سامانِ عبرت (عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ) اہلِ ایمان کے لئے سرمایۂ رُشد و ہدایت اور رحمتِ ربُ العالمین ہے۔ (هُدًى وَّرَحْمَةً

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

الحمد للہ رب العالمین

سورہ رعد

پارہ 13

سورہ نمبر 13

تعداد آیات 43

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورہ رعد کی ایک جھلک

یہ سورہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی

اس میں ۴۳ آیات ہیں۔

اس سورہ کی وجہ تسمیہ اس سورہ کی آیت ۱۳ میں بیان ہوئی ہے کہ آسمانی کڑک بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

اس سورت میں بہت سے مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔عظمت قرآن توحید زمین وآسمان کی تخلیق آفتاب وماہتاب کی تسخیر پھلوں اور نباتات کی پیدائش قیامت اور عدل الٰہی لوگوں کی ذمہ داری، وعدہ وفائی، صلہ رحمی، صبر کا مظاہرہ اور انتقام سے پرہیز حقیقی سکون اللہ پر ایمان ہی سے ملتا ہے۔پیغمبران خداوندی کے مخالفین کا بدترین انجام ان تمام مطالب پر یہ سورہ مشتمل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1

الٓمّٓرٰ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝

الف لام میم را، یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

پیام

(۱) قرآن کریم، ایک بہت ہی عزت وعظمت والی کتاب ہے۔(تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ)
(۲) کتب سماوی کا نزول، انسانی تربیت کیلئے ہے(اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ)
(۳) قرآن حق ہے اس میں باطل کا شائبہ تک نہیں ہے(اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ)
(۴) حق وحقانیت ہی حقیقی میعار ہے نہ کہ کثرت۔ اکثر لوگوں کا اعراض وانکار اور ان کا ایمان نہ لانا راہ حق کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔(اَلْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ)
(۵) اکثر لوگ راہ حق سے دور ہیں اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ)
(۶) رہبر کے علم میں ہونا چاہئے کہ لوگوں کی کثرت اُس پر ایمان نہیں لائے گی لہذا اُسے چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ آمادگی کے ساتھ ان مشکلات کا مقابلہ کرے۔ آیت کا مکمل مفہوم یہی ہے

آیت نمبر 2

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۲

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر نظر آنے والے ستونوں کے بلند کیا پھر وہ پورے اقتدار کے ساتھ عرش پر متمکن ہوا اور سورج اور چاند کو مسخر کیا ان میں سے ہر ایک مقررہ مدت تک رواں ہے۔ وہی امور کی تدبیر کرتا ہے وہی آیات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے شاید تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو۔

نکات

(الف) قرآن مجید میں بہت سے آیات ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ زمین وآسمان کی حفاظت خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔
(۱) اسی جاری آیت کا پیغام ہے(اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ) یقیناً اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو گرنے سے بچائے ہوئے ہے اگر وہ گرنے پر آجائیں تو اللہ کے علاوہ کوئی اور انہیں نہیں بچا سکتا۔(فاطر ۴۱)
(۲) وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ خداوند تعالیٰ آسمان کو گرنے سے بچائے ہوئے ہے۔(حج ۶۵)
(ب) حضرت علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں فرماتے ہیں کہ "تفصیل" سے مراد آسمانی کُروں اور زمین کا ایک دوسرے سے جدا کرنا ہے اس کی جدائی کا مشاہدہ ہم پر یہ واضح کر رہا ہے کہ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دے گا۔

(ج) ''عمد'' ''عمود'' کی جمع ہے جس کے معنیٰ ''ستون اور پایہ'' ہیں۔

(د) حضرت امام علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خداوند تعالیٰ تمام مخلوقات سے کس طرح حساب لے گا؟ تو آپ نے فرمایا اس طرح جس طرح وہ سب کو روزی و رزق دیتا ہے۔ (تفسیر کبیر فخر رازی)

پیام

(۱) آسمان ستونوں پر قائم ہیں (بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا) ان کا ہمارے مشاہدے میں نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ نہیں ہیں۔ حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: فَثَمَّ عَمَدٍ وَ لٰكِنْ لَا تَرَوْنَهَا (بحار۔ ج۔ ۶۰ ص۔ ۷۹) آسمانوں کے ستون ہیں لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

(۲) آفتاب مسلسل حرکت میں ہے (كُلٌّ يَّجْرِيْ)

(۳) کُرات آسمانی اپنی حرکت کے لحاظ سے زمان اور وقت کے تحت گردش کرتے ہیں (لِاَجَلٍ مُّسَمًّى)

(۴) نظام کائنات الٰہی تدبیر کے ساتھ چل رہا ہے۔ (يُّجْرِيْ)

(۵) آیات کی تفصیل کیئے اللہ کا ہاتھ کھلا ہے (چاہے وہ آیات تشریعی ہوں یا تکوینی) (يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ)

(۶) نظام کائنات کا ایک ہدف و مقصد ہے (يُّجْرِيْ لِاَجَلٍ ۔ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ)

تخلیق کائنات قیامت کے بغیر بے مقصد ہے۔

(۷) معاد پر دلیل درحقیقت توحید کی دلیل ہے جو خالق ہے وہی مدبر ہے وہ ہی سب کچھ ہے وہ ہی قیامت کو برپا کرے گا۔ (رَفَعَ اسْتَوٰى ، يُدَبِّرُ ۔۔ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ)

آیت نمبر 3

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ [۱۳:۳]

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اُس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر طرح کے پھلوں سے اس میں دو دو قسمیں قرار دیں۔ وہی رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے غور و فکر کرنے والوں کیلئے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔

نکات

(الف) اس سے پہلے والی آیت آسمانوں کے متعلق تھی اور اس آیت میں زمین اور اُس کی نعمتوں کا ذکر ہے۔

(ب) ''رواسی'' جمع ہے ''راسیہ'' کی جس کے معنیٰ ہیں ثابت رہنا، ٹِکے رہنا ایک مقام پر ثابت و استوار پہاڑوں کو

''رواسی'' کہتے ہیں۔

''زوج'' اور ''زوجان(زوجین)'' ان دونوں کے معنیٰ ہیں ''نر اور مادہ''

(ج) اگرچہ ماہر نباتات ''لینے'' نے اٹھارویں صدی عیسوی میں نباتات کے جوڑا جوڑا ہونے کے قوانین کو دریافت کیا لیکن اسلام ایک ہزار کئی سو سال قبل اس نکتے کی طرف اشارہ کر چکا ہے۔ جی ہاں! بعض لوگ بعض نباتات مثلاً کھجور کے نر اور مادہ کے مسئلہ کو سمجھ چکے تھے لیکن باقی تمام نباتات کے بارے میں قرآن مجید نے تشریح فرمائی۔

(د) نباتات میں نر و مادہ کبھی ایک درخت یا ایک شگوفے میں ہوتے ہیں اور کبھی دو درختوں اور دو شگوفوں میں موجود ہوتے ہیں (۱)

(د) ''مدّ الارض'' کا جملہ ممکن ہے کہ زمین کو پانی کے نیچے سے کھینچے جانے کی طرف اشارہ ہو کیونکہ روایات میں ''دَحْوُ الْاَرْضِ'' کا نام دیا گیا ہے۔ موجودہ ماہرین ارضیات کا نظریہ بھی یہی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آغاز میں زمین پانی کے نیچے تھی (واللہ عالم)

(ر) نظام آفرینش کی بنیاد زوجیت پر ہے۔

(۱) نباتات میں زوجیت ہے وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ (۱)

(۲) حیوانات میں زوجیت ہے (وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا) (۲)

(۳) انسانوں میں زوجیت ہے خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (۳)

(۴) کائنات کی تمام اشیا میں قانون زوجیت کارفرما ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (۴)

پیام

(۱) زمین کا بچھاؤ حکمت و دانش اور تدبر کے ساتھ عمل میں آیا ہے (مَدَّ الْاَرْضَ) زمین کا سطح دار اور پہاڑوں پر مشتمل ہونا اس کے اعتدال پر قائم رہنے کا موجب اور انسانوں کے بے پناہ فائدے کیلئے ہے اگر تمام زمین سطح دار اور پہاڑوں پر مشتمل ہوتے تو زندگی ناممکن ہو جاتی۔

(۲) پہاڑ پانی کا ذخیرہ ہوتے ہیں دریا اور نہریں پانی کی تقسیم کا سبب ہیں اور یہ دونوں ہی حیات انسانی کیلئے راہیں ہموار کرتے ہیں۔ (رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا)

(۳) رات و دن کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا جانا اور اس عمل کا تسلسل کے ساتھ جاری رہنا زندہ رہنے کا سبب ہے (يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ) اگر ایسا نہ ہوتا تو حرارت کی وجہ سے ہر چیز جل کر بھسم ہو جاتی یا پھر نور اور حرارت کی عدم موجودگی سے کائنات پژمردہ اور یخ بستہ ہو جاتی۔

(۴) یہ کائنات ایک مدرسہ ہے جائے غفلت نہیں ہے (لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ)

آیت نمبر 4

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○

اور زمین میں باہم پیوست ٹکڑے ہیں ہیں اور انگوروں کے باغات نیز کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں۔جن میں سے کچھ دہرے تنے کے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے نہیں ہوتے۔ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ان میں سے بعض کو بعض پر ذائقہ میں ہم فوقیت دیتے ہیں، عقل سے کام لینے والوں کیلئے یقیناً ان چیزوں میں نشانیاں ہیں۔

نکات

کلمہ "صنوان" اپنے ظاہر کے اعتبار سے تثنیہ کا صیغہ نظر آتا ہے لیکن یہ "صنو" کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے شاخیں جو درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں اور یہاں مانند اور مشابہ کے معنیٰ میں آیا ہے۔

پیام

(۱) زمین کے مختلف قطعے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہوتے ہیں اور قطعہ خاص استعداد کا حامل ہوتا ہے۔(قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ)

(۲) مختلف انواع کے پھل اپنے رنگ، ذائقے اور خوشبو کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں یہ سب خداوند تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔(لَاٰيٰتٍ)

(۳) پھلوں کی اقسام بھی مختلف ہیں ان کے رنگ و نسل و خاندان بھی مختلف ہیں یہ سب خدا کے ارادے اور اُس کی مرضی و منشاء کے مطابق ہیں حالانکہ پانی کا ذائقہ تو ایک ہے (يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ)

(۴) ہم جواریت یکسانیت کی دلیل نہیں ہے برتری کا معیار اچھی پیداوار ہے۔(مُّتَجٰوِرٰتٌ ۔ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ)

(۵) صاحبان عقل و دانش خوردنی اشیاء کے ساتھ ساتھ اپنی ایمانی روح کو تقویت پہنچاتے ہیں۔جبکہ دوسرے افراد شکم پُری کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔(لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ)

آیت نمبر 5

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○

اگر آپ تعجب کریں تو قابل تعجب ان کی یہ بات ہے کہ کیا جب ہم خاک ہوجائیں گے تو ہم ازسرنو پیدا ہوں گے؟ یہ وہ لوگ ہے جو اپنے رب کے منکر ہوگئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہونگے۔اور یہ دوزخی ہوں گے۔کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

نکات

(الف)اس آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب ہے آپؐ لوگوں کے انکار پر تعجب نہ کریں یہ لوگ مردوں کے زندہ کرنے میں میری قدرت کاملہ میں بھی تعجب کا اظہار کرتے ہیں انہیں یقین نہیں ہے۔

(ب) قیامت کے منکرین کے پاس قیامت کے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں وہ اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید سمجھتے ہیں جبکہ خداوند تعالی نے قرآن مجید کی عدالت اور حکمت ودانش کی تشریح فرمائی ہے جن سے قیامت کے وقوع کا تعلق ہے اور بارہا منکرین قیامت کے سوالوں کا جواب دے چکا ہے کسی مقام پر فرماتا ہے کہ اگر تم قیامت کے برپا ہونے پر شک رکھتے ہو تو اپنی ابتدائی تخلیق پر غور کرلو کہ ہم نے تمہیں مٹی اور نطفے سے کس طرح پیدا کیا ہے۔(يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ (سورہ حج ۵)ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔اے میرے رسول ان لوگوں سے کہہ دو جو پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کرسکتا ہے وہ تمہیں دوسری مرتبہ بھی پیدا کرسکتا ہے یہاں کوئی تعجب کی بات نہیں۔قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ)(یٰسٓ)

پیام

(۱)معاد کا انکار خداوند تعالیٰ کی قدرت وحکمت وعدالت کا انکار ہے اور یہ انکار کفر ہے۔(اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا)

(۲)منکر معاد کا ہدف صرف دنیا ہے اس لئے وہ مادیت،نفس پرستی اور جہل وخرافات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔اس لئے اسے میدان محشر میں عذاب الٰہی کے زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔(الْاَغْلٰلُ)

(۳) قیامت کے دن منکرین کی گردنوں میں زنجیر نہیں پہنائے جائیں گے بلکہ زنجیر ان کی گردنوں کے اندر سے سوراخ کر کے گزارے جائیں گے۔یہ دردناک کیفیت ان کیلئے ناقابل برداشت ہوگی۔(فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ)

(۴) منکرین الٰہی نے قہر الٰہی سے بچنے کا کوئی سامان نہ کیا ہوگا اس لیے وہ اللہ کے دائمی عذاب میں ہوں گے(خٰلِدُوْنَ)

آیت نمبر 6

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ○

اور وہ آپ سے بھلائی سے قبل برائی کیلئے جلدی کرتے ہیں حالانکہ ان سے قبل عذاب کے واقعات پیش آ چکے ہیں اور آپ کا پروردگار ان کے ظلم وزیادتی کے باوجود یقیناً ان سے درگزر کرنے والا ہے۔ اور یقیناً تمہارا پروردگار سخت سزا دینے والا بھی ہے۔

نکات

(الف) اَلْمَثُلٰتُ ''مثلة'' کی جمع ہے ایسے عذاب اور سزا کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جو عذاب وسزا انسان کی طرف متوجہ ہو۔

(ب) کبھی انسان کی عداوت اور ہٹ دھرمی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنی ہلاکت کی خود خواہش کرتا ہے لیکن حق کو قبول نہیں کرتا قرآن مجید نے بطور نمونہ ان لوگوں کے احوال بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

کافر کہتے تھے (وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (انفال ۳۲) خدایا اگر قرآن حق اور تیری طرف سے ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں دردناک عذاب میں گرفتار کردے (کیونکہ ہم اس کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ)

اگر ہم اس قرآن کو غیر عرب (عجمی) پر نازل کرتے اور پیغمبرؐ اس کو قبول کرنے کیلئے کہتے پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے وہ نہ تو ایمان لائے اور نہ قبول کیا۔ (شعراء ۱۹۸/۱۹۹)

اہل کتاب کفار ومشرکین سے کہتے تھے (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (نساء ۵۱)

تمہارا راستہ اسلام کے راستے سے بہتر ہے حالانکہ اہل کتاب مشرکین سے زیادہ اسلام سے قریب ہیں لیکن ان کی ہٹ دھرمی نے انہیں حق کے اظہار سے دور رکھا۔

(ج) کچھ لوگ عذاب الٰہی کے نزول کی تعجیل میں ہیں ممکن ہے ان کی یہ آرزو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ہو۔

(۱) اقوام گزشتہ کی تاریخ سے صرف نظر کرنا یا اس سے غفلت وبے پرواہی برتنا اور قہر الٰہی پر یقین نہ کرنا۔

(۲) دوسرے لوگوں کے کمالات پر حسد کرنا جس طرح کہ تاریخ اسلام میں موجود ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام کو جب منصب امامت وولایت حاصل ہوا تو ایک شخص سے یہ برداشت نہ ہوسکا تو اُس نے اس حقیقت کو قبول کرنے کی بجائے اپنی موت اور عذاب کی خداوند تعالیٰ سے آرزو کی سورہ معارج کے شان نزول کے بارے میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۳) کمتری اور نا اُمیدی کا احساس اور تمام راستوں کا مسدود پانا۔

(۴) تمسخر واستہزاء سے کام لینا اپنی بات پر اَڑ جانا خواہ اس راہ میں جان بھی چلی جائے

(۵) قرآن مجید فرماتا ہے اگر خداوند تعالیٰ اپنی مخلوق کو ان کی خطاؤں کی وجہ سے فوراً اپنے عذاب میں معذب کرتا تو روئے زمین پر کوئی انسان باقی نہ رہتا۔ بہرحال وہ از راہ لطف صبر کرتا ہے۔ شاید کے اس کے بندے توبہ کرلیں۔ (وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى) (نحل ۶۱) ایک اور مقام پر فرمایا (وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ) (فاطر ۴۵) اور اگر اللہ لوگوں کو ان کی حرکات کی پاداش میں اپنی گرفت میں لے لیتا تو وہ روئے زمین پر چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔

پیام

(۱) انسان جب اپنی ہٹ دھرمی پر آتا ہے وہ اس قدر ذہنی پستی کا شکار ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی ہلاکت و نابودی کو قبول کرلیتا ہے۔ لیکن حق کو قبول نہیں کرتا۔ (وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ)

(۲) اقوام گزشتہ کی تاریخ انسان کیلئے بہترین نمونہ عبرت ہے (وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ○

(۳) قہر خداوندی کو مذاق مت سمجھو اور اقوام گزشتہ کی تاریخ کی طرف توجہ دو۔ (مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ)

(۴) خداوند تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے۔ ان سے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا (لَذُوْ مَغْفِرَةٍ)

(۵) توبہ اور واپسی کا دروازہ ہٹ دھرم اور ضدی مزاج لوگوں کیلئے بھی ہر وقت کھلا ہے۔ (لَذُوْ مَغْفِرَةٍ ... رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ)

آیت نمبر 7

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی! آپ تو محض تنبیہ کرنے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک رہبر ہوا کرتا ہے۔

نکات

(۱) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "اَنَا الْمُنْذِرُ" میں ڈرانے والا ہوں اور آپ نے امام علی بن ابیطالبؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (اَنْتَ الْهَادِيْ بِكَ يُهْتَدَى الْمُهْتَدُوْنَ بَعْدِيْ) اے علی آپ ہادی ہیں اور میرے بعد ہدایت پانے والے آپ سے ہدایت حاصل کریں گے۔ (تفسیر

کبیر۔ج ۱۹ص۔ ۱۴۔طبری وابن کثیر واحقاق الحق۔ج۔ ۳۔ص ۸۷)

پیام

(۱) کفار اللہ اور اُس کے رسول سے ناحق توقعات رکھتے ہیں (اپنی ذاتی خواہشات اور ہوا و ہوس کے مطابق معجزات و آیات کا مطالبہ کرتے ہیں۔(لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ)

(۲) ہٹ دھرم اور حیلہ پرور لوگ خطاب خداوندی کے لائق نہیں ہوتے (اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ) اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان کے سوال کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ اپنے رسول سے خطاب فرمایا۔

(۳) تربیت کیلئے انذار وابشار دونوں ضروری ہیں (اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ)

(۴) جاہل اور غافل معاشرہ کیلئے بشارت سے قبل انذار ضروری ہے۔اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ (قرآن مجید میں لفظ انذار ۱۲۰ مرتبہ آیا ہے ایک سو مرتبہ صرف مکہ میں نازل ہوا)

(۵) پیغمبروں کا کام ہی ابشار وانذار تھا۔(اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ) وہ ہر ایک کیلئے اور موقع بے موقع معجزے کی فرمائش کی تکمیل کیلئے تشریف نہیں لائے تھے (لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ)

(۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حجت تمام لوگوں پر تمام کرتا ہے اور زمین کبھی بھی حجت خدا سے خالی نہیں رہتی (وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ)

(۷) انبیاء صرف زمین مشرق کے ساتھ خاص نہیں تھے۔(وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ)

(۸) ہمارے موجودہ زمانے میں بھی ہمارے لئے زندہ امام یا ہادی کے وجود کا ہونا لازمی ہے (وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ) (مجمع البیان اور کنز الدقائق میں حدیث موجود ہے کہ لفظ ''ھادٍ'' سے مراد آئمہ معصومین ہیں)

آیت نمبر 8

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ○

اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ہر مادہ کیا اٹھائے ہوئے ہے اور ارحام میں کیا کمی ہوتی ہے اور کیا اضافہ ہوتا ہے اور اُس کے ہاں ہر چیز کی ایک (معین) مقدار ہے۔

نکات

(الف) اس آیت کریمہ میں پہلی بات ہر مادہ کے حمل کے بارے میں ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کا علم رکھتا ہے (خواہ اس مادہ کا رحم ہو جس طرح انسان اور حیوان کی مادہ کا رحم ہے خواہ اس طرح کا رحم نہ ہو جیسے نباتات اور جمادات کی مادہ ہیں پھر ان موجودات کا تذکرہ

ہے جن کا رحم ہوتا ہے۔

(ب) غیض کا معنیٰ ہے (نطفه) کو جذب کر لینا یعنی اللہ تعالیٰ اس پانی سے آگاہ ہے جسے رحم اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور اس میں تبدیلیاں لاتا رہتا ہے اور اضافے کرتا رہتا ہے۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ تمام کائنات کی بارآوری کو جانتا ہے (يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى)

(۲) علم خداوندی میں تمام چیزوں کے جزئیات بھی ہیں۔ (جنین یعنی ماں کے پیٹ میں بچہ اور اس کی تمام صفات، استعداد، شکل و صورت اور اُس کی جنس کو بھی جانتا ہے۔ (يَعْلَمُ ۔۔ تَغِيْضُ ۔۔۔ وَمَا تَزْدَادُ)

(۳) نومولود کے تکامل یا نقص میں رحم مادر کا کافی عمل ہوتا ہے۔ (تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ)

(۴) تخلیق کائنات کا نظام جچے تلے پیمانے کے مطابق ہے (بِمِقْدَارٍ) یعنی اگر مدت حمل کم ہو یا زیادہ ہو جائے یا جڑواں بچے پیدا ہوں یا اس کے علاوہ بچے ناقص الخلقت پیدا ہوں یا اعضاء کا اضافہ ہو غرض اس طرح کی کمی یا زیادتی ایک بچے کے اندازے اور صحیح صحیح فارمولے کے مطابق ہوتی ہے۔

آیت نمبر 9

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ○

(وہ) پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا بزرگ و برتر ہے۔

نکات

(الف) انسان اپنی حدود میں محدود ہے شہود و غیوب اس کے دائرہ امکان میں نہیں ہیں اپنے حواس خمسہ کے اعتبار سے بہت سے جانوروں سے بھی محدود ہے لیکن وہ ذات جو غیوب و شہود کی خالق ہے اس کے بارے میں ایسی باتوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(ب) حضرت امام صادقؑ نے ''عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ'' کے بارے میں فرمایا: ''اَلْغَيْبُ مَا لَمْ يَكُنْ وَ الشَّهَادَةُ مَا قَدْ كَانَ'' غیب وہ چیز ہے جو نہ ہوا اور شہادت وہ چیز ہے جو ہو۔ (تفسیر برہان)

پیام

(۱) خداوند تعالیٰ ہر کمال کے اعتبار سے بزرگ و برتر ہے اور ہر نقص و عیب سے مبرا و منزہ اور پاک و پاکیزہ ہے (اَلْمُتَعَالِ)

آیت نمبر 10

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ

بِالنَّهَارِ ○

تم میں سے کوئی آہستہ بات کرے یا اونچی آواز سے بات کرے اور کوئی رات کے پردہ میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو (اس کیلئے) برابر ہے۔

نکات

(الف) یہ آیت کریمہ ظاہراً سابقہ آیت کی توضیح و تکمیل ہے لیکن ان آیات میں سے ایک ہے جو خداوند تعالیٰ کے علم کلی پر دلالت کرتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ تمام انسانوں کے تمام احوال و اعمال چاہے وہ بڑے ہوں یا چھوٹے خلوت میں ہوں یا جلوت میں، حتیٰ کہ انسان کے افکار و نیات سب سے آگاہ و باخبر ہے قرآن مجید بیان فرماتا ہے اگر انسان ایمان کی اس منزل پر آجائے کہ خداوند تعالیٰ اُس کے ہر حال سے ہر وقت آگاہ و واقف ہے تو یہ تقویٰ و حیا کے اعتبار سے وہ بزرگ ترین عامل ہے جو انسانی تربیت میں بہت بڑا کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس سے نیک و صالح لوگوں کیلئے تشویق کا سامان پیدا ہوتا ہے اور بدکار لوگوں کیلئے تہدید کے اسباب پیدا ہوتے ہیں اس آیت میں عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آہستہ باتوں اور خفیہ اور شبانہ کاموں کے متعلق اپنے علم کا پہلے تذکرہ کیا اور دن کو اور جلوت کے کاموں کے علم کا ذکر بعد میں کیا ہے۔

(ب) کلمہ ''سَارِبٌ'' ''سَرَب'' سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ''جاری پانی'' ہے۔ لیکن اس شخص کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جو دن کو کام کی غرض سے چلے۔

پیام

خداوند تعالیٰ کے علم کی نسبت تمام اشیاء کی طرف برابر ہے (اس کے علم کو ہم اپنے علم سے نسبت نہیں دے سکتے کیونکہ ہم بعض چیزوں کا علم زیادہ جانتے ہیں اور بعض کا کم جانتے ہیں اور بعض کو تو بالکل نہیں جانتے۔ (سَوَآءٌ مِّنْكُمْ)

آیت نمبر 11

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○

ہر شخص کے آگے اور پیچھے اپنی اپنی باری پر آنے والے محافظ فرشتے مقرر ہیں جو خدا کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت یقیناً اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے۔ اور جب اللہ کسی قوم کو بُرے حالات میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرلے تو اُس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی حامی ہوتا ہے۔

نکات

''مُعَقِّبٰتٌ'' ''مُعَقِّبَةٌ'' کی جمع ہے اس کے آخر میں جو ''تاء'' ہے وہ مؤنث کی علامت نہیں ہے بلکہ مبالغہ کیلئے ہے۔ جیسے ''علامۃ'' میں ''تاء'' مبالغہ کیلئے ہے۔ اس لئے یہ فعل ''یَحْفَظُوْنَهٗ'' کا فاعل ہے اور مذکر ہے۔ یہاں کلمہ ''مُعَقِّبٰتٌ'' ''پیچھا کرنے والے'' کے معنیٰ کیلئے استعمال نہیں ہوا اس لئے کلمہ ''بَیْنِ یَدَیْهِ'' کے ساتھ اس کا تضاد بھی نہیں بنتا بلکہ اس سے یہاں مراد وہ ملائکہ ہیں جو شب و روز یکے بعد دیگرے زمین پر آتے ہیں۔

(ب) اس آیت میں ''اَمْرِ اللّٰهِ'' سے مراد عذاب الٰہی نہیں ہے کیونکہ ملائکہ اللہ کے عذاب کے مقابلے میں انسان کی حفاظت نہیں کرتے بلکہ اس سے مراد طبعی حوادث و خطرات ہیں کیونکہ طبعیت بھی اللہ کی مخلوق ہے اور جو کچھ اس پر گزرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے و اختیار سے ہوتا ہے۔

(ج) متعدد آیات و روایات میں آیا ہے کہ بہت سے ملائکہ ہیں جو انسان کی حفاظت پر مامور ہیں اور اُس کے اعمال کو ریکارڈ میں لاتے ہیں۔ اور وہ حوادث جو اللہ تعالیٰ کے حتمی ارادہ سے مربوط نہیں ہوتے ان سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں روایات سے یہ بھی علم میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کسی انسان کے بارے میں حتمی ارادہ ہو جائے تو اُس وقت ملائکہ حوادث سے اُس کی حفاظت نہیں کرتے۔

اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے دو قسموں پر مشتمل ہیں ایک ارادہ حتمی اور دوسرا ارادہ غیر حتمی (قضا و قدر) ملائکہ صرف ان حوادث سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں جو غیر حتمی ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حفاظت انسان کے اختیار کو سلب کرنے کا سبب نہیں بنتی۔ انسانوں اور اُمتوں کی تقدیر خود ان کے اپنے اختیار میں ہوتی ہے۔

(د) فرشتوں کی حفاظت انسانی جان کی بھی ہوتی ہے اور علاوہ ازیں ان کے اعمال و کردار کی بھی ہوتی ہے۔ (اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ... یُرْسَلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً) اور اس طرح ان کے ایمان و افکار کی حفاظت کرتے ہیں اور وسواس و انحرافات شیطانی سے بچاتے ہیں (یَحْفَظُوْنَهٗ) اس حفاظت میں انسانی روح و جسم دونوں شامل ہوتے ہیں۔

(ر) امام سجاد علیہ السلام نے اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وہ گناہ جو نعمات کو تبدیل کر دیتے ہیں وہ لوگوں پر ظلم و خداوند تعالیٰ کی ناشکری اور ان نیک کاموں کا ترک کرنا ہے جو انسان کے معمولات میں شامل ہو چکے ہوتے ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

(س) یہ آیت انسانی معاشرہ کے مورد میں ہے نہ فرد انسانی کے بارے میں ہے یعنی جب معاشرہ صالح ہو جاتا ہے تو اُس پر خداوندی برکات کا نزول ہوتا ہے جب معاشرتی انحراف و بگاڑ پیدا ہو جائے تو پورا معاشرہ قہر الٰہی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جبکہ یہ قاعدہ کلیہ کسی صالح یا غیر صالح فرد پر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ یہ ممکن ہے بعض اوقات انسان تو نیک و صالح ہوتا ہے لیکن خدائی آزمائش کی وجہ سے مشکل حالات کا شکار ہو جاتا ہے یا انسان غیر صالح ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اُسے ڈھیل دے دیتا ہے تاکہ اُس کیلئے اتمام حجت ہو جائے۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد نہیں چھوڑا (لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ)

(۲) ملائکہ میں سے کچھ ایسے ملائکہ ہیں جو انسان کی محافظت کرتے ہیں (لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ)

(۳) خداوند تعالیٰ انسان کی ناگہانی حوادث سے حفاظت فرماتا ہے (لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ... يَحْفَظُوْنَهٗ) نہ ان حوادث سے جن کیلئے انسان خود زمین ہموار کرتا ہے۔ (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ)

(۴) مختلف قسم کے خطرات وحوادث انسان کو ہر وقت گھیرے میں لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ (مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ)

(۵) جب خداوند تعالیٰ انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو اس وقت تک واپس نہیں کرتا جب تک وہ ناشکری نہ کرے (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ)

(۶) بخت و مال و دولت وغیرہ کیلئے فال و نجوم کو معیار نہ بنایئے تمہاری تقدیر تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ (حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ)

(۷) خداوند تعالیٰ کی حفاظت اس وقت تک ہے جب تک انسان کُفرانِ نعمت نہ کرے بصورت دیگر وہ لطف الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے اور اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا)

(۸) ظاہری اور باطنی نعمات کے حصول کا دارومدار نفسانی کمالات اور اندرونی حالات پر ہوتا ہے (حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ) ایک اور مقام پر فرمایا ہے (وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ) اگر آبادیوں کے رہنے والے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ (سورہ اعراف ۹۶)

(۹) ارادہ الٰہی ہر ارادے سے بالاتر ہے (وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ)

آیت نمبر 12

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ○

اور وہ وہ ہے جو تمہیں ڈرانے اور اُمید سے وابستہ کرنے کیلئے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری گھٹائیں پیدا کرتا ہے۔

نکات

(۱) آسمانی بجلی اور گرج ایک طرح سے انسان کیلئے خوف و وحشت کا موجب ہیں کیونکہ بے موقع بارش آجاتی ہے، سیلاب آجاتے ہیں جو ہر طرف تباہیاں پھیلا دیتے ہیں۔ کہیں آگ بھڑک اُٹھتی ہے جبکہ دوسری طرف سے یہی گرج و چمک مسرت و نشاط کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ بارش کے برسنے سے باغات و درخت سیراب ہو جاتے ہیں ان میں زندگی کی لہر آجاتی ہے کھیت لہلہانے لگتے

ہیں۔فضا و ہوا صاف و شفاف ہو جاتی ہے۔

پیام

(۱) بجلی اور گرج اگر چہ بظاہر طبعی عوامل ہیں لیکن ان تمام عوامل کا مبداء و موجد خداوند تعالیٰ کی ذات والا صفات ہے۔(یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ)

(۲) طبعی فزکس اور کیمسٹری کے اصولوں کی دریافت ہمیں خدا پر ایمان سے نہ روک دے یا ہمارے ایمان کو کمزور نہ کر دے کیونکہ فطرت اور اُس کے قوانین اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔(یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ ۔۔یُنْشِئُ السَّحَابَ)

آیت نمبر 13

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ○

اور بادل کی گرج اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے اُس کے خوف سے تسبیح کرتے ہیں اور وہی گرتی ہوئی بجلیاں روانہ کرتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے گراتا ہے۔جب وہ لوگ اللہ کے بارے تکرار کر رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت عذاب والا ہے۔

نکات

(الف) قرآنی پیغام کے اعتبار سے تمام موجودات خداوند تعالیٰ کی تسبیح تہلیل میں مصروف ہیں اور وہ بھی اپنے علم و شعور کی بنا پر مصروف تسبیح ہیں۔تعجب کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید اس مطلب کو اس انداز میں بیان کرتا ہے کہ جس سے انسانی ذہن خود بخود متوجہ ہو جاتا ہے اور جو لوگ اس امر پر یقین نہیں رکھتے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔مثلاً

(۱) ''سَبَّحَ'' یا ''یُسَبِّحُ'' جیسے الفاظ کو قرآن کریم میں لایا گیا ہے جو تسبیح کے معنیٰ پر بڑی صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

(۲) اس مطلب کو متعدد سورتوں میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔

(۳) موجودات کی تسبیح کے مسئلہ کو سورہ کے ابتداء میں اور بسم اللہ کے بعد فوراً ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) تمام موجودات کیلئے اس معنیٰ سے ملتے جلتے اور الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جیسے موجودات کیلئے کہا گیا (كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ) (بقرہ ۱۱۶) ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ستاروں اور نباتات کے سجدہ کیلئے (وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ) ستارے اور درخت اس کو سجدہ کرتے ہیں۔(رحمن ۶) زمین و آسمان کیلئے کہا گیا (قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ) ان دونوں سے کہا ہمارے پاس اطاعت کرتے ہوئے آؤ۔(فصلت ۱۱) تمام موجودات اپنی نماز اور تسبیح سے آگاہ ہیں۔(كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ) ان میں سے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔(نور ۴۱)

(۵) انسان کو خطاب ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں جانتے (وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ) ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (اسراء ۴۴)

(۶) "محال" "حیلہ" سے مشتق ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ موجودات میں سے ہر نوع کی چارہ جوئی اور تدبیر مخفی ہے کیونکہ چارہ جوئی اور تدبیر کیلئے علم وقدرت کا ہونا ضروری ہے لہذا مفسرین نے "شَدِیْدُ الْمِحَالِ" کا معنیٰ "شَدِیْدُ الْقُوَّۃِ وَ الْعَذَابِ" کیا ہے۔

(۷) بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد اکٹھے بیان ہوئے ہیں جیسے "وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ" ایک اور آیت "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ" اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثناء میں تسبیح نہ کرتی ہو۔ (بنی اسرائیل ۴۴) اس لئے ہم بھی رکوع اور سجود میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَ بِحَمْدِہٖ اور "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَ بِحَمْدِہٖ" کا ذکر کرتے ہیں۔

(۸) اہل سنت کی بہت سے روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بادل کی گرج سنتے تو اپنا سلسلہ کلام منقطع فرماتے اور دعا میں مشغول ہو جاتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی دعا کی مشغولیت کا حکم دیتے۔ (تفسیر درمنثور)

(۹) کبھی کبھار گرج گناہ گار اُمتوں پر عذاب الٰہی بن کر نازل ہوئی جیسے قوم ثمود پر (فَاَخَذَتْھُمْ صٰعِقَۃُ الْعَذَابِ الْھُوْنِ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ) تو انہیں ان کے اعمال کے سبب ذلت آمیز عذاب کی بجلی نے گرفت میں لے لیا۔ (فصلت ۱۷)

پیام

(۱) بادل کی گرج بھی فرشتوں کی مثل شعور و آگاہی کے تحت خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ کیونکہ "رعد" اور "فرشتے" کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں (وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ)

(۲) ملائکہ کی تسبیح خوف خدا کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ (مِنْ خِیْفَتِہٖ)

(۳) بادل کی گرج کا پیدا ہونا اور کسی کو اپنی لپیٹ میں لینا اچانک نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اسی کے قوانین کے مطابق ہوتا ہے (وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِھَا مَنْ یَّشَآءُ)

(۴) ہٹ دھرم اور ضدی انسان جیسے لوگوں کو بجلی جیسی خطرناک چیز بھی باز نہیں رکھ سکتی (یُجَادِلُوْنَ)

(۵) خداوند تعالیٰ کے ساتھ کبھی بھی تمہیں دھوکہ، فریب جنگ و جدال کا خیال تک بھی نہ آئے کیونکہ اس ذات سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ (وَھُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ)

(۶) ہر حیلہ اور تدبیر میں برائی نہیں ہوتی بعض اوقات کچھ لوگوں کے خلاف سخت تدبیریں اور منصوبہ بندی ضروری ہو جاتی ہے۔ (وَھُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ)

آیت نمبر 14

لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ

كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○

صرف اللہ کو پکارنا برحق ہے اور اُسے چھوڑ کر جنہیں وہ پکارتے ہیں وہ انہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے ایسے ہی جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ پانی اس کے منہ تک خود بخود پہنچ جائے۔ حالانکہ وہ اُس تک پہنچنے والا نہیں ہے۔ اور کافروں کی (اُس طرح کی) پکار بے فائدہ ہے۔

نکات

(ا) قرآن مجید نے متعدد مقامات پر انسان کو اللہ کی عبادت کی دعوت دی ہے اور اُسے غیر اللہ سے دُوری کا درس دیا ہے اور اس کے علاوہ اس امر کیلئے تیار کیا ہے کہ اُسی ذات کو وہ اپنا مرکز ٹھہرائے اس لئے ارشاد فرمایا اگر انسان صرف مجھے پکارے گا تو میں اُسے جواب دوں گا (اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ) دُعا کرنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں) (بقرہ ۱۸۶) اگر وہ میرے علاوہ کسی اور کو پکارے گا اور ان سے اپنی حاجت روائی چاہے گا تو وہ اس کی بات نہیں سنیں گے اگر وہ سن بھی لیں تو اس کی بات پر عمل نہیں کریں گے (اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ) اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے (فاطر ۱۴)

(ب) اس ناتوان و محدود انسان کو اپنی حوادث بھری زندگی میں ایک قابل اطمینان پناہ گاہ کی ضرورت ہے انبیاء علیہم السلام نے اُسے اس قسم کی حقیقی پناہ گاہ سے متعارف کرادیا۔ ''لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ'' اس ذات کے علاوہ باقی لوگوں (طاغوتوں) کی مدد استعمار کیلئے ہوتی ہے یا استثمار کیلئے ہوتی ہے یا اپنے پروپیگنڈے یا اپنے مشن کی حفاظت کیلئے ہوتی ہے اگر ان کے نزدیک کوئی چیز بے وقعت ہے تو وہ صرف انسان ہے۔

(ج) انسان فطری طور پر حق کا پیاسا اور حقیقت کا متلاشی ہے۔ (لِيَبْلُغَ فَاهُ) لیکن وہاں تک رسائی کی راہوں کو گم کر بیٹھتا ہے لیکن جو چیز اُسے سکون دے سکتی ہے وہ صرف اور صرف خدا پر ایمان اور اس سے عشق و علاقہ، دعا اور مناجات ہے (وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ) اللہ کے علاوہ سب دھوکہ اور اس کے بغیر کسی اور کو پکارنا حماقت ہے۔

پیام

(ا) صرف اور صرف خدا کی طرف چلیے غیروں کا پیچھا چھوڑیئے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں (لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ)

(۲) لوگوں کے شرک کا بنیادی عامل ان کے باطل تصورات ہیں (كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ ... وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ)

(۳) جو شخص خالص و مخلص ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے تو وہ ذات اس کے دامن کو بھر دیتا ہے اور جو شخص غیر خدا سے مانگتا ہے وہ خائب و خاسر رہتا ہے۔ (لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ... وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ)

آیت نمبر 15

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○

اور وہ جو آسمانوں اور زمین میں رہنے والے سب شوق سے یا جبر سے اور ان کے سائے بھی صبح و شام اللہ ہی کا سجدہ کرتے ہیں۔

نکات

(ا) لفظ ''مَنْ'' ذوی العقول کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ لفظ ''مَا'' غیر ذوی العقول کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن دوسری آیات میں جو اس آیت کے مشابہ ہیں لفظ ''مَا'' کا استعمال ہوا ہے۔ جیسے ''وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ'' جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کیلئے سجدہ کرتی ہیں۔ (نحل/۴۹) اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں بھی تمام موجودات کا سجدہ مراد ہے اس آیت میں لفظ ''ظِلَال'' موجود ہے جو ذوی العقول میں سے نہیں ہے۔

(ب) ممکن ہے کہ سایہ کے سجدہ سے مراد اُس کا زمین پر ہمیشہ گرا رہنا ہو جس طرح فارسی میں ایک مثال استعمال ہوتی ہے۔ ''سدو سوارہ می رود، غنچہ پیادہ می رود۔ سرو سوار ہو کر چلتا ہے اور غنچہ پیدل چلتا ہے۔

(ج) ''اصال'' اصل کی جمع ہے اور وہ ''اصیل'' کی جمع ہے اصل کا معنیٰ ہے انتہا یعنی دن کا آخری وقت۔

پیام

(ا) کائنات کا ذرہ ذرہ رب کائنات کا سجدہ کرنے والا ہے اور اسی کا مطیع ہے تو پھر ہمیں کیا ہے کہ اس کی اطاعت نہ کریں اور اس کا سجدہ نہ کریں۔ (وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا ...)

(۲) سجدہ صرف اور صرف اللہ ہی کیلئے ہے (وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا ...)

(۳) مومن کا سجدہ اپنے خدا سے عشق و علاقہ کا سجدہ ہوتا ہے اور دوسروں کا سجدہ اپنی ضرورت، مجبوری اور تذلل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (طَوْعًا وَّ كَرْهًا)

(۴) اگر تمام موجودات اس کی اطاعت و اتباع میں آجائیں تو ان کے تمام آثار و عواض بھی اور اعمال و کردار بھی خدائی اطاعت کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ (وَّظِلٰلُهُمْ)

(۵) موجودات کا سجدہ دائمی ہے۔ (يَسْجُدُ .. بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ)

آیت نمبر 16

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ

عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○

ان سے پوچھیئے آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ کہہ دیجیے اللہ ہے۔ (تو ان سے) کہہ دیجئے تو پھر کیا تم نے اللہ کے سوا ایسوں کو اپنا اولیاء بنالیا ہے جو اپنے نفع ونقصان کے بھی مالک نہیں ہیں؟ (ان سے) کہہ دیجئے کیا بینا اور نابینا یکساں ہو سکتے ہیں۔ کیا تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے۔ کیا ظلمت اور نور برابر ہو سکتے ہیں جنہیں ان لوگوں نے اللہ کا شریک بنایا ہے کیا انہوں نے اس مخلوق کی طرح خلق کیا جس کی وجہ سے پیدائش کا مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا؟ کہہ دیجئے اللہ ہی ہر چیز کا خلق کرنے والا ہے اور وہ یکتا اور غالب آنے والا ہے۔

نکات

(الف) سوال و جواب کے انداز میں مسائل کا بیان کرنا تبلیغی، تربیتی اور تعلیمی طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اس طریقہ کار کی طرف قرآن مجید نے زیادہ زور دیا ہے۔ (قُلْ مَنْ ...)

(ب) روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا تاریک رات میں سیاہ پتھر پر سیاہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ (بحار، ج ۷۲، ص ۹۳) اس کا نمونہ یہ ہے جب انسان کہے یہ کام خدا اور فلاں آدمی کی مہربانی سے ہوا ہے۔

پیام

(۱) مشرکین اس قدر متعصب ہوتے ہیں کہ واضح ترین سوالات کا جواب بھی نہیں دیتے اس لئے پیغمبر اکرمؐ کو ہی ان سوالات کا جواب دینا پڑا (قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... قُلِ اللّٰهُ)

(۲) کفار صرف اللہ کی خالقیت کے قائل ہیں (وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ... لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ) (سورہ عنکبوت ۶۱) اللہ کے علاوہ دوسروں کو مدبر کائنات جانتے ہیں۔ (قُلْ مَنْ رَّبُّ ....)

(۳) انسان کیلئے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ نفع کو جلب کرے اور ضرر کو دفع کرے اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ اپنے نفع و نقصان کیلئے مخلوق کی اطاعت کرے (مَلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا)

(۴) جب کوئی حق کو جان لے اور قبول نہ کرے تو وہ آنکھوں سے بھی اندھا ہے اور دل سے بھی اور وہ اندھیر نگری میں رہ رہا ہے۔ (هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ)

(۵) اللہ کے علاوہ کوئی اور آفریدگار جہاں نہیں ہے کہ ہم مخلوق کی پہچان میں دھوکہ کھا جائیں (فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ)

آیت نمبر 17

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا

يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ○

اس نے آسمانوں سے پانی اتارا تو ندی نالے اپنی مقدار کے مطابق بہنے لگے۔ پھر سیلاب نے پھولے ہوئے جھاگ کو اُٹھایا۔ اور ان (دھاتوں) پر بھی اسی طرح کی جھاگ اُٹھتی ہے جنہیں لوگ زیور اور سامان بنانے کیلئے آگ میں گرم کرتے ہیں اس طرح اللہ حق و باطل کی مثال کو واضح فرماتا ہے پھر جو جھاگ ہے وہ تو بے کار ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور جو چیز لوگوں کے فائدے کی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے اللہ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے۔

نکات

(الف) اس آیت میں باطل کے تعارف کیلئے دو مثالیں پیش کی گئیں ہیں ایک مثال تو اس جھاگ کی ہے جو پانی کے اوپر آجاتی ہے اور دوسری اُس جھاگ کی ہے جو دھاتوں کے پگھلتے وقت ان کے اوپر آجاتی ہے اور انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔

(ب) باطل جھاگ کی مانند ہے کیونکہ

(۱) وہ جھاگ کی مانند جلد معدوم ہو جاتا ہے۔

(۲) سایہ حق کے نیچے رہتا ہے۔

(۳) حق کو عارضی طور پر چھپا دیتا ہے۔

(۴) اس کا ظاہر تو بڑا خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی پائداری نہیں ہوتی جس طرح جھاگ نہ تو پیاسے کی پیاس بجھا سکتی ہے اور نہ اُس کی وجہ سے روئیدگی ہوتی ہے یہی حال باطل کا ہے۔

(۵) حالات و شرائط کے خاتمے پر خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

(۶) بہت اونچا جا کر خوب شور و شین سے کام لیتا ہے لیکن ڈھول کی طرح خالی خولی ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس امر کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ

(ا) بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ (انبیاء ۱۸) بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر کچل دیتا ہے۔

(ب) وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ (شوریٰ ۲۴) اللہ باطل کو نابود کر دیتا ہے۔

(ج) وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ (سباء ۴۹) اور باطل نہ تو پہلی بار ایجاد کرتا ہے اور نہ ہی دوبارہ پلٹ سکتا ہے۔

(د) اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (اسراء ۸۱) باطل تو مٹ جانے والا ہے۔

(ذ) وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، حق آ گیا اور باطل چلا گیا۔

(ر) مثال و تمثیل کے ذریعے عقلی مسائل بہت جلد فہم میں آجاتے ہیں یہ طریقہ ہٹ دھرم لوگوں کو خاموش کرا دیتا ہے لہذا قرآن کریم نے اس طریقہ کو بہت زیادہ استعمال کیا۔

پیام

(۱) فیض الٰہی کا دریا رواں دواں ہے ہر کس اپنے ظرف و وسعت کے مطابق استفادہ کرتا ہے۔(اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا)

(۲) ضروری وسائل (مَتَاعٍ) اور رفاہی مسائل (حِلْیَةٍ) کی تیاری و تلاش لائق تحسین ہیں۔(وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ)

(۳) حوادث کی بھٹی میں خالص و ناخالص اُمور وافراد واضح ہوجاتے ہیں اس طرح حق و باطل ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے ہیں۔ (یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ ۔۔ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ)

(۴) باطل کا وجود کسی خاص جگہ اور کسی خاص موقع سے تعلق نہیں رکھتا (جھاگ جہاں سیلاب پر ظاہر ہوتی ہے وہاں پگھلی ہوئی دھاتوں پر بھی اُبھر کر سامنے آتی ہے۔(زَبَدٌ مِّثْلُهٗ)

(۵) باطل کا سرچشمہ ناخالص ہوتا ہے جس سے حق و حقیقت آلودہ ہوجاتے ہیں (یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ)

(۶) حق و باطل روز ازل سے دست بگریبان چلے آرہے ہیں آخر کار باطل کو راہ فرار اختیار کرنا ہوتا ہے۔(فَیَذْهَبُ جُفَآءً)

(۷) لوگوں کے مفادات کی ضمانت صرف حق کے پاس ہے (مَا یَنْفَعُ النَّاسَ)

(۸) حق کو پائیداری و ثبات حاصل ہے (یَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ)

(۹) ہر دولت و ثروت اور حکومت و اقتدار اور دانش و حکمت اور احباب جن سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں وہ لازوال ہوتے ہیں (مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ)

(۱۰) جو کچھ خداوند تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ وہ بارش کی طرح خالص و حق ہوتا ہے لیکن جونہی وہ مادی چیزوں سے آمیختہ ہو جاتا ہے تو ناخالص بھی بن جاتا ہے اور باطل اور جھاگ کی پیدائش کا سبب بھی ہوجاتا ہے (اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً)

آیت نمبر 18

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰی ؕ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

اور جو لوگ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں ان کیلئے بہتری ہے اور جنہوں نے اُس کی دعوت قبول نہ کی وہ اگر ان سب چیزوں کے مالک بن جائیں جو زمین میں ہیں اور اتنی دولت اور بھی ان کے ساتھ ہو تو وہ آخرت میں ان سب کو اپنی نجات کیلئے بطور فدیہ

کے دے دیں لیکن ایسے لوگوں کا بہت برا حساب ہوگا اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔

نکات

(الف) قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حساب وکتاب چند طریقوں سے ہوگا۔

(۱) کچھ لوگ وہ ہونگے جن کا حساب نہایت ہی آسان ہوگا (حِسَابًا يَّسِيْرًا) (۱)

(۲) کچھ وہ لوگ جن کا حساب سخت ترین ہوگا (حِسَابًا شَدِيْدًا) (طلاق ۸) "سوءُ الحساب" سوءالحساب سے مراد حساب کی سختی ہے۔

(۳) بعض لوگ بغیر حساب دوزخ میں داخل کیئے جائیں گے ان کیلئے کوئی عدالت نہیں لگائی جائے گی (فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا) (کھف ۱۰۵)

(۴) کچھ خاصان خدا ایسے ہوں جو بغیر حساب جنت میں داخل کیئے جائیں گے۔ (اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ) (زمر ۱۰)

(ب) ایسی روایات واحادیث موجود ہیں جن میں آیا ہے کہ جو لوگ دوسرے لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کا حساب کتاب نہایت آسان ہوگا مشرکین بغیر کسی حساب کے جہنم میں داخل ہوں گے اس طرح صابرین بھی بلاحساب بہشت میں داخل ہوں گے۔ (کتاب معاد از مؤلف تفسیر نور)

(ج) قرآن مجید کا استجابت کے اعتبار سے ایک اور پہلو بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگیں اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے ان کی حوائج برلائے تو جب اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول انہیں پکارے تو ان کی پکار پر انہیں بھی لبیک کہنا چاہیے (اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ) (انفال ۲۴) اس عنوان کی دو اور آیات بھی ہیں (فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ) ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا (انبیا ۸۸) (فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ) ان کے پروردگار نے ان کی دعاؤں کو قبول فرمایا (آل عمران ۱۹۵)

دعوت کی اقسام

(۱) دعوت کی مختلف اقسام ہیں۔

(۱) حق کی طرف دعوت دینے والے

(الف) انبیأ کرام علیہم السلام (اُدْعُوْ اِلَى اللّٰهِ) میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں (یوسف ۱۰۸) (وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ) رسول تمہیں دعوت دیتا ہے (آل عمران ۵۳) (دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ) اس کی اجازت سے اللہ کی طرف بلاتا ہے (احزاب ۶)

(ب) مومنین (وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ) تم اس گروہ میں سے بن جاؤ جو خیر کی طرف دعوت دیتے ہیں (آل عمران ۱۰۴)

(ج) جن (يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ) اے ہماری قوم اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہو (احقاف ۳۱)

(۲) باطل کی طرف دعوت دینے والے

(ا) آئمہ کفر (اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ)

(ب) شیطان (كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ) شیطان انہیں بلاتا رہتا ہے (لقمان ۲۱) (مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ) میرا تم پر کوئی تسلط نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں پکارا تھا (ابراہیم ۲)

(ج) مشرکین (اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ) یہ وہ ہیں جو جہنم کی طرف بلاتے ہیں (سورہ بقرہ ۶)

دعوت کا موضوع:

(الف) زندگی (دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ) تمہیں بلاتے ہیں تاکہ تمہیں زندہ کردیں (انفال ۲۴)

(ب) راہ مستقیم (لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ) تاکہ تمہیں نجات کی طرف دعوت دیں۔ (مومنون)

(ج) مغفرت (وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ) اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے (بقرہ ۲۲۱)

(د) جنت (وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ) اور اللہ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ (یونس ۲۵)

(ر) نجات (اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ) میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں (غافر ۱)

(۳) دعوت حق کے خلاف مخالفین کا رویہ:۔

(الف) تہمت

(ا) ساحر: (اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ) یقیناً یہ صاحب علم جادوگر ہے (سورہ اعراف ۱۰۹)

(۲) شاعر: (بَلْ هُوَ شَاعِرٌ) بلکہ وہ شاعر ہے (سورہ انبیاً ۵)

(۳) کاھن: (فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ) یقیناً آپ اپنے رب کی نعمت کے کاھن نہیں ہیں (سورہ طور ۲۹)

(۴) دیوانہ: (اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ) اور وہ کہتے ہیں کہ آپؐ دیوانہ ہیں (سورہ حجر/۶)

(۵) جھوٹا: (لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ) یقیناً ہم تمہیں جھوٹوں میں سے جانتے ہیں (اعراف ۲۶)

(۶) اقتدار کا بھوکا: (يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ) تم پر اقتدار حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ (مومنون ۲۴)

(ب) دھمکی:۔

(ا) (لَنَرْجُمَنَّكَ) ہم تم پر ضرور سنگ باری کریں گے (ھود ۹۱) (اَوْ يَقْتُلُوْكَ) یا آپ کو قتل کردیں گے (انفال ۳۰)

(۲) تحقیر: (اَهٰذَا الَّذِيْ ...) کیا یہ وہی ہے؟ (انبیاً ۳۶)

(۳) شک وشبہ: (اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ) کیا تم جانتے ہو کہ صالح اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے (اعراف/۷۵)

(۴) سازشیں اور جنگ:۔ (وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ) جب کفار سازشیں کرتے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا قتل کردیں یا شہر سے نکال دیں۔ (انفال ۲۹)

(۴) دعوت قبول نہ کرنے کی عوامل:۔

(الف) آباؤ اجداد کی اندھی تقلید

(ب) تعصب

(ج) تکبر

(د) نفسانی خواہشات (فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَهۡوَآءَهُمۡ) اگر وہ دعوت کو قبول نہ کریں تو جان لیجیئے کہ یہ صرف اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ (قصص/۵۰)

(۵) دعوت کو قبول کرنے کے ثمرات:

(الف) اجر وثواب:۔ (وَیَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ) اور ان لوگوں کیلئے اپنے فضل وکرم کو زیادہ کر دیتا ہے۔ (نساء ۱۷۳)

(ب) حیات:۔ (دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ) جب تمہیں اس امر کی طرف دعوت دیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔ (انفال ۲۴)

(ج) حُسن زندگی: (لِلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمُ الۡحُسۡنٰی) جو لوگ اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں ان کیلئے نیکی ہے۔ (رعد/۱۸)

پیام

(۱) اچھائیاں مومن کے انتظار میں ہیں (الۡحُسۡنٰی)

(۲) قیامت کے دن نہ تو سودے بازی کا نظام ہوگا اور نہ عوض وفدیہ کی بات ہوگی (لَافۡتَدَوۡا بِهٖ)

(۳) دعوت خداوندی کو رضا کارانہ اور شوق ورغبت سے قبول کرنا چاہیے (اسۡتَجَابُوۡا)

آیت نمبر 19

اَفَمَنۡ یَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ کَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰی ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۙ﴿۱۹﴾

تو کیا وہ جو جانتا ہے جو آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے اس شخص کی مثل ہوسکتا ہے جو نابینا ہے؟ نصیحت تو صرف صاحبان عقل ہی قبول کرتے ہیں۔

نکات

(الف) اس آیت سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو انبیاؑ علیہم السلام کی زندگی عطا کرنے والی دعوت کو قبول کرتے ہیں

یہ اور اُس کے بعد والی آیات اس دعوت کی قبولیت کے اثرات کو واضح کر رہی ہیں۔

(ب) انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے عقل وعلم کی وجہ سے صاحب فکر ہے لیکن بعض اوقات عادات اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے یہ صفات مغلوب ہو جاتی ہیں اس لئے انسان کو ہمیشہ اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ اُس کے مرکزی نقطے پر پردے نہ پڑیں۔ (تفسیر فرقان)

قرآن مجید میں صاحبان عقل وخرد کی نشانیاں

(۱) قرآن مجید میں ''اُولُوا الْاَلْبَابِ'' کا لفظ قرآن مجید میں سولہ مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ ایک خصوصی وصف وکمال کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

(۱) صاحبان عقل وخرد احکام الٰہی کی حکمت سے آگاہ ہیں (وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ) اے صاحبان عقل! قصاص میں تمہاری زندگی (کا راز پوشیدہ) ہے۔

(۲) وہ مستقبل پر نگاہ رکھتے ہیں۔ (وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ) اپنے لئے زادراہ مہیا کرو کیونکہ بہترین زادراہ تقویٰ ہے اور اے صاحبان عقل مجھ سے ڈرتے رہنا۔ (بقرہ/۱۹۷)

(۳) اس دنیا کو صرف گزرگاہ سمجھو اس کو ابدی منزل اور مقصد خیال مت کرنا (لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ ۔۔ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا) صاحبان عقل وہ ہیں جو آسمان اور زمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں خدایا! تو نے یہ سب کچھ بیکار پیدا نہیں فرمایا۔ (آل عمران ۱۹۱)

(۴) تاریخ انسانی سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ (لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ) ان کے قصے اور داستانوں میں صاحبان خرد کیلئے سامان عبرت ہے۔ (یوسف ۱۱۱)

(۵) بہترین اور معیاری باتوں کو قبول کرتے ہیں۔ (الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ ۔۔۔ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ)

جو باتوں کو غور سے سنتے ہیں اور ان میں اچھی اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ ہی صاحبان عقل ہیں۔ (زمر ۱۸)

(۶) یہ لوگ شب زندہ دار اور عبادت گزار ہوتے ہیں (اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ ۔۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ) جو شخص رات کی گھڑیوں میں خدا کی بندگی کرتا ہے صرف صاحبان عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (زمر/۹)

پیام

(۱) قرآن کریم ایسے انسان کو اندھا سمجھتا ہے جو حق سے بے خبر ہو اس لئے قرآن نے ''كَمَنْ هُوَ لَا يَعْلَمُ'' (اس شخص کی طرح ہے جو نہیں جانتا) کی بجائے (كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى) کہا ہے کہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو اندھا ہے۔

(۲) دین فطرت انسان کے عین مطابق ہے صرف تذکر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ غفلت کی وجہ سے پردے نہ پڑ جائیں۔ (اِنَّمَا

یَتَذَکَّرُ ۔۔۔)

(۳) وہ عقل جو انسان کو آسمانی کتاب کی حقانیت تک رسائی نہ دے وہ عقل نہیں ہے۔(اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ)

(۴) تعقل اور تذکر ہی سے منافع بخش علم حاصل ہوتا ہے۔(اَفَمَنْ یَّعْلَمُ۔۔یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ)

(۵) عقل سلیم اور فطرت خالص تک رسائی حاصل کرنے کیلئے گناہ اور غفلت کی زندگی سے کنارہ کشی لازمی ہے۔ (اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ)

آیت نمبر 20

الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ○

جو (لوگ) اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے۔

نکات

(الف) "عَهْدَ اللّٰهِ" حق اور عدل الٰہی کے ساتھ عشق وعلاقہ جیسے فطری وعدہ کا نام ہے اس طرح یہ کلمہ عالم ہستی، مبداء اور معاد کے حقائق کے ادراک جیسے عقلی میعاروں کو بھی شامل ہے اور واجبات پر عمل کرنے اور محرمات سے محفوظ پروگرام جیسے معاہدات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کلمہ کا اطلاق ان عہدوں پر بھی ہوتا ہے جو انسان ایک دوسرے کے ساتھ باندھتے ہیں اور جن کی ادائیگی اللہ نے واجب قرار دی ہے۔(تفسیر نمونہ)

(ب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ عُہدوں میں سے ایک اہم ترین عَہد الٰہی رہبروں کی امامت ورہبری بھی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے متعدد آزمائشوں میں کامیابی حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عہدہ امامت عطا فرمایا جب انہیں یہ عہدہ ملا تو آپ نے خداوند تعالیٰ کے حضور اپنی اولاد کیلئے اس عہدے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ''مقام امامت'' کی عظمت کو بیان کرنے کیلئے یہ نہیں فرمایا کہ یہ ظالم لوگ اس تک نہیں پہنچ سکیں گے بلکہ فرمایا ''لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ'' (میرا عہد (امامت) ظالموں تک نہیں پہنچ پائے گا)

(ج) "میثاق" اس چیز کا نام ہے کہ جس کے ساتھ انسان وثوق اور اطمینان پیدا کرتا ہے کیونکہ ایک الٰہی رہبر کے وجود سے انسانوں کے قلوب اور ان کی جانوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے لہذا اس کو بھی میثاق کہا جاتا ہے۔

(د) والدین کا احترام، امانتوں کا ان کے مالکوں تک پہنچانا جیسے عہد و پیمان کو نہ صرف اسلامی حقوق میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ انہیں انسانی حقوق میں جگہ دی گئی ہے۔لہذا ہر صاحب عقل وخرد کیلئے لازم ہے کہ ان کی پابندی کرے۔

پیام

(۱) عقل سلیم انسان کو دین خداوندی کا وفادار بناتی ہے۔(اُولُوا الْاَلْبَابِ۔۔۔الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ)الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ

وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ)

(۲) عہد و پیمان کی پاسداری عقل وخرد کے آثار میں شمار ہوتی ہے۔(اُولُوا الْاَلْبَابِ۔۔۔الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ)

(۳) معاشرتی عہد و پیمان کی پاسداری مومن عاقل کی خصوصیات میں سے ہے۔ (وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ)

آیت نمبر 21

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ○

اور اللہ نے جن رشتوں کے قیام کا حکم دیا ہے وہ انہیں قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے بھی خائف رہتے ہیں۔

نکات

(الف) روایات میں آیا ہے کہ جن روابط کے قیام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان میں سے ایک صلہ رحمی بھی ہے یعنی خانوادگی تعلقات کا بحال رکھنا اور مذہبی تعلقات، الٰہی رہبروں اور پیشواؤں کے ساتھ دائمی اور گہرے تعلقات کو قائم رکھنا یہ خط ولایت کی اطاعت و پیروی ہے۔ (تفسیر صافی)

(ب) جب اس موجودہ دور پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اس دور کی اہم ترین ضروریات کا بہترین اور مضبوط ترین سرمایہ یعنی تیل کی دولت ان کے قدموں میں ہے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کا مرکز و محور عشق و وحدت (خانہ کعبہ) ان کی آنکھوں کے سامنے ہے اور بہترین مکتب و منطق (اسلام) کی دولت و عزت سے بھی مالا مال ہیں ان تمام اسباب کے باوجود بھی شکست خوردہ ہیں اور نام نہاد سپر طاقتوں کے زیر تسلط ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ الٰہی رہبروں سے مربوط نہیں ہیں۔ اس لئے سورہ بقرہ کی آیت ۲۷ کے مطابق ''وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ'' (خدا نے جن تعلقات کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑ دیتے ہیں) کے ساتھ ہیں (وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ) زمین میں فساد برپا کرتے ہیں'' کا ذکر بھی ہے ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف قطع رحمی سے زمین میں فساد برپا نہیں ہوتا بلکہ خدا کی طرف سے مقرر شدہ رہبروں اور راہنماؤں کی حکومت کو تسلیم نہ کرنے سے ہی اسلامی معاشرہ طاغوت کے چنگل میں گرفتار ہو کر تباہی و بربادی کے دھانے پر پہنچ سکتا ہے۔

(ج) جن اُمور کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے مربوط رہنے کا حکم دیا ہے اُن میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) علماء کے ساتھ علمی تعلقات جیسے ''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے دریافت کرو (نحل ۴۳)

(۲) لوگوں کے ساتھ معاشرتی تعلقات جیسے ''اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا'' صبر کرو صبر کی تعلیم دو اور جہاد کیلئے تیار رہو۔ (آل

عمران ۲۰۰)

(۳) والدین کے ساتھ محبت وشفقت سے بھرپور تعلقات، جیسے ''وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا'' والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (بقرہ ۸۳)

(۴) ضرورت مند افراد کے ساتھ مالی تعلقات جیسے ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا'' کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے (بقرہ ۲۴۵)

(۵) معاشرتی اُمور کو چلانے کے تعلقات جیسے ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ'' اور ان سے مشورہ کرو۔ (آل عمران ۱۵۹)

(۶) اسلامی حکمران اور اُس کی حکومت سے تعلقات ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ'' اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ (نساء ۵۹)

(۷) اہل ایمان کے ساتھ تمام وجوہات کے ساتھ تعلقات جیسے ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' تم مسلمانوں کیلئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے۔

(۸) اولیاء خدا کے ساتھ معنوی رابطہ (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)

صلہ رحمی

(۱) صلہ رحمی اپنے مفہوم کے اعتبار سے کافی وسعت رکھتا ہے جہاں رشتہ داروں سے میل ملاقات کا حکم ہے وہاں ان کے ساتھ مالی تعاون کی سفارش بھی ہے حضرت امام صادقؑ کا فرمان ہے کہ ''جہاں انسان کے اموال پر زکواۃ واجب ہے وہاں دوسرے حقوق بھی ہیں جن کی ادائیگی واجب ہے پھر آپ نے اسی مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر صافی)

شاید آپ کی دوسرے حقوق سے مراد خمس ہو۔

(۲) صلہ رحمی کی اہمیت کے پیش نظر اتنا ہی کافی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اُسے اپنے ذِکر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اور اُس اللہ کا خوف کرو جس کا نام لے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت داروں کے بارے میں بھی (پرہیز کرو) (سورہ نساء ۱)

(۳) ''اَرْحَامْ'' کا لفظ بھی وسیع مفہوم رکھتا ہے صرف خاندان اور رشتہ داروں میں منحصر نہیں ہے اس میں عظیم تر اسلامی معاشرہ بھی شامل ہے جس میں تمام افراد اُمت برابر شامل ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں (حجرات ۱۰) جن کے والد بزرگوار پیغمبر اسلامؐ اور امام علیؑ ہیں اس بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا ''اَنَا وَ عَلِيٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ'' (بحار، ج ۲۳، ص ۲۹۵)

(۴) حضرت امام صادقؑ جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو اُس وقت آپ نے حکم دیا کہ میرے اُن اقارب کو میرے طرف سے ہدیہ دیا جائے جنہوں نے میری قرابت کا خیال نہیں رکھا'' جب اس امر کی تعمیل پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تھا تو آپؑ نے مندرجہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی تھی۔ (تفسیر نور الثقلین)

ایسے احکام ہمیں اس بات کا درس دیتے ہیں کہ صلہ رحمی کے شرائط میں یہ بھی نہیں ہے کہ جو رشتہ دار ہم سے تعلق نہیں رکھتے تو ہم بھی ان سے صلہ رحمی نہ کریں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

(۵) "وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ" اور "وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ"، کی توضیح وتشریح میں یہ عرض ہے اگر چہ ''خشیت'' اور ''خوف'' بعض مقامات پر مترادف اور متشابہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ دونوں سے ایک ہی معنیٰ مراد لیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت ان دونوں کے درمیان فرق ہے اور فرق یہ ہے ''خشیت'' سے مراد وہ قلبی خوف اور تاثر ہے جو کسی انسان کے دل میں کسی شخصیت کی عظمت اور احترام کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جبکہ ''خوف'' کے معنیٰ میں اس سے زیادہ وسعت پائی جاتی ہے اور ہر طرح کے ڈر اور خوف کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ایک دوسرے لحاظ سے کسی تلخ حادثہ کے موقع پر ''خشیت'' کا استعمال ہرگز نہیں ہوتا مثلاً انسان کبھی یہ نہیں کہتا کہ مجھے سردی یا بیماری وغیرہ سے ''خشیت'' ہے جبکہ سردی، گرمی، بیماری جیسے اُمور کے موقع پر ''خوف'' کے لفظ کا استعمال عام ہے لہذا یہ کہنا بجا ہوگا کہ خشیت صرف عالم لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور خوف ہر شخص کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم فرماتا ہے ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓاءُ'' اللہ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر ۲۸)

پیام

(۱) مذہبی اور الٰہی تعلقات کی برقراری اور ان کی حفاظت عقل سلیم کی علامت ہے (اُولُوا الْاَلْبَابِ۔۔۔ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ)

(۲) ہمیں صرف اور صرف حکم الٰہی کی تعمیل کیلئے اپنے عزیز واقارب سے اپنے تعلقات بحال رکھنے چاہئیں خواہ وہ ہم سے قطع تعلقی کیوں نہ کریں (مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ)

(۳) دید اور بازدید کے سلسلے میں گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب ضروری ہے۔ جن میں سے ایک گناہ آنکھوں سے اشارہ کرنا اور کن انکھیوں سے دیکھنا بھی ہے۔ (يَصِلُوْنَ۔۔۔ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ)

(۴) عظمت الٰہی کو سامنے رکھ کر اس سے ڈرنا چاہئے اور اس کی سزا سے بچنا چاہئے۔ (وَيَخْشَوْنَ۔۔۔ وَيَخَافُوْنَ)

(۵) قطع رحمی حساب کی شدت کا سبب ہے (يَصِلُوْنَ۔۔ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ)

آیت نمبر 22

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ○

اور جو لوگ اپنے رب کی رضا کی خاطر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں اور اچھائی سے برائی کو دور کرتے ہیں آخرت کا گھر ایسے ہی لوگوں کیلئے ہے۔

نکات

(ا) کلمہ ''صَبْر'' بھی ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جہاں صبر کا مفہوم مشکلات پر صبر کرنا ہے وہاں عبادات کو پابندی سے ادا کرنے، گناہوں کا مقابلہ کرنے، مصائب میں بردباری اپنانے، اطاعت میں سرِتسلیم خم کرنے اور نعمات کے حصول پر تکبر وغرور سے اجتناب کرنے کو بھی شامل ہے۔

(ب) ''وَجْهِ رَبِّهِمْ'' کے معنیٰ ہیں پروردگار عالم کی توجہ اور رضامندی کا حصول۔

(ج) نماز کو ادا کرنا ''عَهْدَ اللهِ'' کے مصداقوں میں سے ایک مصداق ہے جس کا تذکرہ گزشتہ آیات میں ہو چکا ہے بعض روایات میں ہے ''اَلصَّلٰوةُ عَهْدَ اللهِ'' نماز الٰہی عہد ہے۔

(د) صبر ونماز خالق کائنات کے ساتھ مربوط ہیں۔ خرچ کرنا اور نیکی کرنا بندگان خدا سے مربوط ہیں۔

(ذ) انفاق کے کئی درجات ہیں

(ا) اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے خرچ کرنا (اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ) ہم نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو (بقرہ ۲۵۴)

(۲) کسب حلال اور اپنی کمائی سے عطا کرنا جیسے (اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ) جو مال تم کماتے ہو اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے اس میں سے عمدہ حصہ خرچ کرو۔ (بقرہ ۲۶۷)

(۳) محبوب ترین چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ) تم ہرگز ہرگز نیکی نہیں پا سکتے جب تک تم اس چیز کو خرچ نہ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ (آل عمران ۹۲)

(۴) دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا جیسے (وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ) اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوں۔ (حشر ۹)

(ذ) صاحب تفسیر المیزان کے مطابق ''عُقْبَى الدَّارِ'' کے معنیٰ ہیں ''اس دنیا میں انجام بخیر ہو'' لیکن یہ بھی ممکن ہے اس کا معنیٰ دونوں جہاں کے انجام کی خیریت ہو۔

(ک) برائی کو اچھائی کے ساتھ دور کرنے کا معنیٰ ومفہوم یہ ہے اگر مومنین میں سے کوئی مومن ناشائستہ کام انجام دے تو ہمیں اُس سے چشم پوشی کرنا چاہئے یہ حکم صرف مومنین کے ساتھ خاص ہے ظالم اور مفسد لوگوں کے ساتھ وہ سلوک کریں جو وہ ہمارے ساتھ کر چکے ہوں۔ اگرچہ اسلام اخلاق، پیار ومحبت وعفو وبخشش کا دین ہے لیکن اس کا یہ پیغام بھی ہے۔ (وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ) بدکار لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک نہیں کرنا چاہئے۔ (نور ۲)

(ر) دین اسلام ایک جامع دین ہے اور ''اولو الالباب'' کامل افراد ہیں

قرآن مجید میں ''يُوْفُوْنَ، يَصِلُوْنَ، يَخْشَوْنَ، يَخَافُوْنَ، صَبَرُوْا، اَقَامُوْا، اَنْفَقُوْا، يَدْرَءُوْنَ'' جیسے جملات اس بات کی

علامت ہیں کہ کامل و مکمل انسان اپنے عہد و پیمان پر پورے اترتے ہیں اور اپنے تعلقات کی پاسداری کرتے ہیں وہ صاحبان تقویٰ ہوتے ہیں۔ گوشہ نشینی کی بے معنیٰ و بے روح زندگی کو چھوڑ چھاڑ کر میدان عمل میں موجود اور سرگرم رہتے ہیں۔

پیام

(۱) وہ صبر و استقامت ایک عظیم سرمایہ بھی ہے اور لائق تحسین بھی ہے جو صرف اللہ کی رضا کیلئے ہو اور ہر قسم کے تعصب، ہٹ دھرمی اور عداوت و عناد سے پاک ہو۔ (صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ)

(۲) نماز کو قائم کریں نہ کہ صرف پڑھیں یعنی نماز کو اس کے آداب، شرائط، حدود اور احکام کے ساتھ بجا لائیں۔ (وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ)

(۳) خداوند تعالیٰ کے ساتھ رابطہ اس کی مخلوق کی امداد کے بغیر قبول نہیں ہے۔ ہر پہلو سے امداد کرنا چاہئے صرف مالی تعاون کافی نہیں۔ (وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا)

(۴) اللہ کے بندوں پر خرچ کرنے کے بعد مغرور نہ ہونا جو کچھ آپ نے کسی کو دیا ہے وہ اُسی ذات کا دیا ہوا ہے (وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ)

(۵) جب کسی کام میں رضائے الٰہی کی نیت ہو تو پھر اعلانیہ دیں یا چُھپا کر دیں بات ایک ہے۔ (سِرًّا وَّعَلَانِيَةً)

(۶) حکمت و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ کبھی مدد اعلانیہ کرنا چاہئے اور کبھی مخفیانہ (سِرًّا وَّعَلَانِيَةً)

(۷) گناہوں کی تختی کو توبہ کے آنسوؤں کے ساتھ دھو دو۔ برائی کو اچھائی کے ذریعے مٹا دو مظالم کی بھڑکتی آگ کو عفو و بخشش کے آب زلال سے بجھا دو، گالی کا جواب مٹھاس بھرے سلام سے دو، عذاب کی ہولناکیوں کو صدقہ کے ذریعے ابدی نعمات میں بدل دو، جفا کا جواب صلہ رحمی کی حسین صورت میں دے دو، ظلم و استبداد کا علاج مشاورت سے کرو، طاغوت و شیطان کی ولایت کو حق و حقیقت کی ولایت کے ساتھ منقلب کر دو۔ (وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ)

(۸) دنیا اور آخرت کی کامیابی و کامرانی صاحبان دانش و بینش کیلئے ہے (اُولُوا الْاَلْبَابِ ... اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ)

آیت نمبر 23

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○

جاودانی حیات والی جنتیں ہیں جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آباء اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی داخل ہونگے اور ملائکہ ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔

نکات

(الف) قرآن مجید میں لفظ ''جَنّٰات'' اور ''جنت'' ۷۱ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے ''جَنّٰتُ عَدْنٍ'' کا استعمال گیارہ مرتبہ ہوا ہے۔ کتاب درمنثور میں ایک حدیث میں آیا ہے ''جنات عدن'' ایک مخصوص بہشت کا نام ہے (تفسیر فرقان)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میری زندگی کی طرح ہو اور اس کی موت میری موت کی طرح ہو اور میری بہشت جنت عدن میں میرے ساتھ ہو تو اُسے چاہئے کہ امام علی علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کو اپنا امام اور رہبر تسلیم کرے کیونکہ یہ بزرگوار علم وفہم میں تمام لوگوں سے ارفع واعلیٰ ہیں اور از راہ ہدایت ورہبری دین ودنیا کے ہادی ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)
(ب) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس امر کا ذکر ہوا ہے کہ ایک خاندان کے صالح افراد بہشت میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے۔ اس آیت کریمہ میں خاندان کے بعض افراد مثلاً باپ، شوہر، بیوی اور اولاد کا تذکرہ صرف انہیں کی خصوصیات پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ خاندان بھر کے تمام نیک وصالح افراد کو شامل ہے خواہ یہی مذکورہ افراد ہوں۔ خواہ مائیں، بہنیں اور برادران ہوں۔ البتہ ان افراد میں ماں کا ذکر نہیں ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ چونکہ ماں ایک انسان کے باپ کی بیوی ہوتی ہے اور اسے لفظ ازواج میں داخل کیا گیا۔ جس طرح کہ بہن اور بھائی باپ کی اولاد ہوتے ہیں چچے اور پھوپھیاں باپ کی اہل بیت شمار ہوتے ہیں۔
(ج) آیات کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتگان الٰہی انسان کے ہمیشہ ساتھ مربوط رہتے ہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (برزخ اور قیامت) کبھی تو وہ انسان پر درود بھیجتے ہیں (یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ) وہی وہ ہے جو تم پر درود وسلام بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (احزاب ۴۳)
کبھی وہ اس کیلئے استغفار کرتے ہیں (وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اور وہ صاحبان ایمان کیلئے استغفار کرتے ہیں۔ (مومن ۷) کبھی اس کیلئے دعا کیلئے اپنے ہاتھ بلند کرتے ہیں (رَبَّنَا وَاَدْخِلْھُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ) پروردگارا! انہیں ہمیشہ کیلئے جنت کے باغات میں داخل فرما (مومن ۸)
جب انسان پر موت کا وقت آتا ہے اور عالم برزخ کے آغاز میں اس طرح خطاب کرتے ہیں (اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا) نہ تو خوف کھاؤ اور نہ رنج (فصلت ۳۰)
''سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ'' کے جملے کے ساتھ ان کی روح قبض کرتے ہیں (تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ) انہیں ملائکہ اس عالم میں اٹھاتے ہیں کہ وہ پاک وپاکیزہ ہوتے ہیں اور ان سے ملائکہ کہتے ہیں تم پر سلام ہو۔ (نحل ۳۲)
عالم آخرت میں ان پر ہر طرف سے سلام کریں گے۔
(د) بہشت کے آٹھ دروازوں کا ذکر ہے یہ ذکر صاحبان عقل اولوا الالباب کے اوصاف کی تعداد کے مطابق ہے گویا ان مذکورہ آٹھ اوصاف میں سے ہر ایک صفت انسان کیلئے جنت کا دروازہ کھولتی ہے اور اسے سعادت وسربلندی کے راستے پر گامزن کرتی ہے۔
(ر) جنت میں ہر شوہر اور بیوی ہر باپ اور اولاد ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی نہیں بسر کریں گے۔ کیونکہ قیامت کے دن نسبی اور سببی رشتے ختم ہو جائیں گے (فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ) (مومنون ۱۰) اس دن ہر انسان اپنے

اعمال کی گرفت میں ہوگا (كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ) (مدثر ۱۸) اس دن انسان کی اپنی ذاتی جدو جہد ہی کام آئے گی (لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى) (نجم ۳۹) جی ہاں! اگر بعض رشتہ دار ایک دوسرے کے ساتھ ملحق ہونگے تو وہ بھی اپنی صلاحیت اور استعداد کی بنا پر، اسی طرح کی کئی ایک اور آیات جیسے سورہ مومن ۸ اور سورہ طور ۲۱ ہیں ان میں آپ انہیں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

پیام

(۱) بہشت میں داخلے کی شرط صالح ہونا اور استعداد کا حامل ہونا ہے (مَنْ صَلَحَ)

(۲) بہشتی خانوادہ وہ ہوگا جن کے افراد کے درمیان حق پر مبنی ہمبستگی ہوگی۔ (وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ)

(۳) دین اسلام میں احساسات اور جذبات کا احترام ایک اُصولی حیثیت رکھتا ہے بنابرین اگر انسان کیلئے رہائشی نظام و مقام مثالی ہو لیکن وہ اگر اپنے خاندان سے جدا ہو اور دور ہو تو اس میں مزہ اور لطف زندگی نہیں ہوتا (يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ)

آیت نمبر 24

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○

(اور کہیں گے) تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا۔ پس تمہارا یہ عاقبت کا گھر کیا ہی عمدہ گھر ہے۔

نکات

(ا) قرآنی امتیازات میں ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مطالب کو نہایت عمدہ اور سادہ ترین اور مختصر ترین کلمات میں ادا کرتا ہے جن میں یہ خوبصورت ''سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ'' کا جملہ ہے۔ جو نہایت ہی مختصر اور آسان سا جملہ ہے لیکن مطالب و مفاہیم سے لبریز اور مقاصد کے اعتبار سے نزدیک تر ہے۔ اس کا تاریخی سلسلہ حضرت ابراہیم، حضرت نوح اور حضرت آدم علیہم السلام تک چلا جاتا ہے جیسے ''سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ'' سارے جہانوں میں نوح پر سلام (صافات ۷۹) ''سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ'' موسیٰ اور ہارون پر سلام (صافات ۱۲۰)

(ب) سلام:۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم شریف ہے انبیاء علیہم السلام کیلئے تہنیت، اہل بہشت کیلئے خداوند تعالیٰ کی طرف سے مبارک بادی کا تحفہ فرشتگان کا زمزمہ، اہل اسلام کی بین الاقوامی زبان، دونوں جہانوں میں اہل بہشت کا شعار، خالق اور مخلوق کا ذکر، اندر جانے اور باہر آنے کے وقت کی صدا، خطوط اور بیان کا شروعاتی کلمہ، یہ ایسا کلمہ ہے جو زندوں، مُردوں، چھوٹوں بڑوں، سبھی کے ساتھ اس کے ذریعے خطاب کیا جاتا ہے اس کا جواب دینا ہر انسان پر ہر حال میں واجب ہے۔

(ج) سلام:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہنیت و تبریک ہے، دعا، امان اور احترام کا پیغام ہے (سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ) (یٰس ۵۸) جب ہم اپنی نماز کے آخر میں سلام پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ'' اس سلام کے ذریعے ہم طول تاریخ کے تمام ادوار کے صالح بندگان سے مربوط ہو جاتے ہیں تمام امتیازات برطرف ہو جاتے ہیں اس

سلام میں نہ سال وسن کی بات ہے اور نہ مال و دھن کی بات ہے نہ مقام کا خیال ہے اور نہ زبان و زمان کا تصور بلکہ اس سلام میں انسان کائنات کے تمام بندگان صالح سے مربوط ہو جاتا ہے اور ان پر درود و سلام بھیجتا ہے۔

(د) روایات میں آیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ حساب و کتاب سے قبل بہشت میں داخل ہوں گے تو اس وقت ملائکہ ان سے سوال کریں گے کہ تم بغیر حساب و کتاب کے کیسے جنت میں آ گئے ہو تو وہ جواب میں کہیں گے کہ ہم دنیا میں اللہ کی اطاعت و اتباع میں رہے مشکلات و مصائب پر صبر کرتے رہے تھے۔ ہم نے اپنی زندگی صبر و شکر سے بسر کی تھی ان کے جواب پر فرشتگان الٰہی ''سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ'' کے خطاب کے ساتھ ان کا استقبال کریں گے۔ (تفسیر قرطبی)

(ذ) امام صادقؑ نے فرمایا ''ہم صبر کرنے والے ہیں'' لیکن ہمارے شیعہ ہم سے زیادہ صابر ہیں کیونکہ ہمارا صبر جس چیز کیلئے ہے ہم اُسے جانتے ہیں اور ہمارے شیعہ اس چیز سے نابلد ہیں پھر بھی وہ صبر کرتے ہیں اس پر ان کا صبر ہم سے زیادہ ہے۔ (تفسیر صافی)

صبر کے بارے میں چند نکات

(۱) صبر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا چاہئے (وَمَا صَبۡرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ) آپ کا صبر اللہ ہی کی مدد سے ہوگا (نحل ۱۲۸)

(۲) صبر کا ہدف و مقصد صرف اور صرف رضائے پروردگار ہونا چاہئے ریاکاری اور اپنی نیک نامی اور دوسرے مقاصد سے بچنا چاہئے (وَلِرَبِّکَ فَاصۡبِرۡ) اور اپنے پروردگار کیلئے صبر کریں (مدثر ۷)

(۳) صبر انبیاؑ علیہم السلام کی صفات میں سے ہے۔ (کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ) تمام انبیاء صابرین میں سے تھے۔ (انبیاء ۸۵)

(۴) صبر جنت کی چابی ہے (اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاۡتِکُمۡ ...) کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم آسانی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہارے سامنے ۔۔۔ (بقرہ ۲۱۴)

(۵) الٰہی آزمائشوں اور مصیبتوں پر صبر کرنے پر بندگان الٰہی پہچانے جاتے ہیں اور اسی کے ذریعے مجاہدین اور صابرین کے چہرے منور ہیں۔ (وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ حَتّٰی نَعۡلَمَ الۡمُجٰہِدِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ) ہم یقیناً سب کو آزمائیں گے تاکہ یہ دیکھیں کہ تم میں جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے کون لوگ ہیں (محمد ۳۱)

(۶) صبر الٰہی درود و سلام کا وسیلہ ہے (اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ) ان کیلئے پروردگار عالم کی طرف سے صلوات ہے (بقرہ ۱۵۷) حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پر صلوات کی ایک وجہ یہی ان کا صبر ہے کیونکہ اس کائنات کے وہ سب سے زیادہ صابر تھے۔

(۷) صبر کا ایمان کے ساتھ ایسا رابطہ ہے جیسے سر کا بدن سے ہوتا ہے رسول اللہؐ کا فرمان مبارک ہے " اَلصَّبۡرُ مِنَ الۡاِیۡمَانِ کَالرَّاۡسِ مِنَ الۡجَسَدِ" (بحار الانوار، ج ۹، ص ۲۰۳)

(۸) صبر اہل بہشت کے درجات کا پیمانہ ہے۔ ''سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ'' تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر سے کام لیا (سورہ رعد ۲۴) ''اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا'' یہی وہ لوگ ہیں جنہیں صبر کی وجہ سے جنت کے بالاخانے دیے جائیں گے۔ (فرقان ۷۵) ''وَجَزٰىہُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّۃً وَّحَرِیۡرًا'' اور انہیں ان کے صبر کے عوض جنت اور حریر جنت عطا فرمائے گا (دھر ۱۲)

(۹) صبر کے بہت سے مدارج ہیں حدیث شریف میں آیا ہے مصائب پر صبر کے تین صد درجے ملتے ہیں اطاعت خداوندی پر چھ سو درجے حاصل ہوتے ہیں اور عصیان و معصیت سے بچنے پر نو سو درجے حاصل ہوتے ہیں۔ (بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۹۲)

(۱۰) قرآن مجید میں جہاں بے حساب اجر کا ذکر ہے وہ ان لوگوں کیلئے ہے جو صابر ہیں۔ (اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ) صبر کرنے والوں ہی کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔ (زمر ۱۰)

(۱۱) قرآن مجید میں صبر کے ساتھ شکر کا ذکر بھی ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مشکلات بھی نعمات خداوندی ہیں (لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ) ہر صبر اور شکر کرنے والوں کیلئے (ابراھیم ۵)

(۱۲) امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند امام سجاد علیہ السلام کو وصیت میں صبر کی تلقین فرمائی تھی۔ 'یَا بُنَیَّ اِصْبِرْ عَلَی الْحَقِّ وَلَوْ کَانَ مُرًّا' اے فرزند عزیز! حق پر صبر کرنا خواہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو (بحار جلد ۷۰ ص ۱۸۴)

(۱۳) بعض اوقات ایک اقدام میں صبر کے کئی نمونے جمع ہو جاتے ہیں جس طرح حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے سلسلے میں حضرت ابراہیمؑ کا اقدام ہے اس میں اطاعت اور تسلیم پر صبر علاوہ ازیں مصیبت پر بھی صبر کے نمونے جمع ہیں۔

پیام

(۱) تمام کمالات کا سرچشمہ صبر ہے (بِمَا صَبَرْتُمْ) جہاں صاحبان عقل کے کمال کی علامات بیان ہوئی ہیں وہاں ان کی آخری علامت صبر بیان کی گئی ہے۔ فرشتے بھی مومنین پر درود و سلام کی بنیاد صبر کو قرار دیتے ہیں۔

(۲) ورود و دخول کے وقت سلام کرنا فرشتوں کا شیوہ ہے۔ (یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ .. سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ) سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○

(۳) بہشت دار السلام ہے جہاں فرشتے ہر طرف سے اہل بہشت کو سلام کہیں گے۔ (مِّنْ كُلِّ بَابٍ .. سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ)

(۴) جو لوگ ہمیشہ صابر و شاکر ہیں اور صبر جیسی عظیم نعمت کا سہارا لئے ہوئے ہیں ان کا احترام کرنا چاہئے۔ (سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ... بِمَا صَبَرْتُمْ)

(۵) الٰہی نظام میں درود و سلام اور مبارکبادی کے کلمات بھی اسی حکمت و دانش کے تابع ہیں اور وہ ایمان پر عمل ہے نہ وہ خوشامد ہے اور نہ مبالغہ آرائی ہے۔ (سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ... بِمَا صَبَرْتُمْ)

آیت نمبر 25

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○

اور جولوگ اللہ کے پیمان کو مضبوطی سے باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور اللہ نے جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑ ڈالتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ایسے ہی لوگوں پر لعنت ہے اور ان کیلئے ٹھکانہ بھی برا ہوگا۔

نکات

(الف) صاحبان عقل ودانش کی نیک اور واضح ترین صفات کہ وہ الٰہی عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کو مضبوط و مستحکم رکھنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندگان کے بالمقابل ایک اور گروہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو ان کے برعکس صفات کے حامل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور جن رشتوں کے استحکام کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کی پروا نہیں کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ''عقبی الدار'' کے مقابلے میں ''سُوْٓءُ الدَّارِ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

(ب) ''فساد فی الارض'' کا جملہ قرآن مجید میں متعدد بار استعمال ہوا ہے اور یہ جملہ یا تو خاص قسم کے افراد کے بارے میں استعمال ہوا ہے یا پھر اعمال کے بارے میں، جن افراد کو مفسد فی الارض کہا گیا ہے ان میں سے ایک تو فرعون ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے ''اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ'' وہ یقیناً مفسدین میں سے تھا (قصص ۴) اس طرح وہ افعال و اعمال ہیں جن کا تعلق ''فساد فی الارض'' سے ہے۔ جیسے کھیتوں اور انسانی نسلوں کی ہلاکت ہے۔ (بقرہ ۲۰۵)

فرقہ پرستی، تفرقہ بازی اور انسانی قتل کو بھی فساد فی الارض سے تعبیر کیا گیا ہے قرآن کریم میں مفسد فی الارض کی سزا موت یا اُس کے اعضاء کو کاٹنا یا جلاوطنی قرار دی گئی ہے۔ اور جو لوگ اس دنیا میں فساد پیدا کر کے صرف اپنی دنیا بنانے کی فکر کرتے ہیں تو قیامت کے دن ان کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو لطف و کرم پروردگار سے محروم ہوں گے۔

(ج) حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنے فرزند کو از راہ وصیت فرمایا ''اِيَّاكَ وَ الْمُصَاحِبَةَ الْقَاطِعَ لِرَحِمَةٍ فَاِنِّيْ وَجَدْتُهٗ مَلْعُوْنًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ) ان لوگوں کی دوستی اور محفل وصحبت سے دور رہو جو قطع رحمی کرتے ہیں میں نے انہیں قرآن مجید میں ملعون پایا ہے (يَقْطَعُوْنَ ۔۔۔ لَهُمُ اللَّعْنَةُ)

پیام

(۱) تبلیغ اور تربیت کے جہاں اور بہت سے انداز ہیں وہاں باہمی تقابل بھی ایک خوبصورت انداز ہے یوفون کے ہمراہ عُقْبَى الدَّارِ کا ذکر آیا ہے اور يَنْقُضُوْنَ کے ساتھ ''سُوْٓءُ الدَّارِ'' کا ذکر آیا ہے۔

(۲) تمام انحرافات کا ابتدائی نقطہ انسان کی خدا سے جدائی اور دوری ہے (يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ ۔۔۔ يُفْسِدُوْنَ)

(۳) قطع رحمی کا شمار ان گناہوں میں ہوتا ہے جو کبیرہ گناہ ہیں کیونکہ اللہ نے ایسے لوگوں کیلئے عذاب کا وعدہ فرمایا ہے (وَيَقْطَعُوْنَ ۔۔ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ)

(۴) انسانی فساد ہر جگہ اثر انداز ہوتا ہے (وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ)

آیت نمبر 26

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ○

اللہ جس کی چاہے روزی بڑھا دیتا ہے اور گھٹا دیتا ہے اور لوگ اس دنیاوی زندگی پر خوش ہیں جب کہ دنیاوی زندگی اُخروی زندگی کے مقابلے میں ایک (عارضی) سامان ہے۔

نکات

(الف) اس آیت کریمہ میں رزق کی فراخی اور وسعت اور کمی اور تنگی کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف دی گئی ہے کہ جس کو چاہے رزق وافر دے اور جس کو چاہے اس کے رزق میں کمی پیدا کر دے لیکن یہ سب کچھ مصالح اور حکمت کے تحت ہوتا ہے بعض آیات اور روایات میں اس امر کے اسباب و شرائط بھی بیان ہوئے ہیں ان اسباب میں ایک سبب انسان کے گناہ ہیں جن کی وجہ سے رزق میں تغیر و تبدل پیدا ہو جاتا ہے اسی مفہوم پر مشتمل دعائے کمیل کے الفاظ بھی ہیں "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيَ الذُّنُوْبَ الَّتِيْ تُغَيِّرُ النِّعَمَ" خداوندا! میرے وہ گناہ معاف فرما دے جو نعمتوں کو تبدیل کر دیتے ہیں۔

(ب) بعض اوقات جب خداوند تعالیٰ اپنے بندے کی آزمائش کرتا ہے تو اس کی روزی میں کمی پیدا کر دیتا ہے، جس طرح قرآن کریم میں بیان ہوا ہے (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ ... وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ ...) (سورہ بقرہ ۱۵۵) ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے ... اموال کی کمی کے ساتھ ...

بعض اوقات جب ایک انسان دوسرے لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیتا ہے جس طرح اس باغ کا قصہ جو سورہ قلم میں ہے جو جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ بسا اوقات یتیموں سے بے رخی رزق کی کمی کا سبب بن جاتی ہے جس طرح ارشاد الٰہی ہے (كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ) بلکہ تم یتیم کی عزت کیوں نہیں کرتے ہو (فجر ۱۷)

(ج) ان تمام مذکورہ بیانات کے ساتھ ساتھ اہم ترین بات یہ ہے کہ زندگی میں اگر ہمیں رزق وسیع مل جائے تو یہی رزق کی وسعت باغی و سرکش نہ بنا دے اگر کسی موڑ پر رزق تنگ ہو جائے تو یاس و نا اُمیدی ہمیں گھیر کر زمین پر نہ گرا دے کیونکہ نظام الٰہی کی بنیادیں حکمت اور آزمائش سے مربوط ہیں یہ چانس اتفاقات اور بخت و اقبال صرف مفروضے ہیں۔

پیام

(۱) رزق و روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے عیاری و مکاری، عہد شکنی اور تعلقات کے انقطاع سے روزی حاصل نہیں ہوتی۔ رزق کی

وسعت کا راز تعلقات کی بحالی اور انفاق فی سبیل اللہ میں ہے (یَبْسُطُ الرِّزْقَ)

(۲) رزق کی کمی بھی خداوند تعالیٰ کی حکمت مصلحت کے تحت ہے اس لئے آیت میں لفظ ''وَیَقْدِرُ'' آیا ہے ''یَضِیْقُ'' نہیں آیا۔

(۳) اگر چہ یہ دنیا بہت کم اور بہت محدود ہے لیکن اپنے چاہنے والوں کو خوب فریب دیتی ہے (وَفَرِحُوْا)

(۴) دنیا کا دامن نہایت ہی کوتاہ ہے اور بہت زیادہ ناپائیدار ہے بہت جلد ختم ہو جانے والی ہے اس سے دل لگی صرف فریب ہے اور کچھ نہیں (اِلَّا مَتَاعٌ)

آیت نمبر 27

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ○

اور وہ لوگ جو کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں (اس (رسول) پر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا؟ کہہ دیجیئے اللہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جو اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے تو اُس کی راہنمائی فرماتا ہے۔

نکات

(الف) ہر پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دعوائے نبوت کے ثبوت کیلئے خداوند تعالیٰ کی طرف سے کوئی علامت رکھتا ہو اسی علامت کو معجزہ کہا جاتا ہے طبعاً یہ معجزہ خاص امور میں ہوتا ہے اور واضح صورت میں ہوتا ہے لیکن وہ لوگ جو ہٹ دھرم ہوتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرنا چاہتے تو وہ پیغمبر سے اپنی خواہشات کے مطابق معجزے کا تقاضا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیں تو ان کیلئے قرآن کریم ایک عظیم ترین معجزہ ہے۔

(ب) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پانی اور غذا مریض کیلئے ضرر کا باعث بن جاتے ہیں حالانکہ یہ ضرر نہ تو پانی میں ہوتا ہے اور نہ غذا میں لیکن ضرر کا باعث وہ بیماری ہوتی ہے جو مریض کے اندر ہوتی ہے۔ اسی صورت میں جو لوگ روحانی مریض ہوتے ہیں تو وہ بھی جسمانی مریض کی طرح خداوند تعالیٰ کی پاک و پاکیزہ آیات کو قبول کرنے سے اعراض و انکار کرتے ہیں اور بے چینی کے شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لئے ہٹ دھرمی والی روح ان میں تحریک پکڑتی ہے اور وہ ہدایات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں ''یُضِلُّ'' کا مفہوم یہی ہے۔

کچھ ہدایت اور گمراہی کے بارے میں

ہدایت کی دو قسمیں ہیں (۱ ابتدائی (۲ تکمیلی

ابتدائی ہدایت ہر انسان سے مربوط ہے ''انا ہدیناہ السبیل'' ہم نے ہر انسان کو سیدھے راہ کی ہدایت کی (دھر ۳) لیکن ہدایت تکمیلی کا

تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ابتدائی ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں جس طرح ایک استاد تدریس کے ابتدائی دنوں میں اپنے ہر شاگرد کو ایک جیسے مطالب کی برابر برابر تعلیم دیتا ہے۔ لیکن ایک مدت گزرنے کے بعد محنتی اور کوشش کرنے والے طلباء کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیتا ہے اور انہیں اضافی تعلیم دیتا ہے (وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى) جو لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں اللہ انہیں مزید ہدایت کرتا ہے۔ (محمد ۱۷)

لیکن وہ لوگ جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے (وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی آیت آتی ہے وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں (انعام ۵)

(وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ) اگر ہم آسمان سے کتاب کو کاغذ میں نازل کریں اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مس بھی کریں تو پھر بھی کہیں گے یہ کھلم کھلا جادو ہے (انعام ۸)

اسی مضمون کی ایک اور آیت (وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا) اگر وہ ہر ایک معجزے کو بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے (انعام ۲۵) تو ایسے لوگوں سے دست شفقت اٹھا لینے اور ان کے دلوں پر مہر ضلالت لگانے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ جاتا۔

لیکن خداوند تعالیٰ ہر حال میں حکیم بھی ہے عادل بھی ہے اس کے تمام کام اس کے عدل اور حکمت کے عین مطابق ہیں جس طرح کہ اس کا فرمان ہے "يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ"، يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ، يَغْفِرُ مَنْ يَّشَآءُ، يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ، يَخْلُقُ مَنْ يَّشَآءُ، وغیرہ۔ ان سب امور کا تعلق اس کے عدل اور حکمت کے ساتھ ہے کہیں اگر اس کا فرمان ہے "يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ" (جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی ضابطے اور کسی میعار کے بغیر ہدایت فرماتا ہے بلکہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں پر ہدایت کیلئے ایمان کی شرط قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے "وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ" (جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت کرتا ہے (تغابن ۱۱) ایک اور مقام پر حق کی رضا اور خوشنودی جو سلامتی کے راستے پر گامزن رہنے کے ساتھ ہدایت کا سبب ہوتی ہے جیسے اس کا فرمان ہے "يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ" (مائدہ ۱۶) جہاں اس کا فرمان ہے "يُضِلُّ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ"، (جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے) ایک دوسری آیت میں اسراف اور شک و تردید کو گمراہی کا سبب قرار دیا گیا ہے، فرمان ہے "يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ" (اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے جو اسراف کرنے اور شک کرنے والا ہوتا ہے (مومن ۳۴)

مندرجہ بالا بیان کی مزید وضاحت کیلئے یہ عرض ہے کہ اگر کسی برتن کا منہ آسمان کی طرف ہو تو اس کے اندر بارش نازل ہوگی اگر اس کا منہ زمین کی طرف ہو تو اس کے لئے آسمان سے نازل ہونے والی کوئی بھی چیز مفید نہیں ہوگی یہی مثال انسان کی ہے اگر اس کی روح کا دھانہ مادیات کی طرف ہو تو اس سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معنوی بارش سے کبھی مستفید نہ ہوگا ارشاد الٰہی ہے "اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ" انہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے کر اس سے محبت کر لی ہے اور اللہ بھی یقیناً کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا (نحل ۱۰۷)

پیام

(۱) ہٹ دھرم اور ضدی مزاج کفار ہر لحظہ ایک جدید معجزہ طلب کرتے ہیں۔ بیرونی معجزہ دکھانا مشکل نہیں اصل بات ان کے اندر کی ہے جو عناد و عداوت سے پُر ہے۔(لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ)

(۲) الٰہی سنت ہے کہ وہ اپنے تمام بندوں کیلئے سامان ہدایت فراہم فرماتا ہے(اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى) یقیناً ہم پر انسانوں کی ہدایت ضروری ہے (لیل ۱۲) لیکن اگر کوئی خود کجروی اختیار کرے تو خداوند تعالیٰ بھی اُسے سزا کے طور پر گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے(يُضِلُّ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ)

(۳) حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہی کلید ہدایت ہے(وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ)

(۴) اگر چہ لوگوں کی ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔لیکن الٰہی ہدایت ان لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو اپنے اندر اس کی آمادگی پیدا کرتے ہیں(وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ)

آیت نمبر 28

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○

(یہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے ہیں اور ان کے قلوب یاد خدا سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور یاد رکھو! یاد خدا ہی سے قلوب کو اطمینان ملتا ہے۔

نکات

(ا) یاد الٰہی صرف زبانی ذکر کا نام نہیں پھر بھی یہ اس کے روشن مصداق میں سے ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ خدا کو ہر حال میں یاد رکھنا چاہئے بالخصوص اس وقت جب گناہ کا خیال آئے۔

(ب) یاد خدا کی بے شمار برکتیں ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) خدا کی نعمات کی یاد اس کے شکر کا سبب بنتی ہے۔

(۲) اس کی طاقت و قدرت کی یاد اس پر توکل کا سبب بنتی ہے۔

(۳) اس کے لطف و شفقت کی یاد اس کی محبت کا سبب بنتی ہے۔

(۴) اس کے قہر و غضب کی یاد اس سے خوف کا سبب بنتی ہے۔

(۵) اس کی عظمت و بزرگی کی یاد اس سے خشیت کا سبب بنتی ہے۔

(۶) اس کے ظاہر و باطن کے عالم ہونے کی یاد اس سے حیا اور پاکدامنی کا سبب بنتی ہے۔

(۷) اس کے عفو و کرم کی یاد اس سے امیدیں وابستہ کرنے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کا سبب بنتی ہے۔

(۸) اس کی عدالت کی یاد اس سے تقویٰ اور پرہیز گاری کا سبب بنتی ہے۔

(ج) انسان حریص ہے اس کے مطالبات کی کوئی سرحد نہیں وہ کمال مطلق کا ہدف رکھتا ہے لیکن خدا کے سوا کائنات کی ہر چیز محدود ہے انسان کا وجود عارضی ہے اس لئے اس کے قلب و دماغ کو کوئی چیز مطمئن نہیں کر سکتی سوائے اس ذات کے جو اس کی خالق ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے قلوب میں یاد خدا سمائی رہتی ہے ان کے بالمقابل ایسے لوگ بھی ہیں جو اس عارضی دنیا کی متاع قلیل پر راضی ہو جاتے ہیں (رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِہَا)

(د) نماز یاد خدا ہے اور قلب کے اطمینان کا سبب ہے۔ ''وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ''

میری یاد کیلئے نماز کو قائم کرو (طہ ۱۴) ''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ''

(ذ) یہ بھی تو ممکن ہے کہ ''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب'' کے معانی یہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو تمہیں یاد کرتا ہے اس ذات کی یاد کی وجہ سے تمہارے قلوب کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے یعنی اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہمیں یاد فرماتا ہے اور ہم ہر وقت اس کے حضور میں ہیں تو یہی کیفیت سرمایہ سکون بن جاتی ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی تیار کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خطاب فرمایا تھا ''وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا'' ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی تیار کرو (سورہ ہود ۳۷) اس خطاب سے انہیں اطمینان ملا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے میدان کربلا میں حضرت علی اصغرؑ کی شہادت کے وقت فرمایا تھا ''ھَوِّنْ عَلَیَّ اَنَّہٗ بِعَیْنِ اللّٰہِ'' مجھ پر یہ مشکل آسان ہوگئی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے حضور ہو رہا ہے یہ کہہ کر آپ نے اپنے قلبی سکون کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح دعائے عرفہ میں آپ کے الفاظ ہیں ''یَا ذَا الذِّکْرِ الذَّاکِرِیْنَ'' اے یاد کرنے والوں کو یاد کرنے والے اللہ!

(ر) یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اس آیت کریمہ میں ہے کہ قلوب کو بالخصوص مومنین کے قلوب کو یاد خدا سے اطمینان حاصل ہوتا ہے لیکن دوسری آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی مومن خدا کو یاد کرتے ہیں تو ان کے قلوب لرز جاتے ہیں ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ'' مومن وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی یاد کی جاتی ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں (انفال ۳) تو کیا اطمینان اور لرزہ براندام ایک جگہ اکٹھے ہو سکتے ہیں؟

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی انسان میں سکون و اطمینان اور خوف و لرزہ کا یکجا ہونا درج ذیل مثالوں کی طرف توجہ دینے پر واضح ہو جاتا ہے۔

(۱) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی اطمینان و سکون کے تمام مقدمات رکھتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ نتیجہ سے گھبرا رہا ہوتا ہے مثال کے طور پر جب ایک سپیشلسٹ سرجن اپنے علم اور تجربہ سے مطمئن ہوتا ہے لیکن کسی اہم شخصیت کے اپریشن کے موقع پر وہ گھبرایا ہوا نظر آتا ہے۔

(۲) اولاد اپنے والدین سے سکون اور اطمینان محسوس کرتی ہے لیکن ان کے قلوب میں ان کا ڈر بھی موجود رہتا ہے کہ کہیں ان سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جو ان کی ناراضی کا باعث بن جائے۔

(۳) بعض اوقات انسان اس منزل پر ہوتا ہے کہ فلاں مشکل اور پریشانی اس کی آزمائش اور ترقی کا ذریعہ ہے اس اعتبار سے وہ خوش بھی ہے اور مطمئن بھی لیکن اس اطمینان کے ساتھ اس کے دل میں گھبراہٹ بھی ہے کہ کیا وہ کامیاب ہوگا یا نہیں؟

(۴) صاحبان ایمان جب قرآن کریم کی تلاوت کے دوران عذاب دوزخ اور قہر خداوندی پر مشتمل آیات کو پڑھتے ہیں تو ان کے اجسام میں لرزہ طاری ہوجاتا ہے لیکن جب وہ رحمت ورضوان اور بہشت خداوندی کی طرف نظر کرتے ہیں تو ایک قسم کا انہیں بھرپور سکون ملتا ہے اور اس سے ان کے دل مطمئن ہوجاتے ہیں۔

حضرت امام زین العابدینؑ دعائے ابوحمزہ ثمالی میں فرماتے ہیں ''اِذَا ذَکَرْتُ ذُنُوْبِیْ فَزَعْتُ وَاِذَا رَاَیْتُ کَرَمَکَ طَمِعْتُ'' جب میں اپنے گناہوں کو اور تیرے عدل وغضب کو یاد کرتا ہوں تو ڈر جاتا ہوں اور جب تیرے لطف وکرم اور عفو وبخشش کو یاد کرتا ہوں تو امیدوار ہوجاتا ہوں۔

صاحب تفسیر المیزان اس جملے کی توضیح کیلئے قرآن کریم سے شاہد پیش کرتے ہیں (تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ) ابتداء میں تو انسان کے دل پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے لیکن آہستہ آہستہ اطمینان حاصل کرلیتا ہے۔(زمر ۲۲)

جو آدمی یاد خدا سے غافل ہوتا ہے اسے اطمینان وسکون نصیب نہیں ہوتا اطمینان وسکون کے بغیر زندگی اجیرن ہوجاتی ہے ایک ویرانی سی چھا جاتی ہے ارشاد خداوندی ہے ''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' جو میرے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس کیلئے بڑی تنگی کی زندگی ومعیشت ہے۔(طٰہٰ ۱۲۴)

سکون واطمینان کے عوامل

اطمینان وسکون کے مختلف عوامل ہیں لیکن علم وعرفان کا اپنا ایک مخصوص جلوہ ہے جو سب سے اہم ترین ہے اور ان تمام اسباب کا سرنامہ ہے۔

(۱) جو شخص یقین کی اس منزل پر ہے کہ اس کے ہر کام کے ایک ایک ذرہ کا حساب ہوگا ''مثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ'' (زلزلہ ۷) تو وہ اپنی سعی وکوشش کی سرگرمیوں کو جاری وساری رکھتا ہے۔

(۲) جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ لطف پروردگار اور اس کی رحمت کی بنیاد پر پیدا ہوا ہے (اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ) تو اس سے منزل امید ملتی ہے۔

(۳) جو شخص یہ جانتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ظالموں کی گھات میں ہے ''اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ'' (فجر ۱۴) تو اسے سکون کی منزل مل جاتی ہے۔

(۴) جو شخص یہ جانتا ہے کہ اس کا راستہ روشن ہے اور اس کا مستقبل تابناک اور ماضی سے بہتر ہے ''وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى'' (اعلیٰ ۱۷) تو اُسے اطمینان کی منزل مل جاتی ہے۔

(۵) جس شخص کو یہ معلوم ہے کہ اس کا امام اور رہبر ایک کامل مکمل انسان ہے اور وہ منصوص من اللہ ہے اور وہ معصوم بھی ہے (قَالَ اِنِّيْ

جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (بقرہ ۱۲۴) تو اسے سکون و آرام کی حیات مل جاتی ہے۔

(۶) جس شخص کو یہ معلوم ہے کہ اس کا نیک کام میں سے سات سو گنا بلکہ بے انتہا ثواب کا وسیلہ ہے اور اس سے صادر ہونے والی برائی صرف ایک ہی خطا شمار ہوتی ہے تو اس کا قلب مطمئن رہتا ہے ''مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ'' جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک دانہ ہو جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں (بقرہ ۲۶۱)

(۷) جس شخص کو یہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک و صالح لوگوں کو دوست رکھتا ہے (۞ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) (بقرہ ۹۵) تو ایسا شخص ہر نیک کام دلچسپی سے ادا کرتا ہے۔

(۸) جو شخص یہ جانتا ہے کہ اس کے اچھے کام ظاہر ہوں اور برے کام چھپے رہیں گے۔ ''يَا مَنْ اَظْهَرَ الْجَمِيْلَ وَ سَتَرَ الْقَبِيْحَ'' تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔

بے چینی اور پریشانی کے عوامل

موجودہ صدی کی ایک انٹرنیشنل اور حیران و پریشان کن بیماری وہ افسردگی و بے چینی ہے اس بیماری کی کچھ علامات بیان کی گئی ہیں جیسے چڑچڑا پن، ذہنی تناؤ احساس کمتری اور بے مقصد سوچ وغیرہ ہیں تو اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

(۱) بیمار شخص ہر شے کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں پاتا تو وہ پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہم تمام چیزوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

(۲) افسردہ حال انسان سوچتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ سب لوگ اسے کیوں پسند نہیں کرتے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسی بات نہیں ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اور جناب جبرائیل کے بھی تو دشمن ہیں اس لئے انسان کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ سب لوگ اس کے دوست ہوں۔

(۳) افسردہ انسان خیال کرتا ہے کہ ساری دنیا خراب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور ایسا خیال کرنے والے فرشتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا تھا۔

(۴) افسردہ انسان خیال کرتا ہے کہ ساری خرابیوں کا مرکز صرف اس کا وجود ہے۔

(۵) افسردہ و پریشان خاطر انسان کام کے آغاز میں تذبذب اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ تنہائی اور خوف کا احساس کرتا ہے اس کا علاج امام علیؑ نے یہ تجویز فرمایا تھا۔ ''اِذَا خِفْتَ مِنْ شَيْءٍ فَقَعْ فِيْهِ'' جب تم کسی چیز سے خوف زدہ ہو تو اس میں کود پڑو کیونکہ ہر چیز کا خوف اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ (بحار، ج ۷۱، ص ۳۶۲)

(۶) ایک افسردہ انسان اس امر سے خائف ہوتا ہے کہ اس کے مستقبل کا کیا بنے گا؟ تو اس کا علاج خدا کی ذات پر توکل ہے۔

(۷) کیونکہ انسان بعض کاموں میں جب ناکام ہوتا ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ دوسرے تمام کاموں میں بھی اسی طرح کے نتائج اس کے سامنے آئیں گے۔

(۸) جب انسان مادی طاقتوں کے سہارے لیتا ہے تو جب انہیں روبہ زوال دیکھتا ہے تو پریشان ہوجاتا ہے۔
(۹) اس پوری بحث کا خلاصہ ہے کہ لوگوں کا کسی کے اچھے کاموں کی تعریف نہ کرنا گناہ ہے، موت کا خوف، گھر والوں سے کہنا، تم نہیں جانتے، یا تم نہیں کر سکتے۔ جلد بازی میں فیصلے جات اور غلط سوچ وغیرہ ایسے عوامل ہیں جو بہت سی پریشانیوں کا موجب بنتے ہیں۔ انہیں ذکر الٰہی عفو و بخشش اور لطف و مہربانی کے ساتھ سکون اور اطمینان میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔
میں ہمدان حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی برسی کی مناسبت سے تقریر کی غرض سے آیا ہوا ہوں۔
تو اس موقع پر اس آیت: الذین امنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ'' کی تفسیر لکھی ہے۔ حضرت امام خمینیؒ نے اپنے وصیت نامہ کے آخر میں لکھا ''من با دلی آرام وقلبی مطمئن وضمیری شاد وروحی امیدوار بہ فضل الہی از خدمت شما مدخص می شوم'' میں پرسکون دل کے ساتھ اور پُرمسرت ضمیر کے ساتھ شادان و فرحان اپنے پروردگار کے فضل و کرم کی امید کے ساتھ تم سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوا چاہتا ہوں۔

پیام

(۱) حقیقی توبہ کی علامت
(۲) قلبی اطمینان کے بغیر ایمان کامل و کارساز نہیں ہے۔ (اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ)
(۳) صرف زبان کے ذکر کے ساتھ کام نہیں بنتا بلکہ قلبی اطمینان کا ہونا ضروری ہے۔ (اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ)
(۴) قلوب کو یاد خدا ہی اطمینان ملتا ہے (بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ)
(۵) اس دور حاضر میں بھرپور انداز میں سرمایہ ہے طاقت و قدرت ہے، مکاری و عیاری ہے سب کچھ ہے لیکن سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

آیت نمبر 29

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ○

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے ان کیلئے خوشحالی اور ان کیلئے بہترین ٹھکانہ ہے۔

نکات

(۱) لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔
(۱) مومن: جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور عمل صالح انجام دیتے ہیں۔
(۲) کافر: نہ وہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ عمل صالح کرتے ہیں۔
(۳) فاسق: وہ لوگ ہیں جو ایمان تو رکھتے ہیں لیکن ان کے اعمال صالح نہیں ہوتے۔

(۴) منافق: وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں رکھتے لیکن ان کا ظاہر اچھا ہوتا ہے۔

(ب) لفظ ''طوبیٰ'' درخت ہے جس کی جڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام علیؑ کے گھر میں ہیں اور اس کی شاخیں اہل ایمان کے سروں پر ہیں (بحار الانوار، ج ۸، ص ۱۱۷ تا ۱۲۰) شاید یہ بطور مثال کے ہو اور سمجھانا مقصود ہو کہ تمام نیکیوں اور خوبیوں کا دارومدار ان مخصوص رہبروں کے ساتھ ہے جو منصوص من اللہ ہیں۔ اگر ان کے ساتھ رابطہ ہو تو سب کچھ قبول ہے ورنہ قبول نہیں۔

(ج) جب کچھ سطحی فکر لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات پر اعتراض کیا کہ آنحضرتؐ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کے اس قدر بوسے کیوں لیتے ہیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا: جب مجھے شب معراج بہشت لے جایا گیا تو مجھے شجر طوبیٰ کا پھل کھلایا گیا۔ اس پھل سے حضرت فاطمہ زہراؑ کا وجود عمل میں آیا۔ جب میں جنت کی خوشبو کا مشتاق ہوتا ہوں تو اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے بوسے لیتا ہوں، اس طریقے سے بہشت کی خوشبو حاصل کر لیتا ہوں (بحار، ج ۸ ص ۱۸۸)

(د) بے ایمان اور غیر صالح اعمال لوگوں کی کامیابی عارضی ہوتی ہے جیسا کہ امام علیؑ کا فرمان ہے ''لَا خَيْرَ فِيْ لَذَّةٍ مِنْ بَعْدِهَا النَّارُ'' اس لذت میں کوئی بہتری نہیں جس کے بعد جہنم کا عذاب ہو (بحار، ج ۴۱، ص ۱۰۴)

پیام

(۱) اس دنیا کی پرسکون اور خوبصورت زندگی اور اُخروی کامیابی ایمان اور عمل صالح کے زیر سایہ ہے۔ (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... طُوْبٰى لَهُمْ ... وَحُسْنُ مَاٰبٍ)

(۲) دنیاوی کامیابیاں اس وقت قیمتی ہو سکتی ہیں جس وقت اُخروی کامیابیاں بھی ساتھ ہوں اگر دنیاوی کامیابیاں آخرت بنانے میں مانع ہوں تو پھر حیرانی و پریشانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ)

آیت نمبر 30

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ○

(اے رسول) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک ایسی قوم میں بھیجا ہے جس سے قبل بہت سی قومیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان کے سامنے اس کی تلاوت کریں جس کی آپ کی طرف وحی کی ہے جبکہ وہ خدائے رحمن کا انکار کرتے ہیں کہہ دیجیئے وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

نکات

(۱) اگر چہ پیغمبر اکرمؐ عربوں میں مبعوث ہوئے لیکن دوسری آیات کی وضاحت کے مطابق آپ تمام اُمتوں کیلئے نبی بن کر تشریف لائے اس لئے قرآن مجید نے فرمایا "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ" ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (سبا ۲۸)

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام کی بعثت سنت الٰہی ہے اور یہ اس کے لطف و کرم اور رحمت و رافت کی دلیل ہے (كَذٰلِكَ ۔۔ بِالرَّحْمٰنِ)

(۲) تبلیغ و تربیت کیلئے ہر قوم کی تاریخ کا مطالعہ لازمی ہے (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ)

(۳) انبیاء علیہم السلام کے فرائض میں سے ہے کہ وہ لوگوں پر وحی الٰہی کی تلاوت کریں۔ (لِّتَتْلُوَا۟)

(۴) کفر کی طاقت کے سامنے ڈٹ جاؤ اور اپنے عقیدہ کا بھرپور انداز میں دفاع کرو (يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ)

(۵) جب خدا پر توکل کی دولت مل جائے تو کفر کے سامنے ڈٹ جانے کا بہترین اور پُر قدرت عامل ہے (قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ)

(۶) خداوند تعالیٰ پر ہمارے ایمان کی دلیل یہ ہے کہ ہم دل کی گہرائیوں سے اسے اپنا رب سمجھیں (رَبِّيْ) اس کی توحید کا اقرار کریں (لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) اس کی ذات کو اپنے لئے مضبوط ترین پناہ گاہ سمجھیں (عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ) اور اسے اپنا مرجع سمجھیں۔ (وَاِلَيْهِ مَتَابِ)

آیت نمبر 31

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○

اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا جس سے پہاڑ چل پڑتے یا زمین پھٹ جاتی یا مردے کلام کرتے (تو پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) بلکہ یہ تمام کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں کیا اہل ایمان پر یہ بات روشن نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دیتا اور ان کافروں پر ان کے اعمال کی وجہ سے آفت آتی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب (مصیبت) آتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا

وعدہ آ پہنچے یقیناً اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

نکات

(الف) یہ آیت کریمہ کفار کی عداوت اور ہٹ دھرمی کو بیان کرتی ہے اس آیت کی مثل سورہ انعام کی آیت ۱۱۱ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اگر ہم ان پر فرشتے نازل کریں اور ان کے ساتھ مردے باتیں کریں اور تمام چیزیں ان کے ساتھ محشور ہوں پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(ب) قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس نے پہاڑوں سے بھی سخت ترین چیزوں کو ہلا کر رکھ دیا ہر قسم کے مردوں کو زندہ کیا اور عرب کے سنگ دل اور ہٹ دھرم اور عقل و دانش سے کوسوں دور لوگوں کو حیات بخشی اگر کوئی ایسی کتاب سے جو پہاڑوں کو چلا دے اور مردوں کو زندہ کر دے تو وہ یہی قرآن کریم ہی ہے جس کے بارے میں فرمان ہے ''اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ ۔۔۔) تفسیر صافی)

(ج) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں کہ '' قرآن کریم میں ایسے علوم و رموز ہیں کہ جن کے ذریعے کائنات کے سربستہ رازوں سے پردے اٹھائے جاسکتے ہیں اور اس پر تصرف کیا جاسکتا ہے (سُیِّرَتۡ بِہِ، اَوۡ قُطِّعَتۡ بِہِ، اَوۡ کُلِّمَ بِہِ)

پیام

(۱) اس انتظار و توقع میں نہ رہیں کہ تمام لوگ ایمان لے آئیں گے (لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَہَدَی النَّاسَ جَمِیۡعًا)

(۲) عداوت و ہٹ دھرمی اور ضد و عناد انسانی معاشرہ کا خاصہ رہا ہے (اگر کوئی حق و حقیقت کا متلاشی ہوتا ہے تو اس کے ایمان کیلئے صرف ایک معجزہ بھی کافی ہوتا (قُرۡاٰنًا سُیِّرَتۡ بِہِ، اَوۡ قُطِّعَتۡ بِہِ، اَوۡ کُلِّمَ بِہِ)

(۳) جب الٰہی نکتہ نظر سے انسان کائنات کے نظام کو دیکھتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ سب امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں (بَلۡ لِّلّٰہِ الۡاَمۡرُ جَمِیۡعًا)

(۴) معجزہ الٰہی ارادہ سے معرض وجود میں آتا ہے ضدی مزاج اور ہوا و ہوس کے پرستاروں کی فرمائش پر نہیں (بَلۡ لِّلّٰہِ الۡاَمۡرُ جَمِیۡعًا)

(۵) الٰہی ارادہ انسان کے اختیاری طور پر ہدایت قبول کرنے میں ہوتا ہے از راہ جبر و اکراہ نہیں ہوتا (اَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَہَدَی النَّاسَ جَمِیۡعًا) یہی پیغام سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۶ میں بھی آیا ہے (لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ) دین میں کوئی جبر نہیں۔

(۶) کافروں کو اس بات کے انتظار میں رہنا چاہئے کہ یا تو ان کے اپنے ملک پر خدائی قہر و غضب نازل ہوگا یا ان کی سرحدوں پر (وَلَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا تُصِیۡبُہُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَۃٌ)

(۷) الٰہی قہر و غضب کا تعلق صرف جہان آخرت سے نہیں ہے تُصِیۡبُہُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَۃٌ

(۸) ہر مقام پر وعظ و نصیحت اور استدلال و برہان ہی کام نہیں آتے کبھی کبھی قہر و غضب بھی لازمی ہو جاتا ہے۔ تُصِیۡبُہُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَۃٌ

(۹) مصائب وآلام کا نزول خود ہمارا اپنا کردار وعمل ہے (بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ)
(۱۰) یہ خدائی نظام رشد وہدایت ہے کبھی تو وہ ہمیں براہ راست متنبہ کرتا ہے اور کبھی بالواسطہ طور پر دوسروں پر عذاب نازل کر کے یا علاوہ ازیں ہمارے اطراف واکناف میں مصائب نازل کر کے ہمیں درس عبرت دیتا ہے۔ (اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ)
(۱۱) دوسروں پر عذاب کے نزول سے ہمیں درس عبرت لینا چاہئے (اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ)
(۱۲) ہمیں کبھی بھی وعدہ ووعید الٰہی میں شک نہیں کرنا چاہئے (لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ)

آیت نمبر 32

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ○

اور آپ سے قبل بھی بہت سے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا۔ تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی پھر انہیں گرفت میں لے لیا تو دیکھ لو کہ میرا عذاب کیسا (شدید) تھا۔

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام کی ملکوتی تاریخ کا مطالعہ مشکلات ومصائب اور شدائد کا مقابلہ کرنے کیلئے صبر وبردباری کا درس دیتا ہے۔ (وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ)
(۲) جو فرد الٰہی فرستادگان کا مذاق اڑاتا ہے وہ کافر ہے (فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا)
(۳) مہلت دینا خداوند تعالیٰ کا حتمی اور ازلی طریقہ رہا ہے (فَاَمْلَيْتُ) اس مہلت سے مومن توبہ اور عمل صالح کی ادائیگی کا فائدہ اٹھالیتا ہے اور کافر اپنی گناہوں کی زندگی پر مُصر رہتا ہے۔
(۴) الٰہی مہلت سے ہمیں بے پروا نہیں ہوجانا چاہئے کیونکہ اس کا قہر وغضب اچانک نازل ہوتا ہے (ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ)
(۵) اگر آپ کسی کو کسی کام پر مامور کرتے ہیں تو اسے اس ماموریت کے ساتھ یہ بھی سمجھا دو کہ مشکلات اور مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑے گا علاوہ ازیں اس کی حوصلہ افزائی بھی کردو (فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ)

آیت نمبر 33

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○

کیا وہ ذات جو ہر نفس کے عمل پر حاضر و ناظر ہے (بے جان بتوں کی طرح ہوسکتا ہے جنہیں) ان لوگوں نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے؟ کہہ دیجیئے ان کے اسماء (اور اوصاف) بیان کرو (جس طرح اللہ کے اسماء ہیں) کیا تم اللہ کو ایسی اطلاع دینا چاہتے ہو جسے وہ اس زمین میں نہیں جانتا یا یہ محض ایک کھوکھلی سی بات ہے۔ اصل میں کافروں کیلیئے ان کی مکاری کو زینت دے دی گئی ہے۔ اور ان کیلیئے سیدھا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے اللہ جسے گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

نکات

(الف) خداوند تعالیٰ قائم ہے اس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ تمام امور کی تدبیر کرنا اور کائنات کی ہر زاویہ سے کفایت وحفاظت و نظارت کرنا اور نظم وضبط کے تحت امور کو چلانا۔

پیام

(۱) خداوند تعالیٰ سوالیہ انداز میں انسانی عقل وفطرت کو فیصلے کی دعوت دیتا ہے کیونکہ انسانی عقل وفطرت شرک کی طرف جھکاؤ نہیں رکھتے۔ (اَفَمَنْ ... اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ)

(۲) جو فرد خدائے علیم وواحد وقیوم سے کٹ جائے تو وہ شرک میں جا پڑتا ہے اور متعدد خداؤں کی پرستش کے حلقہ میں گرفتار ہو جاتا ہے (شُرَكَآءَ)

(۳) بت پرستی اور شرک اس قدر بے دلیل و بے منطق ہیں کہ مشرکین اور بت پرست اپنے معبودوں کے نام اور اوصاف تک بیان نہیں کر پاتے۔ (قُلْ سَمُّوْهُمْ)

(۴) شاید مشرکین بھی دل کی گہرائیوں سے اپنے معبود بتوں کو قبول نہ کرتے ہوں (اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ)

(۵) جس فرد کیلیئے انحرافی مسائل خوبصورت انداز میں پیش ہوں تو وہ راہ حق اور صراط مستقیم سے ہٹ جاتا ہے (زُيِّنَ ... وَصُدُّوْا)

(۶) شرک کفر کی ایک قسم ہے (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ... بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا)

(۷) اپنی منصوبہ بندی اور تدابیر پر نازاں نہیں ہونا چاہیئے (زُيِّنَ ... مَكْرُهُمْ)

آیت نمبر 34

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ○

ان کیلیئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ مشقت والا ہے اور انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔

نکات

آخرت کا عذاب شدید ترین عذاب ہے کیونکہ

(۱) قیامت کے دن ہر قسم کے اسباب ووسائل منقطع ہوجائیں گے (وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ)(بقرہ ۱۶۶)

(۲) نسب اور ہر قسم کی رشتہ داری کسی کام نہیں آئیں گی۔فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ)(مومنون ۱۰۱)

(۳) فدیہ وعوض قبول نہیں کیا جائے گا۔(يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ۔۔بِبَنِيْهِ ۔۔وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ۔۔ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔۔۔ كَلَّا)(معارج ۱۱ تا ۱۶)

(۴) معذرت خواہی فایدہ نہیں دے گی(يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ) مومن ۵۲)

(۵) عذاب میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی(لَا يُخَفَّفُ) بقرہ ۱۶۳)

(۶) عذاب روحانی بھی ہوگا اور جسمانی بھی ہوگا(ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ)

پیام

(۱) جو آدمی اس دنیا میں خدا کا شریک ٹھہرائے گا اسے دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے(لَهُمْ عَذَابٌ فِي۔۔۔ الدُّنْيَا)

(۲) مشرکین کو شفاعت نصیب نہیں ہوگی (وَمَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ)

آیت نمبر 35

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ○

پرہیزگاروں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان ایسی ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس کے پھل اور اس کا سایہ دائمی ہیں۔یہ ہے پرہیزگاروں کی عاقبت اور کافروں کا انجام تو آگ ہے۔

نکات

(الف) قرآن کریم میں تعلیم وتربیت کے جو طریقے اپنائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ افراد اور حالات کا باہمی تقابل کیا جاتا ہے اور حق اور باطل کے انجام کو بیان کیا جاتا ہے اسی انداز کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت سے قبل والی آیت میں مشرکین کے مستقبل کا ذکر کیا گیا ہے اور زیر بحث آیت میں صاحبان تقویٰ کے انجام کو بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان دونوں قسم کے اشخاص کی سرنوشت کا جایزہ لیں اور بہتر سے بہتر آگاہی حاصل کرسکیں اور اپنے اس تجزیہ وتحلیل کی روشنی میں اپنی راہوں کو متعین کرسکیں۔

(ب) جنت میں جو سایے ہوں گے وہ دائمی ہوں گے وہاں سورج و درخت اور سایے ہوں گے لیکن دنیاوی سایوں کی طرح نہیں

ہونگے کیونکہ دنیاوی سایے خاص اوقات میں ہوتے ہیں جیسے وقت صبح اور وقت عصر، ظہر اور رات کو ختم ہوجاتے ہیں یا کم ہوجاتے ہیں لیکن جنت کے سایے ہمیشہ اور ایک صورت میں ہونگے۔

(ج) سوال:۔ سورہ دھر کی ۱۳ ویں آیت میں آیا ہے "لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا" وہاں پر نہ تو وہ سورج کو دیکھیں گے اور نہ ہی نقصان پہچانے والی سردی کو) تو اس لحاظ سے زیر بحث آیت میں سایے کی بات کیوں کی گئی ہے؟

جواب:۔ سورج کے نہ دیکھنے کا مطلب، اس کی جلا دینے والی حرارت ہے حالانکہ وہ تو روشنی دینے والا ایک قدرتی نظام ہے وہ تو موجود ہوگا جب وہ موجود ہوگا تو اس کا نور بھی ہوگا جب نور ہوگا تو سایہ بھی ہوگا۔

پیام

(۱) ہم صرف بہشت کی شبیہ یا مثال کا ادراک کر سکتے ہیں (مَثَلُ الْجَنَّةِ) ورنہ ہم جیسی مخلوق اس کا حقیقی ادراک نہیں کر سکتی۔

(۲) بہشت کی نعمات نہ تو موسم و وقت کی محتاج ہیں اور نہ مقام و موضع کی نہ ختم ہونے والی ہیں اور نہ فاسد و خراب ہونے والی ہیں۔ (دَائِمٌ)

(۳) بہشت کی قیمت تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر بہشت حاصل نہیں ہوگی۔ اس محدود زندگی میں تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے کی قیمت اخروی دائمی کامیابی ہے (الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقِينَ ... أُكُلُهَا دَائِمٌ) یہ سودا سستا ہے مہنگا نہیں ہے۔

(۴) افراد کے ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ مت دیجیئے انجام کار پر نگاہ رکھو (عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا)

(۵) مومن کو متقی ہونا چاہئے کیونکہ "الْمُتَّقُونَ" کے بالمقابل "الْكَافِرِينَ" آیا ہے۔

آیت نمبر 36

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ○

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ پر نازل ہونے والی کتاب سے خوش ہیں اور ان جماعتوں میں بعض ایسے ہیں جو اس میں کچھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے مجھے تو صرف حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں میں اس کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

نکات

(الف) یہ آیت کریم یہ بھی قرآن کریم کی دوسری آیات مثلاً سورہ قصص ۵۲، سورہ بقرہ ۱۲۰، سورہ اعراف ۱۵۹ کی مانند اہل کتاب کے ان افراد کی تعریف و توصیف کر رہی ہے جو حق کو قبول کرنے والے اور نیک دل ہیں۔ اس آیت کا بیان ہے کہ جو اہل کتاب سچے

ہیں وہ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ بے جا تعصب سے پرہیز کرتے ہیں وہ لوگ جب سلام اور آیات الٰہی کا سامنا کرتے ہیں تو خوشی خوشی ایمان لے آتے ہیں۔

پیام

(۱) اگرچہ آیات کا قبول کر لینا بھی اہم بات ہے لیکن انہیں خوش ہو کر قبول کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے (یَفْرَحُوْنَ)

(۲) پروردگار عالم کے تمام احکام پر ایمان لانا لازمی ہے بعض کو تسلیم کر لینا کفایت نہیں کرتا (بِمَآ اُنْزِلَ)

(۳) فرقہ واریت و گروہ بندی اور اندھی تقلید حق کو قبول کرنے کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں (وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْکِرُ)

(۴) منکرین حق کے مقابلے میں جوانمردی کے ساتھ ڈٹ جانا چاہئے (مَنْ یُّنْکِرُ ... قُلْ)

(۵) خالصانہ بندگی کی دلیل یہ ہے کہ ہمارا حال اور استقبال اللہ کے ہاتھ میں ہے (اَعْبُدَ اللّٰہَ ... وَاِلَیْہِ مَاٰبِ)

(۶) توحید و نبوت، قیامت تمام آسمانی ادیان کے مشترکہ اصول ہیں توحید (اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ وَلَآ اُشْرِکَ بِہٖ) نبوت (اِلَیْہِ اَدْعُوْا) معاد (وَاِلَیْہِ مَاٰبِ)

آیت نمبر 37

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ○

اور اسی طرح اس قرآن کو ہم نے عربی میں ایک حکم نامہ بنا کر نازل کیا ہے اور اگر آپ نے علم آجانے کے بعد بھی لوگوں کی خواہشات کی اتباع کی تو اللہ کے مقابلے میں آپ کو نہ کوئی مددگار ملے گا اور نہ کوئی بچانے والا۔

نکات

(۱) اس آیت کریمہ میں کلمہ ''حُکْمًا'' ان تین میں سے کسی ایک معنیٰ کیلئے آیا ہے

(۱) حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا

(۲) خدائی احکام

(۳) حکمت و دانش

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا نزول خداوند تعالیٰ کی دائمی سنت رہی ہے۔ (وَ كَذٰلِكَ)
(۲) پیام وحی لوگوں کی ہی زبان میں ہونا چاہئے (حُكْمًا عَرَبِيًّا)
(۳) الٰہی احکام روشن وواضح ہیں اور ہر قسم کی کجی اور ابہام سے پاک ہیں (عَرَبِيًّا)
(۴) خواہشات کی پوجا پاٹ سے بھی پست تر دوسروں کی خواہشات کی تکمیل ہے۔ (اَهْوَآءَهُمْ)
(۵) سعادت کے حصول کیلئے صرف علم کافی نہیں ہے کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان علم کے باوجود بھی انحرافات کو اپناتے ہوئے دوسرے لوگوں کی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے۔ (اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ)
(۶) صاحبان علم کی مسؤلیت دوسروں سے کہیں زیادہ ہے (جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ)
(۷) حقیقی وواقعی علم قرآن کریم ہی ہے (اَنْزَلْنٰهُ۔۔جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ)
(۸) خداوند تعالیٰ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے اگر انبیاء علیہم السلام کجروی اپنائیں گے تو اللہ انہیں بھی تنبیہ فرماتا ہے (مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ)
(۹) جب انسان گمراہ اور منحرف لوگوں کی رضا کے حصول کی کوشش کرتا ہے تو پھر اس سے الٰہی نصرت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ (اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ ۔۔۔مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ)

آیت نمبر 38

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ○

یقیناً ہم نے آپ سے قبل بھی بہت سے رسول بھیجے اور انہیں ہم نے ازواج اور اولاد سے بھی نوازا اور کسی رسول کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لے آئے ہر زمانے کیلئے ایک نوشتہ ہے۔

نکات

حضرت امام صادقؑ کا فرمان ہے کہ ہم رسول اللہؐ کی اولاد ہیں اور حضرت زہراؑ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دوسرے انبیاء کو دیا ہے وہی رسول اللہؐ کو عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ولقد ارسلنا۔ (بحار، ج ۲۴، ص ۳۶۵)

پیام

(۱) بعثت انبیاء سنت الٰہی ہے۔ (اَرْسَلْنَا رُسُلًا)
(۲) پیغمبر اسلامؐ خاتم الانبیاء ہیں (قَبْلِكَ) کا فرمان ہے (بَعْدِكَ) کا فرمان نہیں ہے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام بھی دوسرے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے ان کی بھی اولاد وازواج تھیں۔ (اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً)
(۴) انبیاء کے معجزات ان کی اپنی مرضی سے وقوع پذیر نہیں ہوتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے معجزے ہوئے تھے۔ (اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ)
(۵) قوانین الٰہی کے نزول میں زمانے کو بڑا دخل حاصل ہے (لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ)

آیت نمبر 39

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ○

اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

نکات

(۱) مقدرات خداوندی

آیات وروایات کے مطابق خدا کی تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ امور جن کی مصلحت دائمی ہوتی ہے اس لئے ان کے قوانین بھی دائمی ہوتے ہیں۔ اسی مضمون پر مشتمل یہ آیات ہیں۔

''مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ'' ہمارے کلام میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی (ق ۲۹)

''وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ'' اللہ کے نزدیک ہر چیز کا جچا تلا حساب ہے (رعد ۸) تو اسی طرح کی تقدیر لوح محفوظ میں ثبت ہے

''فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ'' (بروج ۲۲) اور اسی طرح سے صرف مقربان بارگاہ الٰہی ہی خدا کے اذن سے آگاہ ہوتے ہیں''

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ'' (مطففین ۲۰/۲۱)

(۲) وہ امور جو حتمی اور دائمی نہیں ہوتے لوگوں کے اعمال اور کردار کے مصالح کے تابع ہوتے ہیں مثال کے طور پر لوگوں کا گناہوں سے توبہ کی مصلحت میں عفو ودرگزر شامل ہے یا صدقہ دینے سے بلائیں ٹل جاتی ہیں یا مظالم کی وجہ سے قہر خداوندی کا نزول ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان کے مطابق یہ نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ کے نظام کائنات کو چلانے کیلئے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور وہ ذات اپنے لا محدود علم وحکمت کی بدولت کیفیات کے تغیر وتبدل سے تخلیق اور قوانین میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کی تبدیلیاں خدا کی لاعلمی یا نظر ثانی یا اس کی پشیمانی کی علامات نہیں ہیں بلکہ حکمت ومصلحت وحالات کی تبدیلی یا ان امور کے اختتام کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔

قرآن مجید میں اس بارے میں بہت سے مثالیں موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) ''رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ'' تم مجھ سے دعا کرو تا کہ میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں (مومن ۶۰) چنانچہ انسان آہ وزاری اور اپنی دعا کی وجہ سے اپنی تقدیر کو بدل سکتا ہے۔

(۲) ''لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا'' شاید کہ اللہ کوئی صورت پیدا کردے (طلاق ۶)
(۳) ''کُلَّ یَوۡمٍ ہُوَ فِیۡ شَاۡنٍ'' خداوند تعالیٰ ہر روز اسی روز کی مخصوص شان کے ساتھ ہے۔ (رحمان ۲۹)
(۴) ''فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ'' جب انہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ نے بھی انہیں گمراہی میں چھوڑ دیا۔ (صف ۵)
(۵) ''ولو ان اھل القری امنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات'' اگر گاؤں والے ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کرلیں تو ہم ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ (اعراف ۶۹) ایمان اور تقویٰ کے ساتھ خدا کے غضب وغصہ کو لطف و برکت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔
(۶) ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ'' (خداوند تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدلیں) (رعد ۱۱)
(۷) ''اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ'' جو لوگ توبہ کرتے ہیں، ایمان لے آتے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردیتا ہے۔ (فرقان ۷۰)
(۸) ''وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا'' اگر تم لوٹ آئے تو ہم بھی لوٹ آئیں گے (بنی اسرائیل ۸)

سوال:۔ اگر اللہ تعالیٰ کا علم اس کی عین ذات ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی تو پھر جو کچھ علم الٰہی میں آچکا ہے اسے عمل کی شکل اختیار کرنا چاہئے بصورت دیگر جہالت کے زمرے میں آجائیگا؟

جواب:۔ خداوند تعالیٰ کا علم اسباب وعلل پر مبنی ہے اسے علم ہے کہ اگر اس نے اس ذریعہ کو اختیار کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا اگر کسی اور ذریعہ کو اپنایا تو اس کا نتیجہ اور ہوگا خدائی علم، اسباب وعلل کے علم سے جدا نہیں ہے۔

بداء کیا ہے؟

ایک اعتراض جو اہل سنت برادران شیعوں پر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات خدا کی طرف ''بدائ'' کی نسبت دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ''بداء'' کے معنیٰ ہیں، علم الٰہی میں تبدیلی، اور خدا کا واقعہ کے خلاف سمجھنا، حالانکہ شیعہ حضرات کی بداء سے مراد ایسی چیزوں کا ظاہر ہونا ہے جنہیں ہم انسان ان کے خلاف خیال کرتے ہیں۔

تخلیق میں ''بداء'' کا مقصد یہ ہے جیسے کسی قانون میں تنسیخ کردی گئی ہو مثال کے طور پر ہم کسی حکم کو ظاہری طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیشہ کیلئے ہے لیکن ایک عرصہ کے بعد دیکھتے ہیں کہ وہ حکم تبدیل ہوجاتا ہے تو ہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالتے کہ قانون اور حکم بنانے والا جاہل تھا یا وہ اپنے اس حکم وقانون سے نادم ہوگیا ہے بلکہ معروضی حالات اس حکم یا قانون میں تبدیلی کا سبب بنے ہیں یہ بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی ڈاکٹر مریض کے حالات کے پیش نظر ایک نسخہ تجویز کرتا ہے اس کے مطابق اسے دوائی دی جاتی ہے لیکن مریض کے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے پھر ایک دوسرا نسخہ تجویز کیا جاتا ہے یہی مفہوم ''بداء'' کا ہے بعض آیات کی منسوخی بھی ایک طرح کی بداء ہے اور اسے تمام اسلامی فرقے تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی۔ اس لئے بداء کو اسی معنیٰ اور بیان کے ساتھ

لینا چاہئے۔ پس بداء کے معنیٰ نہ تو ہماری جہالت ہے اور نہ خداوند تعالیٰ کی لاعلمی!

بداء کے نمونے

(۱) ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا جو حکم فرمایا تھا تو اس کے مطابق حضرت اسماعیلؑ ذبح ہو جائیں گے اور ان کا خون زمین پر بہے گا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس حکم سے مراد صرف حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش تھی نہ کہ جناب اسماعیلؑ کا ذبح ہونا تھا۔

(۲) حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ مناجات تیس روز کا تھا ''وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً'' (اعراف ۱۴۲) ہم نے اس سے اتنی مدت کا وعدہ ہی سمجھا تھا۔ لیکن بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ابتداء ہی سے اس کے چالیس دن کا پروگرام تھا لیکن امتحان کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرحلوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پہلے تیس راتیں اور بعد میں دس راتیں سامنے آئیں۔

(۳) ہم نے سمجھ رکھا تھا کہ مسلمانوں کا قبلہ ہمیشہ ''بیت المقدس'' ہی رہے گا لیکن تحویل قبلہ کی آیات نے ہم پر یہ ظاہر کیا کہ تمہارا قبلہ ہمیشہ کیلئے کعبہ ہے۔

(۴) جب خداوند تعالیٰ کے عذاب کے آثار ظاہر ہو گئے تو حضرت یونسؑ دیکھ کر مطمئن ہو گئے کہ عذاب الٰہی نازل ہوگا اور یہ کافر قوم ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گی اس لئے آپ لوگوں سے علیحدہ ہو کر باہر چلے گئے لیکن ان کی قوم ایمان لے آئی تھی تو ان سے عذاب بھی ٹل گیا (اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ (یونس ۹۸)

المختصر ''بداء'' کے معانی نہ تو خدا کی لاعلمی ہے اور نہ اس کے علم کی تبدیلی کیونکہ خداوند تعالیٰ پہلے ہی سے جانتا تھا کہ اسماعیلؑ کا خون نہیں بہایا جائے گا۔ جناب موسیٰؑ کے مناجات کی مدت چالیس راتیں ہونگی، اہل اسلام کا دائمی قبلہ کعبہ ہی ہوگا۔ جناب یونسؑ کی قوم نجات حاصل کر لے گی لیکن ظاہری حالات اور احکام مختلف تھے کہ جن کو دیکھ کر انسان کو دوسرا رخ نظر آتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کے علم میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی بلکہ ہماری نظر میں یہ ہے کہ ایک نئی چیز نے جنم لیا۔

اس مفہوم کے لحاظ سے ''بداء'' کے تربیتی اثرات بہت زیادہ ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان اپنی عمر کے آخری لمحات تک حالات کی تبدیلی کا امیدوار رہتا ہے اس کے اندر توکل بر خدا کا جذبہ جوان ہو جاتا ہے ظاہری حالات میں گم ہو کر نہیں رہ جاتا۔ خداوند تعالیٰ کی قدرت اور اس کی غیب پر انسان کا ایمان زیادہ سے زیادہ پختہ ہو جاتا ہے وہ توبہ، صدقہ، مناجات اور دعا کے ذریعے کوشش و کاوش کرتا ہے تا کہ حوادث اور قہر خداوندی اس سے ٹل جائیں۔

(۵) حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے توحید پر ایمان کے ساتھ ساتھ ''بداء'' پر ایمان کا عہد بھی لیا تھا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ خدا کیلئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ وہ پہلے اسے نہیں جانتا تھا تو ایسے شخص سے دور رہو۔ (تفسیر نمونہ)

پیام

(۱) تکوینی یا تشریعی نظام کی تبدیلی کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔(یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ)
(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات کو اپنے حال پر نہیں چھوڑا (یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ)
(۳) کائنات پر حکم فرما قوانین کا منسوخ کر دینا یا باقی رکھنا خدا کے ہاتھ میں ہے(یَمْحُوا اللّٰہُ ۔۔۔)
(۴) اللہ تعالیٰ کا محو و اثبات اس کے علم و حکمت کی اساس پر ہے وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ)
(۵) اس جہان آفرینش کا ایک عظیم دفتر ہے جس میں تمام واقعات درج ہیں (الْکِتٰبِ)

آیت نمبر 40

وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ○

اے پیغمبرؐ اپنے کاموں کا نتیجہ دیکھنے کا انتظار نہ کریں کیونکہ) ہم ان سے جو وعدہ کریں گے اگر اس کا کچھ حصہ تمہاری زندگی میں تمہیں دکھائیں گے یا پھر تمہیں دنیا سے اٹھا لیں گے یقین رکھو کہ ہم اپنے وعدے کو ضرور پورا کریں گے پس تمہارا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

(۱) مسلمانوں پر جو خدا الطف و رحم دکھائے یا فار پر جوق ※ روغضب انزول دکھائے و※ تو خدائی وعدے ہے ای※ حص※ دکھائے (بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ)
(۲ جناب رسول خدا صلی اللہ علی※ وال※ وسلم جیسے برگزید※ افراد ہی بھی اگر وفات ہو جاتی ہے تو اسے بھی خدائی وعدے کی تکمیل کے سلسلے میں کوئی فرق نہیں پڑتا جب وعدے کی تکمیل مقصود ہوتی ہے تو اس کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ)

کیا ان لوگوں کو نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف و جوانب سے گھٹاتے ہوئے چلے آتے ہیں؟ اللہ حکم صادر فرماتا ہے اس کے حکم کو پس پشت ڈالنے والا کوئی نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

نکات

(۱) بہت سی روایات میں آیا ہے کہ اس آیت میں جو زمین کے اطراف سے نقص کا ذکر ہوا ہے اس کا مطلب بزرگ علماء کرام کی وفات اور ان کا فقدان ہے (تفسیر نور الثقلین)

پیام

(۱) ہمیں چاہئے کہ ہم گزشتہ اقوام عالم کی تاریخ سے درس عبرت حاصل کریں اور خدائی وعدوں اور وعید میں شک نہیں کرنا چاہئے

(اَوَلَمۡ یَرَوۡا)

(۲) حکومتوں کا زوال اور شخصیات کی اموات خداوند تعالیٰ کے حکم پر ہوتی ہے۔ نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا

(۳) اللہ تعالیٰ کی حکومت اور اس کے احکام ناقابل شکست ہیں۔ (لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ)

(۴) تمام اشخاص اور طاقتیں بتدریج زمین سے اٹھتی چلی جارہی ہیں اور یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ برقرار رہے گی نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا○ وَاللّٰهُ یَحۡكُمُ

آیت نمبر 42

وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِیۡعًا ؕ یَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ ؕ وَسَیَعۡلَمُ الۡكُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَی الدَّارِ○

اور بے شک ان سے پہلے والوں نے بھی مکاریاں کی ہیں لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں وہ ہر نفس کے عمل پر حاضر و ناظر ہے اور کافروں کو عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کیلئے ہے۔

نکات

(ا) انسان کو اپنے خالق کی طرف متوجہ کرنے اور غیر اللہ سے منقطع کرنے کیلئے قرآن مجید نے کچھ اس طرح اہتمام کیا ہے کہ اس نے وہ تمام ممکن راستے جو غیر اللہ کی طرف میلان کا سبب تھے بند کر دیے ایک جگہ فرماتا ہے ''اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا'' (تمام عزت خدا کیلئے ہے) یعنی اگر تم عزت کی طلب میں لوگوں کے پیچھے دوڑتے ہو تو تمہیں اچھی طرح سے جان لینا چاہئے کہ تمام عزتیں اللہ کیلئے ہیں۔ ایک اور مقام پر فرماتا ہے ''اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا'' تمام قدرت و طاقت خدا کے پاس ہے'' ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے ''فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِیۡعًا'' تمام تدبیریں خدا کیلئے ہیں تا کہ انسان عزت، قدرت اور سیاست کی تلاش میں انسانوں کے پیچھے مارا مارا نہ پھرتا رہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کے مکر و تدبیر کا ایک بہترین نمونہ یہ ہے کہ وہ گمراہ لوگوں کو کھلی چھٹی دے دیتا ہے اس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا اختیار کردہ راستہ ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انہیں خبردار کیا ہے کہ کافروں کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ تمہاری رسی ڈھیلی کر دینا تم سے محبت کی دلیل ہے ہم تو انہیں اس لئے کھلی چھٹی دیتے ہیں تا کہ ان کا پیمانہ لبریز ہوجائے۔

پیام

(ا) دین کے رہبروں کو مخالفین کی مکاری وعیاری اور سازشوں سے نہیں گھبرانا چاہئے کیونکہ یہ سلسلہ تاریخ انبیاء میں پہلے دن سے چلا آرہا ہے (وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ)

(۲) تاریخ سے درس عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ دیکھیں انجام خیر کس کا ہوا ''لِمَنۡ عُقۡبَی الدَّارِ''

(۳) تمام تدبیروں اوران کے اثرات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے لوگوں کے پیچھے بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں (فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا)
(۴) اللہ کے مقابلے میں انسانی تدبیروں کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ مکاری اور عیاری تو وہاں موثر ہوتی ہے جہاں فریق ثانی غافل ہو (يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ)

آیت نمبر 43

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ○

اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان گواہی کیلئے اللہ ہے اور وہ ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہے وہ کافی ہیں۔

نکات

(ا) اس سورہ کی پہلی آیت میں ہم نے پڑھا ہے کہ جو کچھ رسول اللہ پر نازل ہوتا ہے وہ سب حق ہے یہ اور بات ہے کہ اس پر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس سورہ کی آخری آیت میں بھی ہم یہی پڑھ رہے ہیں کہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باطل لوگ انبیاء الٰہی اور اس کے کلام کے ساتھ کس قدر بغض وعناد رکھتے ہیں۔
(ب) حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کے پاس کتاب کا صرف جز تھا تو اس نے اس تھوڑے سے علم کے زور پر ملک سباء سے ملکہ بلقیس کا تخت چشم زدن سے قبل ان کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا تو پھر جس کے پاس کتاب کا کلی علم تھا خدا جانے اس کی قدرت اور طاقت کی کیا حد ہوگی۔
(ج) روایات کے مطابق جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ حضرت امام علیؑ ہیں (تفسیر کنز الدقایق)

پیام

(ا) خداوند تعالیٰ کی نصرت وحمایت پر ایمان ہر قسم کی تکذیب وتحقیر کے مقابلے میں مضبوط ترین ڈھال ہے (قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ)
(۲) کتاب اللہ کا علم انسانی عزت وعظمت کو اتنا بلند کرتا ہے کہ اس کی شہادت اللہ تعالیٰ کی شہادت کے ساتھ جگہ پاتی ہے۔ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ
(۳) بعض اوقات ایک لائق وفائق انسان کی گواہی ہزاروں لوگوں کے انکار پر بھاری ہو جاتی ہے گویا کیفیت کو دیکھا جاتا ہے کمیت کو نہیں دیکھا جاتا كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ

الحمد للہ رب العالمین

سورہ ابراھیم

پارہ 13

سورہ نمبر 14

تعداد آیات 52

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورہ ابراہیم کی ایک جھلک

اس سورہ کریمہ کی آیات کی تعداد ۵۲ ہے۔ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی البتہ اس کی ۲۸ اور ۲۹ نمبر آیات جن کے اندر مقتولین بدر کا ذکر ہے مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورت میں انبیاء کرامؑ کی رسالت حضرت ابراہیمؑ کے مواعظ، بشارتوں اور دعاؤں کا تذکرہ ہے۔

روایات کے مطابق اس سورہ کی تلاوت عظیم الشان برکات کی حامل ہے ان برکات میں سے مصائب و آلام، تنگدستی اور جنون سے تحفظ بھی ہے اس سورہ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں بہت سے مطالب کو ذکر کیا گیا ہے لہذا اسے سورہ ابراہیمؑ سے موسوم کیا گیا۔ سابقہ سورتوں یونسؑ، ہودؑ اور یوسفؑ کی طرح اس کا آغاز بھی ''الر'' کے کلمہ سے کیا گیا ہے۔ ان تمام سورتوں کی اولین آیت اوصاف قرآن کے بارے میں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1

الٓرٰ ۟ قف کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ○

الف۔ لام۔ را (یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے (شرک اور جہالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کے) نور کی طرف لے آئیں۔ غالب آنے والے قابل ستائش اللہ کے کے راستے کی

طرف۔

نکات

(۱) قرآن مجید میں لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف نکالنے کا ذکر کئی مرتبہ آیا ہے۔

(۱) کبھی تو اس کی نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے (اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ) اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے (بقرہ ۲۵۷)

(۲) کبھی انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ (اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ) اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آؤ۔ (ابراہیم ۵)

(۳) کبھی کتاب کی طرف نسبت دی گئی ہے (كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ) یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئیے۔ (ابراہیم ۱)

(۴) کفر و فرقہ پرستی و جہالت و شرک اور شک و شبہات کو ''ظلمات'' سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ انسان جب ان صفات سے متصف ہوتا ہے تو حیران و سرگردان ہوتا ہے جس طرح اندھیرے میں حیران و پریشان ہوتا ہے۔

(۵) نور روشنی و بینائی، تحریک و بیداری اور رشد و ہدایت کا وسیلہ ہے یہی نور آسمانی کتاب اور الٰہی پروگرام میں موجود ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ

پیام

(۱) صرف قرآن کافی نہیں ہے لوگوں کی ہدایت کیلئے الٰہی رہبر کا ہونا ضروری ہے (كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ)

(۲) آسمانی کتابوں اور انبیاء کی بعثت کا فلسفہ نوع بشر کو ظلمتوں سے چھٹکارا دلانا ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ [۱۴:۱] جہالت کی دلدل سے نکال کر علم کے نور کی طرف لانا، کفر کی تاریکیوں سے ایمان کے نور کی طرف رہبری کرنا، فرقہ بندی کے بکھیڑوں سے وحدت و اتحاد کی پرمسرت زندگی کی طرف اور گناہ و معصیت کی سرگردانیوں سے تقویٰ و پرہیزگاری کے نورانی ماحول کی طرف ہدایت کرنا ہے۔

(۳) تبلیغ و رہبری کا مرکز و محور اور سرمایہ صرف قرآن ہی کو ہونا چاہئے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ

(۴) ظلمات تو کثرت کے ساتھ ہیں لیکن نور تنہا ہے حق بھی اکیلا ہے لیکن باطل بے شمار ہیں۔ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کلمہ نور مفرد ہے اور ظلمت کا کلمہ جمع آیا ہے۔

(۵) پیغمبران گرامی اور آسمانی کتابیں وسیلہ ہدایت ہیں لیکن ہدایت کا مرکز و محور اذن پروردگار ہے (بِاِذْنِ رَبِّهِمْ)

(۶) الٰہی راستہ عزت و عظمت، سربلندی و کمال کا راستہ ہے (اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ)

آیت نمبر 2

اَللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ﴿۲﴾

وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کیلئے ہے پس کافروں کیلئے شدید ترین عذاب کی سزا ہے۔

پیام

(۱) قانون وشریعت اس چیز کا نام ہے کہ اس ذات کی اطاعت وپیروی کریں جس نے کائنات کو خلق فرمایا اور وجود کائنات اسی کے دم قدم سے قائم ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

(۲) وہ ذات جو پوری کائنات کی مالک ہے اس کے انکار سے اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ کفار کی سزا کا سبب بن جاتا ہے۔ (وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ)

آیت نمبر 3

الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ○

(کفار) وہ لوگ ہیں جو دنیوی حیات کو اخروی حیات پر ترجیح دیتے ہیں اور (لوگوں کو) راہ خدا سے روکتے ہیں اور اس میں انحراف لانا چاہتے ہیں اور یہی لوگ گمراہی میں بہت دور تک چلے گئے ہیں۔

نکات

(۱) خدائی راستے کو مسدود کرنا کسی ایک یا دو موارد میں محدود نہیں بلکہ اپنے مفہوم میں وسعت رکھتا ہے۔ بلکہ غلط پروپیگنڈہ اعلانیہ فسق وفجور وغافل وکاہل بنانے والے مسائل کی ترویج وشکوک وشبہات کی ایجاد واختلافات کو ہوا دینا وگمراہ کن نشریات ودین حق کو غلط انداز میں پیش کرنا وناہل وجاہل لوگوں کو دینی رہبروں کے عنوان سے متعارف کرانا اس قسم کے سیکڑوں نمونے ہیں جن کے ذریعے خدائی راستے سے ہٹایا جاسکتا ہے۔

(ب) اس دنیا سے فائدہ اٹھانا جایز ہے لیکن دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا بہت زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس دنیا کی محبت عبادت خداوندی انفاق فی سبیل اللہ، جہاد راہ خدا، کسب حلال، صداقت وشرافت اور شرعی امور کے انجام دینے سے روک دیتی ہے۔

پیام

(۱) حُب دنیا کفر کی راہوں کو ہموار کرتی ہے اور دین خداوندی سے برسر پیکار ہونے کا سبب بنتی ہے جس کا نتیجہ ضلالت ہی ضلالت ہے
يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ③
(۲) تمام گمراہیوں کا سرچشمہ خود انسان کے اپنے افعال و اعمال ہوتے ہیں يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا
(۳) انسان خود مختار ہے اور وہ ایک راستے پر دوسرے راستے کو ترجیح دے سکتا ہے اور اس کا انتخاب کر سکتا ہے۔ (يَسْتَحِبُّوْنَ)
(۴) کفار کے تین مرحلے
(ا) دنیا کو اپنا مرکز و محور بنا کر خدائی راہ سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ (يَسْتَحِبُّوْنَ)
(ب) پھر وہ اپنے افعال و کردار سے دوسروں کو صراط مستقیم سے ہٹاتے ہیں (وَيَصُدُّوْنَ)
(ج) آخر میں اپنی تمام توانائیاں ان لوگوں کو راہ راست سے ہٹانے کیلئے خرچ کر دیتے ہیں جو متلاشیان حق و حقیقت ہوتے ہیں۔ (وَيَبْغُوْنَهَا)
(۵) مزاج کفر عامل گمراہی ہے۔ الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ② [۱۴:۲] الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا
(۶) ضلالت و گمراہی کئی درجات و مراحل کی حامل ہے اس کے درجات جتنے گہرے ہوتے جائیں گے حق سے اتنی دوری ہوتی جائے گی۔ (ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ)

آیت نمبر 4

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس قوم کی لسان میں تا کہ انھیں واضح انداز میں سمجھا سکے پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

نکات

(ا) اس آیت کریمہ میں 'بِلِسَانِ قَوْمِهٖ'' سے مراد صرف لوگوں کی زبان نہیں ہے کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بات کرنے والا ان موجود لوگوں میں ان کی زبان میں بات تو کرتا ہے۔ لیکن لوگ صحیح صورت میں اس کی بات کو سمجھ نہیں پاتے۔ بلکہ

اس کلمہ سے مراد ہے آسان اور قابل فہم گفتگو کرنا تا کہ لوگ خدائی پیغام کو سمجھ سکیں اسی مطلب کو دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے ۔''یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ'' ھم نے قرآن مجید کو آپ کی لسان میں آسان کر دیا ہے (مریم ۹۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ ان کی زبان کی گرھیں کھول دی جائیں تا کہ ان کی اُمت کے لوگ ان کی باتوں کو سمجھ سکیں (وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ) (طہ ۲۷)

(ب) اللہ تعالیٰ کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت بیان ہوئی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس کے دین کے مقابلے میں ھٹ دھرم ہو جاتے ہیں تو ان لوگوں کو اپنے لطف و کرم سے محروم کر دیتا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت چاھتا ہے وہ اپنے بندوں کو براہ راست گمراہ کرنا نہیں چاھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر نہ وہ آسمان سے کتابیں بھیجتا اور نہ ہی کسی پیغمبر کو بھیجتا۔ قرآن کریم کی دوسری آیات میں آیا ہے کہ خداوند عالم ظالموں، فاسقوں اور اسراف کرنے والوں کو گمراہ کرتا ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انسان خود ہی گناہ اور مظالم کے ذریعے اپنی گمراہی کے سامان کرتا ہے۔

(ج) بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ''یَشَاءُ'' کا فاعل خود لوگ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو خود اپنی گمراہی چاھتے ہیں اور ان لوگوں کو ہدایت کرتا ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاھتے ہیں جس طرح یہ آیت ہے ''كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ۔۔'' ہم ان لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں جو راہ پر چلنا چاھتے ہیں (بنی اسرائیل ۲۰)

(د) رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اپنی قومی زبان میں ابلاغ و تبلیغ کرنا دین اسلام کے عالمگیر ھونے سے متصادم نہیں ہے۔ کیونکہ پیغام الہیٰ کسی خاص زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اسی طرح قرآن کریم کا حکم یہی ہے کہ کچھ لوگ دین سیکھیں اور انہیں مطالب کو دوسروں تک پہنچائیں۔

پیام

(۱) انبیاء اپنی قومی زبان اور ثقافت پر عبور رکھتے ہیں اور ان کے فہم کے مطابق انہیں تبلیغ کرتے ہیں۔ (بِلِسَانِ قَوْمِهٖ)

(۲) خداوند تعالیٰ لوگوں پر اتمام حجت فرماتا ہے (بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ)

(۳) دینی رہبروں کا لوگوں کے ساتھ رابطہ عاطفت و محبت کی اساس پر براہ راست ہوتا ہے (بِلِسَانِ قَوْمِهٖ)

(۴) تبلیغ سادہ آسان اور روشن طریقوں سے ہونی چاہئے جو ہر ایک کیلئے قابل فہم ہو۔ (بِلِسَانِ قَوْمِهٖ)

(۵) خدائی ہدایت و ضلالت حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔ (فَيُضِلُّ۔۔۔ وَيَهْدِيْ۔۔۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ)

آیت نمبر 5

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ

بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○

اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا (اور اسے حکم دیا) کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ اور انہیں خدا کے ایام یاد دلاؤ ہر صابر و شاکر کیلئے یقیناً ان میں نشانیاں ہیں۔

نکات

روایات کے مطابق حضرت امام مہدی عجل اللہ تعالی الشریف کے یوم ظہور اور روز رجعت اور روز قیامت کو ''بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ'' میں سے شمار کیا گیا ہے (تفسیر نور الثقلین)

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام کو حامل معجزات ہونا چاہئے۔ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ

(۲) تمام انبیاء کرام کا ہدف ایک ہے اس سورہ کے اول میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ اور اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالو اور نور ہدایت کی طرف لے آؤ (اَخْرِجْ قَوْمَكَ)

(۳) انبیاء کرام کی اولین ماموریت خود ان کی اپنی قوم کی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ (قَوْمَكَ)

(۴) گزشتہ اقوام کی یاد سے لوگوں کا تاریکیوں سے نجات حاصل کرنا اور ظالموں پر خدائی قہر و غضب کا نازل ہونا اور مظلوموں پر لطف و کرم کے امور میں غور و فکر پر مبنی ہے۔ (وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ)

(۵) تاریخ اقوام عالم کے مطالعہ سے انسان کے اندر صبر و شکر کا مادہ پیدا ہوتا ہے جب انسان ان کے مصائب و آلام کو یاد کرتا ہے اور پھر ان کے اختیار و اقتدار کے ایام پر نظر کرتا ہے تو اس کے اندر صبر و استقلال کے جذبات جنم لیتے ہیں (اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ)

(۶) ویسے تو سارے ایام اللہ کے ایام ہیں لیکن ان ایام کی شان ہی اور ہے جن ایام میں اللہ کی قدرت آشکار ہوئی (خصوصاً وہ ایام جن میں اللہ نے کفار پر اپنا عذاب نازل فرمایا اور اہل ایمان پر اپنا لطف و کرم نازل فرمایا (بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ)

(۷) ''ایام اللہ'' کی عظمت کے اظہار کیلئے جو ایام خوشی سے مربوط ہیں ان میں جشن مسرت منانا اور جو ایام غمی سے مربوط ہیں ان میں سوگواری کیلئے مجالس برپا کرنا جایز ہے۔ (وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ) (برعکس وہابیوں کے جو انحرافی عقاید رکھتے ہیں)

(۸) مومن مصائب و آلام کے زمانے میں صبر کے دامن سے سکون حاصل کرتا ہے اور اختیار و اقتدار کے زمانے میں شکر سے کام لیتا ہے (صَبَّارٍ شَكُوْرٍ)

(۹) صبر حق و حقیقت کے ادراک کا ضامن ہے (لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ)

آیت نمبر 6

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○

اور (یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اللہ نے تمہیں جس نعمت سے نوازا ہے اسے یاد کرو جب اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات عطا فرمائی وہ تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

پیام

(۱) تلخ وشیریں حوادث قید و بند اور حریت ومسرت کے باہمی تقابل سے نعمات خداوندی کی قدر ومنزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ (اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ)

(۲) کامیابی وکامرانی کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے نہ کہ ہماری ذات (نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ)

(۳) حریت وآزادی اللہ کی عظیم تین نعمتوں میں سے ہے نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ

(۴) انبیاء کرام کا اہم ترین وظیفہ طاغوت سے مبارزہ آرائی اور محرومین ومستضعفین کو ان کے چنگل سے نجات دلانا ہے۔ (اَنْجٰىكُمْ)

(۵) طاغوتی نظام کی حفاظت وبقا کیلئے درباریوں اور حواریوں کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے (اٰلِ فِرْعَوْنَ)

(۶) تربیت انسانی کیلئے ابتلا وآزمائش ایک ضروری عنصر ہے اور یہ تربیتی نظام پروردگار کی طرف سے ہے (بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ)

آیت نمبر 7

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○

اور (اے مسلمانو! یاد کرو) جب تمہارے رب نے خبردار کیا کہ اگر تم شکر کرو تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر کفر کرو تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے۔

نکات

(۱) قرآن کریم کے اندر یہ آیت کریمہ شکر نعمت یا کفران نعمت کے حوالے سے اہم ترین اور روشن ترین آیت ہے یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رہبری وقیادت میں الٰہی حکومت کی تشکیل اور نعمت حریت سے مربوط آیت کے بعد ذکر کی گئی ہے۔ جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حکومت الٰہیہ اور آسمانی قیادت اللہ کی اہم ترین نعمات ہیں۔ اگر اس کا شکر ادا نہ کیا جائے تو خداوند تعالیٰ ایسے ناشکرے لوگوں کو اپنے شدید ترین عذاب میں گرفتار کر لیتا ہے۔

(ب) شکر نعمت کے متعدد مراحل ہیں۔

(۱) شکر قلبی: انسان تمام نعمات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات کو سمجھے۔

(۲) شکر زبانی: نعمت کے حصول پر مثال کے طور پر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کا ذکر کرنا۔

(۳) شکر عملی: عبادت کرنا اپنی زندگی اور اپنے اموال کو رضائے پروردگار کیلئے خرچ کرنا اور اس کے بندوں کی خدمت کرنا۔

(ج) حضرت امام صادقؑ کا فرمان ہے ''نعمت کا شکر یہ ہے کہ انسان گناہ و معصیت کی زندگی کو چھوڑ چھاڑ دے نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ نعمت کا سرچشمہ خداوند تعالیٰ کو قرار دے (وہ اس بات پر نہ جائے کہ یہ نعمت جو اسے حاصل ہوئی ہے یہ اس کے عقل و علم اور سعی کا نتیجہ ہے یا اسے فلاں کے ذریعے ملی ہے۔) خدا کی عطا پر راضی رہے اور نعمات کو گناہوں کا ذریعہ قرار نہ دے جبکہ شکر حقیقی یہ ہے کہ نعمات خداوندی کو انسان اللہ کی رضا کے حصول کیلئے خرچ کر ڈالے۔ (تفسیر نمونہ)

(د) خداوند تعالیٰ کی نعمات کا شکر واقعی انسان کی وسعت و طاقت سے باہر ہے جی ہاں! وہ اس راہ میں جتنا بھی زور لگائے اس کی نعمات کے مقابلے میں ذرہ کم مقدار ہے سعدی شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے

بندہ ھماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بہ درگاہ خدا آورد

ور نہ سزاوار خداوندیش کسی نتوانند بجا آورد

عبد حقیقی وہ ہے جو بارگاہ خداوندی میں اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کرتے ہوئے عفو و بخشش مانگے ورنہ اس ذات والا صفات کے اس قدر احسانات ہیں کہ اس کا شکر کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جو حق شکر ہے وہ ادا کرو جناب موسیٰؑ نے عرض کی'' ایسا تو ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ شکر کا ہر کلمہ ایک اور شکر بجالانے کا موجب بن جاتا ہے'' دوبارہ وحی ہوئی ''تمہارا یہ اقرار کرنا اور یہ جان لینا کہ جو کچھ ہے وہ میری طرف سے ہے یہی میرے شکر کا حق ہے۔ (تفسیر نمونہ)

روایات میں آیا ہے مَنْ لَمْ یَشْکُرِ الْمُنْعِمَ مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ لَمْ یَشْکُرِ اللہ ''جو شخص بندگان خدا کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔'' من لم یشکر المنعم من الخلوقین لم یشکر اللہ'' (بحار، ج ۷۱، ص ۴۴)

(ج) اگر ہم نعمات خداوندی کو ناجائز دھندوں میں خرچ کریں گے تو یہ خرچ کفران نعمت میں شمار ہوگا۔ (لَئِنْ کَفَرْتُمْ) بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللہِ کُفْرًا) یعنی ان لوگوں نے اللہ کی نعمت کو کفر میں بدل دیا (ابراہیم ۲۸)

پیام

(۱) یہ خداوند تعالیٰ کی سنت ہے کہ اس نے شکر نعمت کو مزید نعمات کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اس ذات نے اس کلیہ کا دوٹوک اعلان فرمایا ہے۔ (وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ)

شکر نعمت نعمتت افزوں کنند کفر نعمت از کفت بیرون کند

نعمتوں کا شکر تمہاری نعمات میں اضافہ کرتا ہے اور نعمتوں کی ناشکری تمہارے ہاتھوں سے نعمتوں کے چلے جانے کا سبب بن جاتی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ نے ہماری تعلیم و تربیت کیلئے شکر کو لازم قرار دیا ہے ورنہ اس ذات کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (رَبُّكُمْ)
(۳) شکر کرنے سے نہ صرف ہماری نعمات میں اضافہ ہوگا بلکہ ہم پھلیں گے پھولیں گے۔ زیادہ ہونگے اور ترقی کے مدارج طے کریں گے۔ (لَاَزِيْدَنَّكُمْ)
(۴) کفران نعمت کی سزا نہ صرف سلب نعمت ہے بلکہ بعض اوقات نعمتیں سلب نہیں ہوتیں مگر سزا کا عمل تدریجاً شروع ہو جاتا ہے انسان آہستہ آہستہ انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے آخر کار تباہی کے دھانے پر جا پڑتا ہے (وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ)

آیت نمبر 8

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○

اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور زمین میں سب ناشکری کریں تو بھی اللہ یقیناً بے نیاز اور لائق حمد و تعریف ہے۔

پیام

(۱) ابلاغ و تبلیغ میں لوگوں کی خواہشات پر عمل نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی توقع وابستہ کر لینا چاہئے (اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ)
(۲) اپنے ایمان و عمل کی بنا پر اس کی ذات پر کسی قسم کا احسان نہیں جتانا چاہئے کیونکہ اسے ہمارے اعمال کی کوئی ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے۔ (لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ)
(۳) ہمارا ایمان لانا یا کفر اختیار کرنا یا شکر نعمت یا کفر نعمت کرنا اس کی ذات والا صفات میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا۔ (لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ)

گر جملہ کائنات کافر گردند بر دامن کبریائیش ننشیند گرد

اگر ساری کائنات کافر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی عزت و عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

آیت نمبر 9

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے قبل گزر چکے ہیں مثال کے طور پر نوح، عاد اور ثمود کی قوم اور جو ان کے بعد آئے

جن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے؟ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیے اور کہنے لگے ہم تو اس رسالت کے انکاری ہیں جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور جس چیز کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو اس میں ہم سخت ترین شک و تردید کرتے ہیں۔

نکات

(الف) یہ آیت کریمہ "بِاَیّٰمِ اللّٰہِ" کے مصداقوں میں سے ایک ہے جو اسی سورت کی پانچویں آیت کے ساتھ مذکور ہے (وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ)

(ب) حضرت شیخ طوسی نے تفسیر بیان میں کیا ہے "شك" اور "ریب" میں فرق ہے کیونکہ "شك" تردید کی ایک طبعی کیفیت کا نام ہے جبکہ "ریب" ایسا شک ہوتا ہے جس میں تہمت اور سوءظن کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔

(ج) وہ شک جو تحقیق و حقیقت کے قبول کرنے کا پیش خیمہ بنے وہ مفید بھی ہے اور تعمیری بھی ہے لیکن وہ شک جو واضح اور آشکارا معجزات کے دیکھنے کے بعد باقی رہے وہ شک ہٹ دھرمی اور حق کو قبول کرنے سے روکنے والا ہوتا ہے اور تخریبی ہے۔ (اَفِی شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ)

(د) "فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ" کے جملہ سے کئی طرح کے معانی لئے جا سکتے ہیں۔

(۱) مخالفین حق، حق گو لوگوں کے دَھن پر ہاتھ رکھ دیتے تھے تا کہ ان کی آواز باہر نہ نکلے۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے معجزات اس قدر محکم و مضبوط ہوتے تھے گویا لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر ان کے منہ پر رکھ دیتے تھے اس کیفیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق کے سامنے لوگوں کی زبانیں بند ہو جاتی تھیں اور ان کے پاس کچھ کہنے کیلئے الفاظ نہیں ہوتے تھے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام کے مخالفین شدت غیض و غضب میں اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹنے لگتے تھے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کے مخالفین ان کے حضور اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا کرتے تھے جس سے یہ بتانا مقصود ہوتا تھا کہ وہ خاموش رہیں اور وعظ و نصیحت نہ کریں۔

پیام

(۱) خداوند تعالیٰ کے محکم و مضبوط قواعد و قوانین تاریخ اور معاشروں پر حکم فرما ہیں۔ اگر کسی کو تاریخ کے کسی حصہ سے آشنائی ہو جائے تو اس کے دوسرے حصے سے درس عبرت لیا جا سکتا ہے۔ (اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ)

(۲) اب تک تاریخ بشریت کے اکثر ادوار مجہول و معدوم ہیں (لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ)

(۳) تمام انبیاء علیہم السلام حامل معجزہ تھے (جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ)

(۴) کفار صرف انبیاء کے دشمن نہیں تھے بلکہ ان کے مکتب و مشن کے بھی دشمن تھے (كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ)

(۵) کفار کے شکوک و شبہات دین کی حقانیت میں ان کی تحقیق کی وجہ سے نہیں تھے بلکہ ان کے شک کا منبع ان کی بے دینی اور ہٹ

دھری تھی۔(شَكٌّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ)

آیت نمبر 10

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○

ان کے رسولوں نے فرمایا: کیا (تمہیں) اس اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے وہ تمہیں اس لئے دعوت دیتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور ایک معین مدت تک تمہیں مہلت دے وہ کہنے لگے، تم تو ہم جیسے بشر ہو تم ہمیں ان معبودوں سے روکنا چاہتے ہو۔ جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ پس اگر کوئی واضح دلیل ہے تو ہمارے پاس لے آؤ۔

نکات

(الف) اس آیت سے قبل کفار انبیاء علیہم السلام سے کہتے تھے۔(تَدْعُوْنَنَا) تم ہمیں خدا کی راہ کی طرف بلاتے ہو۔ لیکن اس آیت میں انبیاء علیہم السلام نے کفار سے کہا (يَدْعُوْكُمْ) ''خدا تمہیں بلاتا ہے'' یعنی ہماری دعوت نہ تو اپنی طرف سے ہے بلکہ دعوت خدا سے خدا کی طرف ہے۔

(ب) علامہ زمخشری اور علامہ مراغی کے بقول قرآن مجید میں جہاں مومنین سے وعدہ کیا گیا ہے کہ تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے تو اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے (لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ)

پیام

(۱) خداوند تعالیٰ پر عقیدہ و یقین فطری اور بدیہی ہے اس میں کوئی شک و شبہ کی بات ہے ہی نہیں۔ (اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ)

(۲) عقل و فطرت کے ساتھ ساتھ محبت و دعوت بھی لازم ہے (اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ)

(۳) دین انسان کو ہر قسم کی آلودگیوں اور ناپسندیدہ اوامر سے پاک و صاف ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ)

(۴) خداوند تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرے (يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ)

(۵) توبہ و اطاعت خداوندی انسان کی زندگی کو طولانی کر دیتی ہے۔ (يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

(۶) خداوند تعالیٰ از راہ محبت ہدایت کی دعوت دیتا ہے اور از راہ لطف و کرم آخری عمر تک ڈھیل دے دیتا ہے۔ (يَدْعُوْكُمْ۔

وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

(۷) ہر انسان کی عمر پہلے سے اندازہ شدہ اور معین ہے (اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

(۸) قومی اور نسلی تعصّبات حق کے قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں (يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا)

(۹) انسان کے عقیدہ و افکار میں خاندان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ (يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا)

(۱۰) حق کے سامنے ڈٹ جانا اور سرکشی و عداوت کا مظاہرہ کرنا ایسی بیماری ہے جو لاعلاج ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے معجزات کے ساتھ لوگوں کے پاس گئے۔ لیکن بعض لوگوں کی سرکشی اور ہٹ دھرمی اس بات کا سبب بنتی رہی کہ وہ ہمیشہ اپنی ہوا و ہوس کے مطابق نت نئے معجزوں کی فرمائش کرنے لگ جاتے۔ (فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ)

آیت نمبر 11

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○

ان کے رسولوں نے ان سے کہا بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ اور ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہارے سامنے کوئی دلیل خدا کی اجازت کے بغیر پیش کریں اور اہل ایمان کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔

نکات

(الف) خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے ''خداوند تعالیٰ جس پر چاہے اپنے لطف و کرم سے اسے اپنا پیغمبر بنا دے لیکن وہ حکیم مطلق جانتا ہے کہ کون شخص اس عظیم الشان ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کی قابلیت و اہلیت رکھتا ہے'' اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ '' اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں قرار دے (انعام ۱۲۴)

(ب) کفار و مشرکین انبیاء علیہم السلام سے دو باتوں کا مطالبہ کرتے تھے۔

(۱) تم ہم جیسے ہو۔

(۲) جس معجزے کا ہم مطالبہ کرتے ہیں وہ ہمیں دکھاؤ۔

اسی آیت میں انہی دو باتوں کا جواب دیا گیا ہے۔

(۱) یہ جو تم کہتے ہو ہم تمہاری طرح کے انسان ہیں ہم اس کو قبول کرتے ہیں لیکن اِدھر بھی تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور وہ ہم پر وحی نازل فرماتا ہے۔

(۲) تمہارا یہ مطالبہ کہ ہم تمہاری مرضی کے مطابق معجزہ دکھلائیں یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم اذن الٰہی کے بغیر معجزہ نہیں دکھا سکتے۔

پیام

(۱) اگرچہ انسان شکل وصورت اور ظاہر و باہر کے لحاظ سے یکسان ہیں لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ باطن اور معنویت کے لحاظ سے بھی ایک جیسے ہوں (اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ)

(۲) انسانوں کی تربیت کرنے والے اور ان کیلئے نمونہ عمل بننے والے اشخاص کو تربیت حاصل کرنے والے افراد ہی کی مثل ہونا چاہئے (جو نقطہ انبیاء علیہم السلام کا قوی ترین تھا بعض لوگوں کی نگاہ میں کمزور نقطہ تھا۔ (اگر انبیاء علیہم السلام انسانوں میں نہ ہوئے اور انسانی مشکلات وضروریات اور غرائز کے حامل نہ ہوتے تو وہ دوسرے لوگوں کیلئے مربی اور نمونہ نہیں بن سکتے تھے (بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ)

(۳) پیغمبران گرامی اپنے بارے میں غلو نہیں کرتے تھے بلکہ یہ فرماتے تھے کہ ہم تمہاری طرح کے انسان ہیں (اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ)

(۴) منصب نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ اور عظیم الشان احسان ہے (یَمُنُّ)

(۵) معجزہ امر خدا سے معرض وجود میں آتا ہے لوگوں کی مرضی وفرمائش کے مطابق نہیں یہاں تک کہ اگر لوگ اس کی توقع نہ بھی رکھتے ہوں۔ انبیاء علیہم السلام اسے لے آتے ہیں۔ (اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ)

(۶) مومنین اپنے مخالفین کے عناد وانکار سے نہیں گھبراتا بلکہ خدا پر توکل کرتے ہوئے آگے کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ (وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ)

(۷) مومن کی شان یہ ہے کہ وہ مخالفین کے عناد وانکار سے تھک ہار کر گوشہ نشین نہیں ہوجاتا بلکہ خدا پر توکل کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ (وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ)

آیت نمبر 12

وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ وَقَدۡ ہَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذَیۡتُمُوۡنَا ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ○

اور ہم اللہ پر توکل کیسے نہ کریں جب کہ اس نے ہمارے راستے ہمیں دکھا دیئے ہیں، جو اذیتیں تم ہمیں دیتے ہو اس پر ہم ضرور صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

نکات

(الف) "تَوَکَّلَ" کا معنیٰ ہے وکیل بنانا ایک وکیل کیلئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے درایت، امانت، قدرت اور محبت اور یہ تمام

امور سوائے خداوند تعالیٰ کے کسی اور میں کامل طور پر نہیں پائے جاتے۔ لہذا ہمیں اپنے پروردگار کی ذات پر توکل کرنا چاہئے۔

(ب) حضرت امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے ''توکل کی تعریف یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے کسی اور سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے (تفسیر نور الثقلین)

پیام

(۱) جس خدا نے ہدایت کا راستہ دکھایا ہے اور وہی حامی و ناصر بھی ہے تو صرف اسی پر توکل کرنا چاہئے۔ (نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا)

(۲) انبیاء کا راستہ بھی وہی ہے جو خدا کا راستہ ہے اس لئے لفظ ''سُبُلَه'' کی بجائے ''سبلنا'' فرمایا ہے (سُبُلَنَا)

(۳) راہ خدا کے راہی کیلئے مصائب و آلام جھیلنا لازم ہو جاتا ہے (سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ)

(۴) کتنی عزت و عظمت ہے کہ اِدھر خدا پر توکل اور اُدھر مخالفین کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ (نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ)

(۵) مومن مصائب و آلام کے تند و تیز طوفانوں میں بھی اپنے عقیدہ و عمل سے دست بردار نہیں ہوتا (وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا)

(۶) مصائب و آلام پر وہ صبر کر سکتا ہے جسے اپنے ملجا و ماویٰ پر بھرپور یقین ہوتا ہے۔ (وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ)

آیت نمبر 13

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ○

اور کفار نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنی سرزمین سے ضرور نکال دیں گے۔ یا بہرصورت تمہیں ہمارے دین میں واپس آنا ہوگا۔ اس وقت ان کے پروردگار نے ان پر وحی فرمائی۔ کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے۔

نکات

(الف) سوال: کیا انبیاء علیہم السلام بعثت سے قبل مشرک تھے کہ کفار نے ان سے تقاضا کیا کہ وہ ان کے مذہب پر واپس آجائیں؟ (لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا)

جواب: ممکن ہے کہ اس سوال کا پہلا جواب یہ ہو کہ کفار کا پیغمبروں سے یہ تقاضا تھا کہ وہ دوبارہ ان کے زیر تسلط آجائیں، یعنی وہ ان سے یہ کہتے ہوں کہ ہم فرض کرتے ہیں کہ تم ایماندار ہو لیکن تمہیں ہمارے بالمقابل نہیں آنا چاہئے تمہیں اور تمہارے پیروکاروں

کو ہماری راہوں سے ہٹ کر کوئی نئی راہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرا جواب یہ ہے لفظ "عود" اگر حرف ''الیٰ'' کے ساتھ متعدی ہو تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں، پہلی حالت کی طرف لوٹ آنا، اگر وہ حرف ''فی'' کے ساتھ متعدی ہو تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں تغیر و تقلب اختیار کرنا نہ کہ پہلی صورت اختیار کرنا یعنی تم اپنے عقیدے کو چھوڑ چھاڑ کر ہمارے مذہب کو تسلیم کر لو۔

اس کا تیسرا جواب ہے کہ کفار کی مراد انبیاء کے ساتھی ہوں نہ خود انبیاء کہ انہوں نے انبیاء کے پیروکاروں سے کہا ہو کہ تم واپس شرک کی طرف لوٹ آؤ۔

پیام

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام اپنے مخالفین کے ہاتھوں مصائب و آلام کا شکار رہے ہیں (وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ)

(۲) تہدید و تبعید کی سیاست وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس کوئی منطقی جواب نہیں ہوتا (لَنُخْرِجَنَّكُمْ)

(۳) کفار کو یہ گوارا ہی نہیں ہے کہ اہل ایمان کی کوئی مستقل حیثیت ہو۔

(۴) اینٹ کا جواب پتھر (لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ)

(۵) سبب ہلاکت ظلم ہے نہ کفر (كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ)

(۶) ظلم سدا باقی نہیں رہتا ظالم کو آخر نابود ہونا ہے (لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ)

آیت نمبر 14

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ○

اور ان کے بعد ہم تمہیں اس سرزمین میں ضرور آباد کریں گے اور یہ (خوشخبری) اس کیلئے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے (کے دن) سے خوف کھاتا ہے اور اسے میرے وعدہ عذاب کا خوف بھی ہے۔

نکات

(الف) خداوند تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک دن ظالم اور ستم پیشہ لوگ صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے اور اس کے ولیوں کی حکومت قائم ہوگی ابھی تک اس کا وعدہ پورا نہیں ہوا لہذا حضرت امام مہدی عجل اللہ الشریف کے ظہور پر نور سے وعدہ الٰہی پورا ہوگا۔

(ب) قرآن کریم نے متعدد مقامات پر وعدہ فرمایا ہے کہ ایک دن زمین پر اولیاء اللہ کی حکومت ہوگی اور ان کے دشمن نیست و نابود ہو جائیں گے اس مضمون سے مربوط تین آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) (وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ) یقیناً ہمارا لشکر ہی کامیاب و غالب ہے (صافات ۱۷۳)

(۲)(وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ) انبیاء مرسلین کے بارے میں ہماری بات یقینی ہے کہ وہ حتماً کامیاب ہیں۔(صافات ۱۷۱/۱۷۲)

(۳)(اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ) زمین کے وارث میرے نیک بندے ہیں (انبیاء ۱۰۵) بہرحال حق کی باطل پر کامیابی اللہ کے صالح بندوں کے ہاتھوں الٰہی حکومت کی تشکیل خدا کا حتمی وعدہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ کی ذات تمام خیر وخوبیوں کا سرچشمہ ہے اور وہ دلوں کا مرکز ومحور ہے (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) اہل ایمان اللہ سے زیادہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں (بقرہ ۱۶۵) لیکن خدا سے خوفزدہ رہنے کی بات یہ ہے کہ اس کے مقام وعظمت پر نگاہ رہے اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے آپ کا کوئی دوست ہو اور وہ قاضی ہو اور منصف مزاج ہو کسی وجہ سے آپ کو اس کی عدالت میں پیش ہونا پڑے تو اس کے ساتھ دوستی کے باوجود بھی آپ اس کے مقام عدل وانصاف سے ضرور خوفزدہ ہوں گے۔

پیام

(۱) کفار زمین کو اپنے اقتدار واختیار کا خطہ سمجھتے ہیں حالانکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ ارضی اقتدار واختیار انبیاء اور اہل ایمان کے ہاتھ میں ہوگی۔ جب کفار نے (انبیاء اور اہل ایمان) کو تبعید کی دھمکی دی (لَنُخْرِجَنَّكُمْ) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں سے وعدہ فرمایا (وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ)

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں سے ابدی فتح وکامرانی کا وعدہ فرمایا ہے (لَنُسْكِنَنَّكُمْ)

(۳) انبیاء کرام نہ صرف ابلاغ وتبلیغ اور وعظ ونصیحت کیلئے آئے تھے بلکہ زمین پر حکمرانی کرنے کیلئے بھی آئے تھے۔ (لَنُسْكِنَنَّكُمُ)

(۴) تقویٰ ہی کے ذریعے ظالم اور ستمگر لوگوں پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ)

(۵) کفار کی دھمکیوں سے خوفزدہ مت ہوئیے۔(لنخرجنکم) بلکہ خداوند تعالیٰ کی دھمکی سے ڈرو (خَافَ وَعِيْدِ)

آیت نمبر 15

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○

اور انبیاء نے فتح ونصرت طلب کی تو سرکش دشمن نامراد ہو کر رہ گیا۔

آیت نمبر 16

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ○

اور اس کے بعد جہنم ہے اور وہاں اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔

نکات

(ا) ''وَرَاءٍ'' کے معانی انجام اور خاتمہ کے ہیں جیسا کہ فارسی میں کہا جاتا ہے اس غذا کے پیچھے ایک مریض ہے (تفسیر نمونہ)
(ب) تمام انبیاء کرام فتح و کامرانی کے منتظر رہے۔
(ا) حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا ''فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ'' اے میرے پروردگار میں مغلوب ہوں میری مدد فرما۔ (سورہ قمر ۱۰)
(۲) دوسرے انبیاء کرام نے بھی اللہ تعالیٰ حضور میں کامیابی کی دعا مانگی تھی ''رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ'' پروردگارا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما۔ (اعراف ۸۹)
کفار بھی مسلمانوں سے کہتے ہیں ''مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ'' تم جو کہتے تھے کہ ہم ایک دن ضرور کامیاب ہونگے تو وہ دن کب آئے گا۔؟
یہ وہی وجوہات ہیں کہ قرآن مجید نے بہت سی آیات میں انبیاء کرام کی کامیابی اور کفار کی ناکامی اور نامرادی اور ان کے عذاب کے بارے میں وضاحت کی ہے اور دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمایا ہے کہ ''وہ دن جلد آنے والا ہے''
(ج) قیامت کے دن اہل دوزخ کو ان کی پیاس کے وقت جو کچھ پلایا جائے گا وہ سیراب کرنے والا نہیں ہوگا بلکہ وہ جھلسانے والا اور جلانے والا ہوگا۔
(ا) (وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ) کھولنے والا پانی انہیں پلایا جائیگا جو ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا (محمد ۱۵)
(۲) (یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ) ان کی سیرابی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا جس کی حرارت چہرے کو جھلسا کر رکھ دے گی۔ (کہف ۲۹) اُدھر اہل بہشت شیریں و خوشگوار پانی کی نہروں کے کنارے زندگی بسر کریں گے اور صاف و شفاف دودھ اور شہد سے لطف اندوز ہونگے جو اللہ نے ان کیلئے پہلے سے مہیا کر رکھا ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمات سے استفادہ کریں گے۔ (وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا) اور ان کا پروردگار انہیں پاک و پاکیزہ مشروب پلائے گا۔ (دھر ۲۱)
(د) کتب تاریخ میں آیا ہے بنو اُمیہ کے ایک ظالم و جابر حکمران ''ولید بن یزید بن عبدالملک'' نے ایک دن اپنے مستقبل کے احوال سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے قرآن کریم کو کھولا تو اس کی نگاہ اس آیت کریمہ پر پڑی ''وَاسْتَفْتَحُوْا ...'' اور وہ فتح و کامیابی کی انتظار میں تھے اور ہر ضدی مزاج ظالم خائب و خاسر ہوگیا'' جسے دیکھ کر وہ غضبناک ہوگیا اور قرآن مجید کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔
اور یہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے قرآن تو مجھے جبار عنید سمجھ کر دھمکی دے رہا ہے ہاں ہاں میں وہی جبار عنید ہوں میں تیرے ٹکڑے کر رہا ہوں قیامت کے دن کہہ دینا ولید نے مجھے پارہ پارہ کر ڈالا تھا۔ (تفسیر نمونہ)

آیت نمبر 17

یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ

عَذَابٌ غَلِيْظٌ ○

جسے وہ گھونٹ گھونٹ نوش کرے گا مگر وہ اسے انتہائی ناگوار گزرے گا اس پر ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں اس کے پیچھے سخت ترین عذاب ہوگا۔

نکات

(الف) اس آیت میں اہل دوزخ کے عذاب کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔

(۱) اہل دوزخ کو تھوڑا تھوڑا کر کے اور وقفے وقفے سے عذاب دیا جائے گا تاکہ اس انداز سے انہیں زیادہ سے زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

(۲) اہل دوزخ کو مختلف قسم کے عذاب سے دوچار کیا جائے گا اور وہ عذاب انہیں مرنے کی مار دے گا لیکن انہیں موت نہیں آئے گی۔

(۳) عذابوں کے مختلف تدریجی مراحل ہوں گے اور ان میں شدت آتی رہے گی ہر آنے والا عذاب پہلے عذاب سے سخت ترین ہوگا۔

(ب) قرآن کریم نے قیامت کے عذابوں کو مختلف تعبیرات سے بیان کیا ہے کبھی ''اَلِيْمٌ'' کے نام سے یاد کیا ہے اور کبھی ''شَدِيْدٌ'' کے ساتھ اظہار کیا ہے اور کبھی ''عَظِيْمٌ'' کا نام دیا ہے یہ تمام تعبیرات ان کی سختیوں کی دلیل ہیں۔

(ج) ''اُسَاغَه'' کا معنیٰ ہے ''بہت بڑے شوق و رغبت سے پانی پینا'' لہذا ''وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ'' یعنی وہ رغبت و شوق کے ساتھ نہیں پیئے گا۔ (تفسیر تبیان)

(د) رسول اکرمؐ نے فرمایا: جس نے شراب پیا تو اس کی نمازیں چالیس دن تک قبول نہیں ہوتیں۔ تو اس کیلئے لازم ہے کہ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن اسے بدبودار پانی پلائے (تفسیر مجمع البیان)

پیام

(۱) دوزخ کا عذاب تدریجی اور دائمی ہے (يَّتَجَرَّعُهٗ)

(۲) اہل دوزخ کو موت نہیں آئے گی دوزخ کا عذاب ان کی موت کا سبب نہیں بنے گا (وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ)

(۳) جہنم کا عذاب روز بروز بڑھنے والا ہے (عَذَابٌ غَلِيْظٌ)

آیت نمبر 18

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ○

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ہے ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی سی ہے جسے آندھی کے روز تیز ہوا نے اڑا دیا ہو وہ اپنے اعمال کا کچھ بھی (ثمر) حاصل نہ کر سکیں گے۔ یہی تو بہت گہری گمراہی ہے۔

نکات

(الف) اس سے پہلی آیات میں ضدی مزاج اور ہٹ دھرم ستم گروں کی محرومیت اور نقصان کی بات ہوئی ہے (وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ) اور یہ آیت کریمہ اس خسارے کی تشریح کر رہی ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ مومنین کی برائیوں کو بصورت توبہ حسنات میں بدل دے گا (يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ) (فرقان ۷۰) جبکہ کفار کی بداعمالیاں ان کی نیکیوں کو نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ (كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ) دوسری آیات میں آیا ہے (حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ) ان کے اعمال نابود ہو جائیں گے۔ (اعراف ۱۴۷)

(ب) قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں جن میں کفار کے اعمال کے بے مقصد و بے ثمر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ (وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا) ہم ان کے اعمال کو لے آئیں گے اور پھر انہیں بے کار اور بے مقصد بنا دیں گے (فرقان ۲۳) ہم نے کفار کے بارے میں یہ بھی پڑھا ہے (فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا) کفار کیلئے قیامت کے دن ہم نیز ان اعمال قائم نہیں کریں گے۔ (کہف ۱۰۵) شاید اسی مطلب کی طرف اشارہ ہو۔

پیام

(۱) کفار کے اعمال ایسی آتش سوزاں ہیں جس کا انجام خاکستر کے سوا کچھ نہیں (كَرَمَادٍ)

(۲) کفار کے اعمال تمھیں خیرہ و فریفتہ نہ کر دیں کیونکہ وہ بے مقصد اور بے ثمر ہیں (كَرَمَادٍ)

(۳) سرکش کافر توبہ اور نجات سے بہت دور ہے۔ (بَعِيْدُ)

(۴) کفر ایک ایسی بلا و مصیبت ہے جو نیک اعمال کو بھی برباد کر دیتی ہے۔ (كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ)

آیت نمبر 19

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق نہیں فرمایا؟ اگر وہ چاہے تو تمہیں تباہ کر دے اور تمہاری جگہ، ایک نئی مخلوق لے آئے۔

آیت نمبر 20

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○

اور یہ اللہ کیلئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

نکات

(الف) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر فرمایا ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو فضول اور کھیل کود کیلئے پیدا نہیں کیا ہے ''وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ'' (دخان ۳۸) ایک اور مقام پر فرمایا ہے (وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) یہ کافر ہی ہیں جو کائنات کی تخلیق کو بے مقصد اور لغو سمجھتے ہیں (بحار، ج ۱۰ ص ۲۲۷)

پیام

(۱) آسمانوں اور زمین کی تخلیق حکمت اور مصلحت کی بنیاد پر عمل میں آئی ہے۔ (بِالْحَقِّ)

(۲) خداوند تعالیٰ کو ہمارے ہونے نہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہمیں کبھی مغرور نہیں ہونا چاہئے (اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ)

(۳) کائنات اور اس کا دوام مشیت الٰہی پر منحصر ہے (اِنْ يَّشَاْ)

(۴) یہ جہان انسانوں کے بغیر نامکمل و باطل ہے اگر ہمیں اس جہان سے اٹھا لیا جائے تو دوسری مخلوق کو ہماری جگہ پر بسا دیا جائیگا تا کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت کا مقصد پورا ہوتا رہے۔ (وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ) (تفسیر المیزان)

آیت نمبر 21

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ○

اور سب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو کمزور لوگ ان لوگوں سے جو (دنیا میں) بڑے ہنستے تھے کہیں گے ہم تمہارے تابع فرمان تھے تو کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ نے ہمارے لئے کوئی راستہ چھوڑ دیا ہوتا تو ہم تمہیں بھی بتا دیتے۔ رب ہمارے لئے برابر ہے کہ ہم فریاد کریں یا صبر کریں۔ ہمارے لئے فریاد کا کوئی راستہ نہیں۔

نکات

(الف) ''وَبَرَزُوْا'' کا معنیٰ ''خروج'' ہے۔
مبارز اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے لشکر کی صف سے نکلے اور دشمن کے سامنے آ کر اسے مقابلہ کیلئے للکارے۔
(ب) اگرچہ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ'' لیکن جہاں تک اسلامی نظام حکومت ہے وہاں اسلامی حکمران کی اطاعت مطلق نہیں ہے ''لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ'' (بحار، ج ۱۰ ص ۲۲۷) بنابرایں یہ مقولہ ''اَلْمَامُوْرُ مَعْذُوْرٌ'' صحیح نہیں ہے۔

پیام

(۱) قیامت کے دن تمام لوگ ایک جگہ جمع ہوں گے اور بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونگے۔ (بَجَمِیْعًا)
(۲) اندھی تقلید سوائے حسرت و یاس کے کچھ نہیں (کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ)
(۳) دوزخی لوگ عذاب کے صرف ایک حصے کی تخفیف کی توقع رکھیں گے نہ کہ سارے کی (مِنْ شَیْءٍ)
(۴) معاشرے کے رہبروں اور راہنماؤں کی ہدایت و ضلالت معاشرے کی سعادت یا شقاوت میں بڑی حد تک عمل دخل رکھتی ہے۔ (ھَدٰىنَا اللّٰهُ لَھَدَیْنٰکُمْ)
(۵) قیامت کے دن بداعمال قسم کے لوگوں کے روحانی عذابوں میں سے ایک یہ عذاب بھی ہوگا کہ وہ اپنے پیروکاروں کے سامنے اپنے عجز اور بدبختی کا اعتراف کریں گے۔ (ھَدٰىنَا اللّٰهُ لَھَدَیْنٰکُمْ)
(۶) جو لوگ اس دنیا میں انبیاء کرام سے کہتے تھے (قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَکُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ) ہمارے لئے برابر ہے خواہ تم ہمیں نصیحت کرو یا نہ کرو (شعراء ۱۳۶) وہی لوگ قیامت کے دن بھی کہیں گے۔ ''ہم جتنا چیخیں چلائیں یا خاموش رہیں ہمارے لئے برابر ہے۔ ''سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا''
(۷) الٰہی عدالت اور اس کی سزا سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ (مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ)
(۸) قیامت کے دن لوگوں کے درمیان قیل و قال کثرت کے ساتھ ہوگی (فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا)
(۹) قیامت کے دن کوئی بھی شخص عذاب الٰہی کو نہیں روک سکے گا۔ (فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ)

آیت نمبر 22

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ ؕ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ

فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

اور جب (قیامت کے روز) فیصلہ ہو چکے گا اور شیطان کہے گا ''اللہ نے تمہارے ساتھ یقیناً سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا پھر وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہیں چلتا مگر یہ کہ میں نے تمہیں صرف اپنی طرف بلایا تھا اور تم نے میری بات مان لی تھی۔ پس اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ آج نہ تو میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو پہلے تم مجھے اللہ کا شریک بناتے تھے میں اب یقیناً اس سے بیزار ہوں ظالموں کیلئے تو یقیناً دردناک عذاب ہے۔

نکات

(الف) قیامت کے دن گناہ گار و خطا کار عذاب سے چھٹکارے کیلئے ہاتھ پاؤں ماریں گے تا کہ اپنے لئے شریک جرم پیدا کر سکیں اور اپنی معصیت کاری کا بوجھ دوسروں پر ڈال سکیں کبھی تو وہ کہیں گے ''لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ'' مجھے دوست نے گمراہ کیا۔ (فرقان ۲۹) کبھی کہیں گے ''لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ'' اگر تم فاسد رہبر نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔ (سباء ۳۱)

اور کبھی شیطان کو لعن طعن کریں گے اور اسے اپنی گمراہی کا سبب قرار دیں گے لیکن اس وقت شیطان چپ نہ رہے گا بول پڑے گا:۔ ارے مجھ پر الزام نہ ڈالو (فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ) میرا کام صرف وسوسہ ڈالنا تھا اور اپنی طرف بلانا تھا باقی تمھارا اپنا کام تھا گمراہی تو تم نے خود ہی اپنائی تھی۔

(ب) جس انسان کو تائید خداوندی حاصل ہو جائے اُس پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہے اور خود شیطان کو بھی اس بات کا اقرار ہے (لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ) تو میرے خالص بندوں پر تسلط نہیں رکھتا (حجر ۴۲) شیطان بھی کہتا ہے (ما كان لی علیكم من سلطان)۔

پیام

(۱) الٰہی وعدے حق و حقیقت اور واقع کے مطابق ہوتے ہیں (وَعْدَ الْحَقِّ)

(۲) شیطان اپنے وعدوں کے ذریعے انسان کو فریب دیتا ہے (وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ) ایک دوسرے مقام پر آیا ہے (یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا) وہ انہیں وعدوں اور امیدوں میں الجھاتا ہے اور ان کے ساتھ شیطان کے وعدے بس فریب پر مبنی ہوتے ہیں۔ (سورہ نساء ۱۲۰)

(۳) شیطان انسان کو مجبور نہیں کرتا بلکہ وسوسہ میں ڈالتا ہے اور گناہ کی دعوت دیتا ہے۔ (دَعَوْتُكُمْ)

(۴) آخر ایک دن وہ بھی آئے گا کہ شیطان فاسد انسان کو سرزنش کرے گا (وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ)

(۵) ملامت کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ انسان مجبور محض نہیں خود مختار ہے۔ (فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ) کیونکہ مجبور انسان کو ملامت نہیں کی جاتی۔

(۶) اپنے گناہوں کی نسبت شیطان کی طرف نہیں دینا چاہیئے۔(فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ)
(۷) قیامت کے دن تمام رابطے منقطع ہوجائیں گے۔(مَآ اَنَا بِمُصْرِخِکُمْ) کفر و باطل کے رہبر اور ان کے پیروکار ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے شیطان اپنے پیروکاروں سے کہے گا (اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ) جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو میں نے ان کا انکار کیا۔ جبکہ ان کے پیروکار اپنے رہبروں سے کہیں گے (لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْھُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا) اگر ہمیں فرصت مل جائے اور دنیا میں واپس لوٹ جائیں تو ہم بھی ان سے بیزاری اختیار کرلیں گے۔(بقرہ ۱۶۷)
(۸) غیر اللہ کی اطاعت شرک ہے (اَشْرَکْتُمُوْنِ)
(۹) شیطانی دعوتوں پر لبیک کہنا اپنے اوپر بھی ظلم ہے اپنے مشن اور اپنے دین و مذہب پر بھی ظلم ہے۔(اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ)

آیت نمبر 23

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ ؕ تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ ○

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیلئے اپنے پروردگار کی اجازت سے وہ ان جنتوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور وہاں ان کا استقبال سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا۔

نکات

(الف) بروز قیامت؛ بہشت میں جدھر نگاہ اُٹھاؤ سلام ہی سلام ہے۔
(۱) خداوند تعالیٰ کی طرف سے اہل بہشت پر سلام صادر ہورہے ہونگے (سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ) مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائیگا (یٰس ۵۸)
(۲) ملائکہ کی طرف سے سلاموں کی بارش ہورہی ہوگی۔ (سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا) تم پر سلام ہو تم بہت خوب رہے اب ہمیشہ کے لئے اس میں رہو۔(زمر ۷۳)
(۳) اہل بہشت ایک دوسرے کو سلام پیش کریں گے (تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ) (ان کا ایک دوسرے کو تحفہ سلام ہوگا) (زیر بحث آیت)
(ب) (۱) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود کسی مقام پر چل کر جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اُس کے پاس آتے ہیں اور اُسے پروقار انداز میں لے جاتے ہیں اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَاُدْخِلَ'' اہل بہشت خود بہشت میں داخل نہیں ہونگے بلکہ انہیں عزت و احترام کے ساتھ بہشت میں داخل کیا جائیگا۔ سورۃ زمر میں آیا ہے ''وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ اِلَی

الْجَنَّةِ زُمَرًا ''اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ہیں انھیں گروہ در گروہ جنت کی طرف چلایا جائیگا۔(زمر ۷۳) اُدھر اہل جھنم کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھیں شکنجوں میں کس کر عذاب میں جھونکا جائیگا۔ (خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ○ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ) اسے پکڑو، باندھو پھر دوزخ میں ڈال دو(الحاقہ ۳۰)

(۲) اہل دوزخ ایک دوسرے سے نفرت کریں گے اور بیزاری کا اظہار کریں گے لیکن اہل بہشت ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

(۳) بہشت میں مختلف انواع کی نہریں ہوں گی۔

(ا) نہر آب (اَنْهَارٌ مِّنْ مَّآءٍ) (پانی کی نہریں ہونگی)

(ب) نہر شیر (اَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُه) دودھ کی نہریں ہونگی جن کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوگا۔

(ج) شراب طہورا کی نہریں (اَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَّذَّةٌ لِّلشَّارِبِيْنَ) شراب کی نہریں ہونگی جس میں پینے والوں کیلیئے لذت کا سامان ہوگا۔

(د) شھد کی نہریں (وَاَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى) شھد مصفّٰی کی نہریں ہونگی (محمد ۱۵)

پیام

(ا) صاحبان ایمان ویقین اور عمل صالح ھمیشہ ھمیشہ جنت میں رہیں گے۔(وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ)

(۲) اہل جنت کے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے بھرپور پیار ومحبت ہوگا وہ ایک دوسرے پر سلام پیش کریں گے ان کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔(تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ)

آیت نمبر 24

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ○

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شجر طیبہ جس کی جڑ زمین میں گہری گڑی ہوئی ہے اور اُس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔

نکات

(الف) شجرۃ طیبہ یا پاک و پاکیزہ شجر کا اپنا ماحول ومزاج ہوتا ہے وہ اپنے پاک و پاکیزہ ماحول میں بڑھتا رہتا ہے پھلتا پھولتا رہتا

ہے وہ سایہ دار بھی ہوتا ہے پھل دار بھی ہوتا ہے اور پائیدار بھی ہوتا ہے۔اسی شجر پاکیزہ اطوار کی مثل وہ انسان ہے جو توحید کا پرستار ہوتا ہے وہ اپنی زندگی میں جمود کا شکار نہیں ہوتا وہ ہمیشہ سیر تکامل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔اس کے ایمان ویقین کے اثرات اس کے بلند و بالا کردار اور پر مغز گفتار سے واضح و آشکار ہوتے رہتے ہیں اس کے عقائد نہ وقتی ہوتے ہیں اور نہ موسمی وہ اپنے عقائد میں سدا بہار ہوتا ہے اور دوسروں کو نور ایمان اور حلاوت معرفت وعرفان کی پرزور دعوت دیتا رہتا ہے۔

(ب) روایات اور تفاسیر کے اندر چند اُمور کو کلمہ طیبہ کا مصداق قرار دیا گیا ہے مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس پر ایمان، عقائد حقہ آفاقی رہبر اور اس کے اصحاب، جی ہاں! عقیدہ توحید کی جڑیں اتنی مضبوط اور پائیدار ہوتی ہیں جو فطرت اور لوگوں کے قلوب کی اتھاہ گہرائیوں میں سرایت کر جاتی ہیں (اَصۡلُهَا ثَابِتٌ) جس سے ان کے تمام اعمال و کردار نورانیت کے مزاج میں ڈھل جاتے ہیں (فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ) ایمانی ثمرات سے ہر وقت اور ہر جگہ چاہے نشیب ہو یا فراز استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

(ج) عقیدہ وحدانیت اس درخت کی مثل ہے جتنا وہ بلند و بالا ہے اتنا ہی اس کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ پیوست ہیں۔اس پر دھمکیوں، سازشوں، طمع وحرص کے ہزاروں طوفان چلیں اسے پرواہ نہیں ہوتی اور نہ طاغوت اس کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔

اگر روایات میں اس شجر آبدار کو رسول اللہؐ اور ان کے اہل بیتؑ سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس کی حکمت بھی یہی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین اور آپ کے اہل بیت کا راستہ ہر طرف دشمنوں سے گھرا ہوا تھا لیکن عداوت کی اس شدت کے باوجود بھی ان کا مشن جاری و ساری ہے اور ایک دن پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔

پیام

(۱) قرآن کریم میں موجود مثالوں میں خوب غور وفکر کرنا چاہئے (اَلَمۡ تَرَ)

(۲) عقیدہ حق وحقیقت ایسا کلمہ طیبہ ہے جس نے قلب مؤمن کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے (اَصۡلُهَا ثَابِتٌ) اور یہ اللہ کا لطف وکرم ہے کہ اہل ایمان کو اس عقیدے پر مستحکم رکھتا ہے۔ (یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیوی زندگی اور آخرت میں بھی قول ثابت پر قائم رکھتا ہے۔(ابراہیم ۲۷)

(۳) کلام حق پائیدار ہے محکم واستوار ہے (كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ)

آیت نمبر 25

تُؤۡتِیۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ؕ وَیَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَكَّرُوۡنَ○

ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے ثمرات دے رہا ہے یہ مثالیں اللہ اس لئے دیتا ہے کہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

نکات

(الف) اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس پر ایمان کے علاوہ ہر چیز کو فنا حاصل ہے۔ (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ) (قصص ۸۸) اور جو چیز فانی ہے وہ ہمیشہ کیلئے پھل نہیں دے سکتی لیکن وہ کام جو خدائی رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے وہ لازوال ہو جاتا ہے۔ (مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ) جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ (نحل ۹۶)

جی ہاں! خدائی رنگ محکم اور مضبوط ہے جبکہ باقی رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ اُڑ جاتے ہیں۔ (وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً) اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔ (بقرہ ۱۳۸)

(ب) ایمان کا شجر ہمیشہ پھلتا پھولتا رہتا ہے مومن ہمیشہ خدا کی یاد میں غرق رہتا ہے اور فرائض کی بجا آوری میں ہمیشہ مصروف عمل رہتا ہے چاہے خوشحالی کا دور ہو یا بدحالی کا خوشی ہو یا غمی، تونگری ہو یا فاقہ مستی۔

جب ظالم و ستم پیشہ لوگ اسے ڈراتے دھمکاتے ہیں تو وہ ان کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جاتا ہے۔ (اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ) ہم اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں) (قلم ۳۲)

جب وہ تبلیغ و ابلاغ کرتا ہے تو وہ خالصتاً اللہ کیلئے کرتا ہے لوگوں کے اموال پر اس کی نگاہ نہیں ہوتی۔ (اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ) میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے۔ (یونس ۷۲)

(وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ) جب وہ غیض و غضب میں ہوتا ہے تو پھر بھی رضائے پروردگار کی حدود سے باہر نہیں جاتا (و الکاظمین الغیظ) اور غصے کو پی جاتے ہیں، (آل عمران ۱۳۴)

جب وہ ازدواجی زندگی کا آغاز کرتا ہے تو اللہ پر ہی توکل کرتا ہے (اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ) اگر وہ فقر و فاقہ میں ہونگے تو اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں غنی کر دے گا (نور ۳۲)

جب وہ عبادت خداوندی میں مصروف ہوتا ہے تو وہ اپنی اس عبادت سے صرف اس کی قربت چاہتا ہے۔ (قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب یقیناً اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔ (انعام ۱۶۲)

جب وہ غربت و افلاس کا شکار ہوتا ہے تو وہ اُمراء کے دروازے پر نہیں جاتا اور نہ ہی وہ کسی کی چاپلوسی کرتا ہے۔ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ) اے پالنے والے! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں (قصص ۲۴)

جب وہ میدان جنگ میں اللہ کے دشمن سے نبرد آزما ہوتا ہے تو فتح و شکست دونوں صورتوں میں خوشحال رہتا ہے کیونکہ وہ اپنے فریضہ کو ادا کر چکا ہوتا ہے (اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ) دو بھلائیوں میں سے ایک) (توبہ ۵۳)

جی ہاں! خداوند تعالیٰ کی ذات والا صفات پر ایمان ایک ایسے شجر آبدار کی مثل ہے، جو ہر لحظہ ہر آن پھل دیتا رہتا ہے اور وہ اس دنیا میں عالم برزخ میں اور محشر میں انسان کی کامیابی کا ضامن ہے (تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ) اس کے بالمقابل مال و دولت، جاہ و منصب، آل و اولاد اور دوسری تمام نعمات ایسے درخت کی مثل ہیں جو تھوڑی مدت کیلئے پھل دیتا ہے اور وہ بھی ناکافی مقدار میں بلکہ

بعض اوقات یہی مال وزر، جاہ ومنصب اور اولاد ثمرات دینے کی بجائے عذاب اور وبال جان بن جاتے ہیں۔ (اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ بِہَا) اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے انہیں دنیاوی زندگی میں عذاب دے، (توبہ ۵۵)

پیام

(۱) شجر ایمان سدا بہار ہوتا ہے اس پر کبھی خزاں نہیں آتی وہ ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے۔ (اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍ)

(۲) تشبیہ اور تمثیل یہ قرآنی طریقہ ہے جو لوگوں کی توجہ اور انہیں نصیحت کرنے کیلئے بیان کی جاتی ہے۔ (لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ)

آیت نمبر 26

وَمَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیۡثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیۡثَۃِۣ اجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَہَا مِنۡ قَرَارٍ ○

اور کلمہ خبیثہ کی مثال اس درخت خبیثہ کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا گیا ہو اور اس کیلئے کوئی استحکام نہیں ہے۔

نکات

(الف) ''اِجۡتِثَاثٌ'' کا معنیٰ ہے قلع قمع کرنا واکھاڑنا۔

(ب) انحرافی عقائد اور گمراہ انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کی نہ جڑیں ہوں نہ پھل نہ پھول نہ زیبائی نہ خوشبو نہ سایہ نہ نشوونما بلکہ وہ خار ہی خار ہو، جو راستے پر پڑا ہو اور راہ گیروں کیلئے اذیت کا باعث ہو۔

پیام

(۱) تعلیم وتربیت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ تقابل بھی ہے (کَلِمَۃٍ خَبِیۡثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیۡثَۃٍ)

(۲) شرک اور غیر اللہ سب بے ثبات اور بے دوام ہیں (مَا لَہَا مِنۡ قَرَارٍ)

(۳) عقاید باطلہ بے فائدہ جڑی بوٹیوں اور گھاس پھونس کی مثل ہیں جن کی زمین میں کوئی جڑ نہیں ہوتی اور نہ ان کی بنیاد صحیح ہوتی ہے۔ (اجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ)

آیت نمبر 27

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ ۙ۬ وَیَفۡعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ○

اللہ اہل ایمان کو ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت دونوں میں استحکام عطا کرتا ہے اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔

پیام

(۱) نصرت خداوندی ان راہوں سے مربوط ہے جن کا انتخاب خود انسان کرتا ہے۔(یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا)

(۲) اگر نصرت خداوندی شامل حال نہ ہو تو انسان شیطانی وسوسوں، نفسانی خواہشات اور طاغوتوں کے مقابلے میں شکست کھا جائے اور تباہی و ویرانی کے مرگھٹ میں جا اترے (یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا)

(۳) کیونکہ اہل ایمان دلائل و منطق کے لحاظ سے مستحکم و استوار ہوتے ہیں اس لئے وہ مادیت کے مکاتب فکر کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں۔(یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا)

(۴) اگر انسان مومن بن جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لیتا ہے اگر وہ شجرہ خبیثہ اور مکاتب باطل سے وابستہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔(یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ)

(۵) مکاتب باطل کی اتباع اپنی ذات پر بھی ظلم ہے اور مکتب اسلام پر بھی ظلم ہے۔(الظّٰلِمِیۡنَ)

(۶) الٰہی قہر و غضب کا تعلق ان راستوں سے ہے جن کا انتخاب انسان خود کرتا ہے۔(وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ)

آیت نمبر 28

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ○

تم نے دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل ڈالا اور اپنے ساتھ اپنی قوم کو بھی ہلاکت میں جھونک دیا۔

آیت نمبر 29

جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡقَرَارُ ○

اور وہ جہنم ہے جس میں وہ جھلس جائیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔

نکات

(الف) ''بَوَار'' کا معنیٰ ایسی شدید بے رونقی ہے جو ہلاکت، بربادی کا موجب بن جاتی ہے۔(مفردات راغب)

(ب) کفار و مشرکین نے اللہ کی عظیم نعمتوں کو کفر میں بدل ڈالا ہے۔

(۱) ان لوگوں نے توحید کی نعمات کے بدلے میں شرک کا انتخاب کیا۔

(۲) فطرت طیبہ کی نعمت کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے گمراہ آباؤ اجداد کی تقلید کو اپنا لیا۔
(۳) اپنی خرافات کو وحی الٰہی پر مقدم سمجھا۔
(۴) آفاقی رہبر جو الٰہی نعمات میں سے ہیں ان کی قدر نہ کر کے شکر کے بدلے کفر اختیار کیا اور طاغوتوں کی پیروی کر لی (بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ)

متعدد روایات میں آیا ہے کہ ہمارے آئمہ نے فرمایا ''نَحْنُ وَ اللّٰہِ نِعْمَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَنْعَمَهَا عَلٰی عِبَادِہٖ'' قسم بخدا! جن نعمتوں کو بدل دیا گیا ہے وہ ہم ہی ہیں لوگوں نے ہمیں چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو اپنا رہبر بنا لیا (تفسیر مجمع البیان) بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ)

اس آیت کریم کے مشابہ دیگر آیات بھی آئی ہیں۔ سورہ قصص کی آیت ۴۱ میں فرمایا (وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ) اور سورہ کہف کی آیت ۹۸ میں آیا ہے (یُقَدِّمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ) قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے ہوگا اور جہنم تک پہنچا دے گا۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ کی نعمات اور آیات میں ہر قسم کی تبدیلی کفر ہے (بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا)
(۲) گمراہ اور بے دین پیشوا معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب ہوتے ہیں۔ اور اس کے افراد کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں (وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ)

آیت نمبر 30

وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ ○

اور انہوں نے اللہ کیلئے کچھ ہمسر بنا لئے تا کہ وہ انہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں ان سے کہو اچھا مزے کر لو، آخر کار تمہیں پلٹ کر جانا دوزخ ہی میں ہے۔

نکات

(الف) بعض لوگ کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے شریک کے قائل ہیں اور کچھ وہ ہیں جو نعمات خداوندی میں اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں مثلاً صحت و سلامتی، علم و قدرت یا جاہ و عزت جیسی نعمات کو اپنے عقل و کسب کا کمال سمجھتے تھے۔ یا پھر دوسرے لوگوں کو سبب قرار دیتے تھے۔ لیکن انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا ہے کہ ان کی یہ سوچ ایک گمراہ سوچ تھی۔

پیام

(۱) کفران نعمت کی بدترین قسم یہ ہے کہ خدا کا شریک قرار دیا جائے اور عوام الناس کو گمراہ کیا جائے۔ (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا)

(۲) کبھی شرک کا سرچشمہ طاغوت ہوتے ہیں (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا) اور کبھی جاذب نظر بت گمراہی کا سبب بن جاتے ہیں (وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ) اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے دور رکھ کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا (سورہ ابراہیم ۳۵۔۳۶)

(۵) خداوند تعالیٰ کچھ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے (قُلْ تَمَتَّعُوْا)

(۶) کفار کے اس دنیا میں بڑے ٹھاٹھ باٹھ ہیں لیکن آخرت میں ان کیلئے کچھ نہیں (تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ)

(۷) ہر نعمت اللہ کی محبت کی دلیل نہیں ممکن ہے کہ وہ اللہ کے قہر و غضب کا پیش خیمہ ہو۔ (تَمَتَّعُوْا)

آیت نمبر 31

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ○

اے نبیؐ! میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے (راہ خیر میں) خرچ کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ سودا ہوگا اور نہ دوست نوازی ہوگی۔

نکات

(الف) علانیہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے نسلوں کی تربیت ہوتی ہے۔ تشویق و تحریک کا سبب بنتا ہے اور تہمت سے حفاظت کا سامان ہوتا ہے۔ خفیہ طریقے سے خرچ کرنا روح کے تکامل اور اخلاص کی علامت ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے توضیح فرمائی ہے کہ اعلانیہ اخراجات کا تعلق واجبات سے ہے جیسے زکوٰۃ اور خمس ہے اور خفیہ اخراجات استحبابی امور سے متعلق ہیں جیسے صدقہ وغیرہ ہیں۔

(ب) علانیہ اخراجات ہوں یا مخفیانہ ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی عزت و شان و مرتبہ ہے لیکن شاید یہ قول بے جا نہ ہوگا کہ مخفیانہ اخراجات کے مراتب اعلانیہ اخراجات سے بڑھ کر ہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں ''سِرًّا'' کا کلمہ ''عَلَانِيَةً'' پر مقدم ہے۔

پیام

(۱) حکم دیتے وقت فریق مقابل کی شخصیت اور اس کے احترام کو مدنظر رکھنا چاہئے (لِّعِبَادِيَ) بندگی پروردگار مومن کیلئے سرمایہ افتخار ہے (لِّعِبَادِيَ)

(۲) صرف دل کے ساتھ ایمان کافی نہیں ہے انفاق فی سبیل اللہ اور عمل صالح کا ہونا لازمی ہے (اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

وَيُنْفِقُوْا)

(۳) اسلام ایک جامع دین ہے۔ جہاں خدا کے ساتھ رابطہ ہو وہاں معاشرہ کے محرومین کے ساتھ ان کی ضروریات پر خرچ کرنے کا رابطہ ہو۔ یہ دونوں رابطے ایک دوسرے کی قبولیت کیلئے شرط ہیں۔ (يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا)

(۴) خرچ کا تعلق صرف مال ہی سے نہیں بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہے اسے راہ خدا میں خرچ کریں علم ہو یا مال و دولت یا اختیار و اقتدار ہو۔ (مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ)

(۵) انفاق کبھی مخفیانہ ہو اور کبھی علانیہ ہو۔ (سِرًّا وَّعَلَانِيَةً)

(۶) فرصت کے لمحات سے استفادہ کیجئے مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ

(۷) اگر دنیا میں تجارت کرنا چاہتے ہو تو خدا کے ساتھ معاملات کرو کیونکہ قیامت کے دن کوئی لین دین نہیں ہوگا۔ (يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ)

(۸) قیامت کے روز مال و ذر اور یاری دوستی کے وسیلہ سے عذاب سے فرار کرنا ناممکن ہے۔ (لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ)

آیت نمبر 32

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ○

اللہ ہی نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے رزق کیلئے پھل پیدا فرمائے اور کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور دریاؤں کو بھی تمہارے لئے مسخر بنایا۔

نکات

(الف) اس آیت کریمہ میں تین زاویوں سے ''مسئلہ آب'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) آب باران نباتات کی آبپاشی کا ذریعہ ہوتا ہے اور ان کی حیات کا سرمایہ ہوتا ہے۔ فضا کو آلودگیوں سے پاک وصاف کرتا ہے۔

(۲) سمندری پانی جو سمندری جانوروں کی زندگی کا ذریعہ اور کشتیوں کی نقل وحمل بہترین اور سستا ترین وسیلہ ہے اور باران کا سرچشمہ ہے۔

(۳) نہروں کا پانی غیر آباد علاقوں کو آباد کرنے کا ذریعہ ہے۔

(۴) اس سے پہلی آیت میں نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ راہ خدا میں خرچ کرنے میں سستی کیوں کرتے ہو حالانکہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔

(۵) ''تَسْخِيْر'' کا ایک معنیٰ تو منافع سے فائدہ اٹھانا ہے جس طرح سورج اور چاند کی تسخیر ہے اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ کسی چیز کا

مکمل طور پر گرفت میں آجانا جس طرح کشتیوں دریاؤں اور نہروں کی تسخیر ہے کہ جن پر انسان کو مکمل گرفت حاصل ہے۔

پیام

(۱) نعمات الٰہیہ کی معرفت اللہ تعالیٰ کی معرفت وعرفان کا وسیلہ ہے۔(خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ)

(۲) اللہ تعالیٰ کی تمام نعمات قابل قدر وتحسین ہیں لیکن پانی تمام نعمات میں اہم ترین نعمت ہے۔(مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ)

(۳) تخلیق کائنات انسان ہی کیلئے کی گئی ہے (رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ)

(۴) اگرچہ مادی اسباب اپنی حقیقت وحیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ سب حکم خدا سے معرض وجود میں آتے ہیں۔(بامرہ)

(۵) انسان عالم فطرت وطبعیت پر حکم فرما ہے (وَسَخَّرَ لَكُمُ)

آیت نمبر 33

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ○

جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ جو لگا تار چلے جارہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر فرمایا۔

نکات

کلمہ ''دائبین'' ''دأب'' سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے ''مستقل عادت'' اسی طرح کے کلمات قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔ جیسے (كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ)(آل فرعون کی مستقل عادت کی طرح)

مفسر علامہ مراغی نے اپنی تفسیر میں ''دَائِبِيْنَ'' کا معنیٰ ''دَائِمِيْنَ فِي الْحَرَكَةِ'' کیا ہے یعنی وہ ہمیشہ اپنی حرکت میں رہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ''كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ'' (ہر ایک فلک میں تیر رہا ہے)

جی ہاں! آفتاب ایک عظیم الشان قوت وقدرت کا سرچشمہ ہے جو مسلسل مصروف عمل ہے برعکس انسانی مصنوعات کے جن کو طاقت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے وہ کام کرتے کرتے رک جاتے ہیں پھر ان کی تعمیر کی جاتی ہے پھر وہ کام کے قابل ہوتے ہیں اگر آفتاب کچھ عرصہ کیلئے اپنا کام چھوڑ دے تو دنیا کا کیا بنے؟ انسانی ونباتاتی اور حیوانی حیات پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں؟ کائنات کا نظام لڑکھڑا جائے مدافعاتی جراثیم کے لامحدود لشکر ناپید ہوجائیں اور حرارت وآبی بخارات کا نظام درھم برھم ہوجائے خدا ہی ہے جو جانتا ہے کہ کیا سے کیا ہوجائے؟

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانی بہ کف آری و بہ غفلت نہ خوری

همه از بهر تو سر گشته و فرمان بردار
شرط انصاف نباشد که تو فرمان نبری

یہ گھٹائیں یہ بادو باراں یہ آفتاب و ماہتاب سب مسلسل مصروف عمل ہیں۔
جس طرح یہ مصروف عمل ہیں تو تو بھی روٹی اسی صورت میں حاصل کر۔اور غافل ہو کر نہ کھا یہ سب تیرے لئے گردش میں ہیں اور سرمو انحراف نہیں کرتے پر انصاف کی بات نہیں کہ تو اپنے رب کی اطاعت نہ کرے۔

پیام

نہ فقط یہ زمین اور اس کی نعمات میں انسان کے فائدے مضمر ہیں بلکہ وسیع و عریض آسمان اور اس کے اجرام میں بھی انسانی منافع رکھ دیئے گئے ہیں بلکہ ان کی تخلیق ہی اس مقصد کی خاطر کی گئی ہے۔(وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ)

آیت نمبر 34

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ○

اور اسی نے تمہیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمات کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے انسان یقیناً بڑا ہی بے انصاف، ناشکرا ہے۔

نکات

(الف) سورہ نحل آیت ۱۸ میں ہے ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ '' اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے بے شک خدا بخشنے والا ہے۔

(ب) گزشتہ آیات میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ منحرف و مفسد رہبر لوگوں کو غیر اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا) یہ آیت کریمہ یہ پیغام دے رہی ہے کہ باوجود اس کے کہ کوئی کام غیر اللہ سے نہیں ہو سکتا اور جس کے پاس جو کچھ ہے اللہ کی طرف سے ہے لیکن انسان بے پرواہ اور ناشکرا ہے۔

(ج) ''عَدّ'' کا معنیٰ ہے شمار کرنا اور گننا اور ''اِحْصَاء'' کے معنیٰ ہیں اچھی طرح اور غور کے ساتھ شمار کرنا تا کہ کوئی چیز گنتی سے باہر نہ رہ جائے۔

پیام

(۱) پیداوار کے عناصر و اسباب انسانی اختیار میں ہیں (پانی، مٹی، چاند، سورج) ان عوامل کے باوجود انسانی کاموں میں اگر کوئی نقص رہ جائے یا بگاڑ پیدا ہو جائے تو ان عوامل کا قصور نہیں بلکہ اس کی تدبیر میں نقص ہے (وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ

تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ)

(۲) جس خالق کائنات نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس نے اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھا اور انہیں پورا کرنے کا بھرپور انداز میں انتظام وانصرام فرمایا۔لیکن اِدھر انسان ہے جو اپنی ضروریات کو گناہ ومعصیت کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے(وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ)

(۳) انسان ایک ایسا موجود ہے جو سراپا محتاج ونیازمند ہے (سَاَلْتُمُوْهُ)

(۴) جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمات کو شمار نہیں کرسکتا تو حقِ شکر کس طرح سرانجام دے سکتا ہے۔ (لَا تُحْصُوْهَا)

(۵) اگر انسان نعمات خداوندی سے صحیح طور پر استفادہ نہ کرسکے تو وہ بہت ظالم اور ناشکرا شمار کیا جائیگا (لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ)

آیت نمبر 35

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی تھی کہ پروردگار، اس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ فرما۔

نکات

(الف) اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ملکوتی دعا کے کچھ نمونے ہیں جس سے ان کے درد دل اور روح کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔شاید انہی دعاؤں کی وجہ سے اس سورت کا نام سورہ ابراہیم ہے۔

(ب) حضرت ابراہیمؑ نے مختلف اوقات میں دو مرتبہ ''مکہ معظّمہ'' کیلئے دعا فرمائی پہلی دفعہ جب آپ نے جناب اسماعیلؑ اور جناب ہاجرہؑ کو وہاں ٹھہرایا اور بارگاہ خداوندی میں دعا فرمائی۔''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا'' خدایا اس جگہ کو شہر امن قرار دے (بقرہ ۱۲۶) دوسری دفعہ اس وقت دعا فرمائی جب کچھ لوگ مکہ آئے اور آکر اس شہر میں رہائش اختیار کی تو فرمایا ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا'' خدایا اس شہر کو امن کا گہوارہ بنادے۔

(ج) سوال: کیا حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی برکت سے ان کی تمام اولاد توحید پرست ہوگئی تھی؟

جواب: دعا ایک عامل ہے اور افراد دوسرا عامل ہے۔حضرت نوحؑ کے بیٹے کی داستان زیرغور رہے۔

(د) سوال: حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دعا میں مکہ کو شہر کا نام دیا حالانکہ ابھی وہ شہر بنا ہی نہیں تھا کیونکہ بعد کی آیات میں عرض کرتے ہیں ''یہ ارض زراعت کے قابل نہیں۔

جواب: آپ کی مراد یہ تھی کہ جب مختلف قبائل اِدھر کا رخ کریں گے اور اسے اپنا ٹھکانہ بنائیں گے تو مکہ شہر کی صورت اختیار کرے گا۔دعا کا بھی اس زمانے کے ساتھ تعلق ہے، یا اس سوال کا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی جگہ کے شہر ہونے اور نا قابل زراعت

ہونے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ موجودہ مکہ معظّمہ بھی ناقابل زراعت شہر ہے۔

(ر) سوال: یہ بات تو یقینی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مُوحد تھے تو پھر آپ نے یہ دعا کیوں مانگی خدایا مجھے شرک سے بچائے رکھنا''؟

جواب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رہے اس کے باوجود بھی ہر نماز میں فرماتے تھے'' اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ '' حالانکہ آپ یقین کی منزل پر تھے۔ لیکن پھر بھی خائف ہیں اس لئے دعا فرماتے ہیں کہ اسے سیدھے راستے پر ثابت رکھ۔

(س) ''امنیت'' سے مراد وہ قانون ہے جو مکہ معظّمہ کے امن عامہ کی ضمانت پیش کرتا ہے نہ یہ کہ مکہ معظّمہ تاریخ کے ہر دور میں جائے امن رہا ہو کیونکہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد مرتبہ دشمنوں نے مکہ معظّمہ پر حملہ کیا اور اہل مکہ کو خون سے نہلا دیا حتی کہ رسول اکرمؐ اور ان اصحاب صفاء باوفا کو خوب ستایا گیا اور حضرت امام حسینؑ نے مکہ مکرمہ کی بے امنی کی وجہ سے حج کا ارادہ ترک فرمایا تھا۔ لیکن قانون الٰہی نے مکہ کو امن کا علاقہ قرار دیا۔

پیام

(۱) عقیدہ اور فکر صحیح کی حفاظت کی دعا سب سے بہترین دعا ہے (وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ)

(۲) عبادی مراکز کو پُرامن ہونا چاہئے (هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا)

(۳) امن وسکون زندگی کیلئے ضروری شرط ہے (الْبَلَدَ اٰمِنًا)

(۴) معاشرہ کے ارباب بست وکشاد کو عوام الناس کے امن وامان کی فکر کرنا چاہئے (رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا)

(۵) امن وسکون اس لئے نہیں ہوتا کہ گناہ وخطا اور عیاشی کی آزادی ہو بلکہ امن وسکون عبادت الٰہیہ کے مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ (اٰمناً) (اٰمِنًا يَّعْبُدُوْنَنِيْ) امن قائم کرے گا اور وہ میری بندگی کریں، (نور ۵۵)

(۶) شرک کے خطرات اتنے شدید ہیں کہ ابراہیم خلیل جیسے سچے توحید پرست بھی خائف ہیں (وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ)

(۷) دعا میں دوسروں کو بھی شامل کرنا چاہئے بالخصوص اپنی اولاد کو یاد رکھنا چاہئے (وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ)

آیت نمبر 36

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

پروردگارا! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے پس جو شخص میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف چلے تو

تو یقیناً بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

نکات

(الف) سوال: بت جو پتھر اور لکڑی کے مجسمے ہوتے ہیں وہ انسانوں کو کس طرح گمراہ کر سکتے ہیں؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ بت جمادات میں سے ہوں یہ بھی تو مشاہدات میں سے ہے کہ خود انسان طاغوت بن کر بت بن بیٹھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ بتوں کی تراش خراش کی ہنرمندی اور ان کا سامان ان کی پوجا پاٹ کا سبب بن جاتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسان کی جہالت اس امر کا سبب بن جاتی ہے کہ ان کی نگاہ میں پتھر اور لکڑی اس قدر قابل قدر ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔

(ب) اگر اس آیت کو اس سے قبل کی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو ایک بہترین نتیجہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا ''خداوندا! میری اولاد کو بت پرستی سے دور رکھ'' اور اس آیت میں فرما رہے ہیں کہ جو شخص توحید پرست اور میرا پیروکار ہے وہ مجھ سے ہے۔ تو نتیجہ یہ سامنے آئیگا کہ تمام موجودات حضرت ابراہیمؑ کی مذہبی اولاد ہیں۔ خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ''یعنی تمہارے باپ ابراہیم کی ملت۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی ہے۔ ''اَنَا وَ عَلِيٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ'' میں اور علی امت کے باپ ہیں۔ (بحار الانور، ج ۱۶، ص ۹۵) اور اگر کوئی مشرک کسی نبی کا حقیقی بیٹا بھی ہو تو اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے ''اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۫ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ'' وہ تمہاری اہل سے نہیں (سورہ ہود ۴۶)

(ج) حضرت امام علیؑ فرماتے ہیں ''اِنَّ وَلِيَّ مُحَمَّدٍ مَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ اِنْ بَعُدَتْ لُحْمَتُه وَ اِنَّ عَدُوَّ مُحَمَّدٍ مَنْ عَصَى اللّٰهَ وَ اِنْ قَرُبَتْ لُحْمَتُهٗ'' یقیناً حضرت رسول اکرمؐ کا دوست وہ ہے جو خدا کا اطاعت گزار ہے خواہ رشتے اور نسب کے لحاظ سے دور ہو اور محمدؐ کا عدو وہ ہے جو خدا کا نافرمان ہے۔ خواہ وہ ان کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (بحار، ج ۶۷، ص ۲۵)

پیام

(۱) مجسمہ سازی جیسی ہنرمندی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے جس طرح بت بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ (اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ)

(۲) دینداری صرف نعرے بازی کا نام نہیں ہے۔ اصل عمل اور احکام کی ادائیگی ہے (تَبِعَنِيْ)

(۳) آفاقی رہبروں اور اہل ایمان کے درمیان مذہبی رابطہ استوار ہوتا ہے فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ)

(۴) انبیاء کرام اپنے مخالفین کے بارے میں بھی رحم و رافت کے جذبات رکھتے تھے اور انہیں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے تھے۔ (وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)

(۵) انبیاء کرام کے احکام کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے (وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ)

آیت نمبر 37

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ○

اے ہمارے پروردگار! میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تا کہ یہ نماز قائم کریں لہذا تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں ثمرات کا رزق عطا فرما تا کہ یہ شکر گزار بنیں۔

نکات

(الف) جب حضرت ابراہیمؑ بڑھاپے کی منزل پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت اسماعیلؑ جیسا فرزند عطا فرمایا اور حکم دیا کہ اس نو مولود کو اور اس کی والدہ کو مکہ منورہ میں جا ٹھہرائیں حضرت ابراہیمؑ نے حکم خداوندی کی تعمیل فرمائی اور دعا بھی مانگی۔

(ب) روایات میں آیا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے ''ہم اہل بیت رسول اللہ ہیں اور اولاد حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ اس لئے انسانوں کے دل ہماری طرف مائل ہیں'' آپ نے بعد ازیں یہ آیت تلاوت فرمائی ''رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ ''

(ج) خانہ کعبہ کو ایک بے آب وگیاہ وادی میں بنایا گیا تا کہ لوگوں کو آزمایا جائے۔ امام علیؑ نے خطبہ قاصعہ میں فرمایا: اگر خانہ کعبہ ایک تفریحی مقام پر واقع ہوتا جہاں کی آب وہوا ہر اعتبار سے بہتر ہوتی تو لوگ وہاں پر رضائے خداوندی کیلئے اس کی زیارت کیلئے نہ آتے۔

(د) انبیاء علیہم السلام کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں (وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ) انہیں پھلوں میں سے رزق عطا فرما) حَرَمًا اٰمِنًا یُّجۡبٰۤی اِلَیۡہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیۡءٍ) یعنی ایسا امن کا حرم کہ جہاں پر ہر قسم کے پھل میوے میسر ہوں'' (قصص ۵۷)

حضرت امام باقرؑ کا فرمان ہے کہ جو بھی میوہ مشرق میں ہو یا مغرب میں وہ مکہ معظمہ میں ضرور پایا جاتا ہے۔

پیام

(۱) انبیاء کرام اپنی جائے رہائش نماز اور بندگی کی بنیاد پر منتخب کرتے ہیں (اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ)

(۲) بعض اوقات دینداری کی قیمت اتنی سخت ہوجاتی ہے کہ اس کیلئے وطن چھوڑنا پڑتا ہے۔ دربدری اور خاندان سے دوری اختیار کرنا پڑتی ہے۔ اپنے آرام وسکون کو بھی ہمیشہ کیلئے خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ (اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ)

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں خانہ کعبہ اور اس کے اطراف واکناف محترم ومکرم تھے۔ ان کی حدود بھی معین تھیں اور وہ حدود محفوظ بھی تھیں۔ (بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ)

(۴) حضرت ابراہیمؑ کا مقصد ومحور نماز ہے (رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ)

(۵) نمازیوں سے محبت رکھنا چاہئے (لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ)

(۶) گزشتہ ادیان میں نماز موجود تھی (لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ)

(۷) دلوں کی ہر دلعزیزیت اور محبوبیت اور ان کا میلان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ)

(۸) تمام لوگوں کے دلوں میں اولیا اللہ کی محبت ودوستی کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ (مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ)

(۹) مردان خدا اس دنیا کو صرف ارفع واعلیٰ ہدف کیلئے چاہتے ہیں۔

آیت نمبر 38

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ○

اے ہمارے پروردگار! جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں تو جانتا ہے اور واقعی اللہ سے کوئی چیز نہ تو زمین میں چھپ سکتی ہے اور نہ آسمان میں۔

نکات

(الف) جب کائنات اور اس کی تمام اشیا اللہ کے سامنے ہیں اسے ہر چیز کا علم ہے اس کا علم پوری کائنات کو محیط ہے تو ہمیں چاہئے اس کے محضر میں گناہ نہ کریں اور اس کی مخلوقات صرف اور صرف اسکی رضا اور اس کے احکام کے مطابق تصرف کریں۔

پیام

(۱) خداوند تعالیٰ کے سامنے پنہاں وآشکار دونوں برابر ہیں (تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ)

(۲) زمین و آسمان اللہ کے علم میں برابر ہیں (وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ)

آیت نمبر 39

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○

تعریف وستایش اس اللہ کیلئے ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل واسحاق عطا فرمائے ہیں۔ یقیناً میرا رب دعا کا سننے والا ہے اور اسے قبول کرنے والا ہے۔

نکات

(الف) حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ اللہ تعالیٰ کی مخصوص نعمتوں میں سے تھے کیونکہ

(۱) دونوں خلیل اللہ کی دعا کا ثمر تھے۔

(۲) باپ کو بڑھاپے کی منزل میں (دونوں فرزند) عطا ہوئے۔

(۳) وہ دونوں اولاد صالح تھے۔

(۴) اپنے بعد آنے والوں انبیاء کی بنیاد تھے۔

نیز یہ بھی ہمیں جان لینا چاہئے کہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اولاد صالح ہو چاہے وہ ایک کنیز کے بطن سے ہو یا آزاد خاتون سے حضرت اسماعیلؑ کی والدہ گرامی ایک کنیز تھیں اور حضرت اسحاقؑ کی والدہ گرامی آزاد خاتون تھیں۔

پیام

(۱) خداوند تعالیٰ کی نعمات کو یاد کرتے وقت اس کی ذات کا شکر ادا کرنا چاہئے (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)

(۲) جب دعائیں بارگاہ خداوندی میں قبول ہو جائیں تو اس ذات کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ (اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ)

(۳) اولاد عطیہ خداوندی ہے۔ (وَهَبَ لِيْ)

(۴) اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی (عَلَى الْكِبَرِ) بڑھاپا اولاد کی پیدائش سے مانع نہیں ہوا۔

(۵) شکر ادا کرتے وقت ہر نعمت کا ذکر جداگانہ کرنا چاہئے۔ (اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ)

(۶) استجابت دعا سنت پروردگار ہے (اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ)

آیت نمبر 40

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○

پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسل اور ذریت کو بھی پروردگارا! میری دعا (نماز اور عبادت) کو قبول فرما۔

آیت نمبر 41

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○

پروردگارا! مجھے اور میرے ماں باپ اور مومنین کو بخش دے جس دن حساب برپا ہوگا۔

نکات

(الف) اس سورت میں ہم نے جو کچھ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں پڑھا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے بارگاہ پروردگار میں سات چیزوں کی درخواست کی تھی۔ وہ سات یہ ہیں۔

(۱) مکہ معظّمہ کے امن وامان کیلئے دعا۔

(۲) بت پرستی سے دوری کی دعا۔

(۳) اپنی اولاد اور اپنی ملت ومشن کی طرف لوگوں کی میلان کی دعا۔

(۴) اپنی اولاد اور نسل وذریت کیلئے ثمرات سے ہمیشہ وابستگی کی دعا۔

(۵) نماز کے قیام کی توفیق کی دعا۔

(۶) دعاؤں کی قبولیت کی دعا۔

(۷) اپنے والدین اور مومنین کیلئے بخشش کی دعا۔

(ب) کلمہ ''وَالِد'' حقیقی باپ کیلئے بولا جاتا ہے جبکہ لفظ ''اَب'' حقیقی باپ کے علاوہ دوسرے اقارب پر بھی بولا جاتا ہے جیسے چچا، سسر وغیرہ چونکہ خلیل اللہ کے والدین صاحب ایمان تھے لہذا انہوں نے اس آیت میں ان کیلئے دعا فرمائی جبکہ دوسری آیات میں جہاں پر لفظ ''اَب'' استعمال ہوا ہے اس سے مراد جناب ابراہیمؑ کا چچا ہے جس سے مشرک ہونے کے سبب اظہار برات فرمایا۔

(ج) سورہ بقرہ کی آیت ۱۳۳ میں آیا ہے جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ'' تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے، تو انہوں نے جواب دیا تھا۔ ''نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِیْمَ'' ہم تیرے اور تیرے آباء اجداد ابراہیم واسماعیل کی عبادت کریں گے حالانکہ اسماعیل حضرت یعقوب کے چچا تھے لیکن چچا کیلئے لفظ اب استعمال ہوا ہے۔

پیام

(۱) حضرت ابراہیمؑ کے دعاؤں کے آغاز میں لفظ ''رب'' کا استعمال ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ استجابت دعا کیلئے موثر ہے یا

پھر یہ دعا کے آداب میں سے ہے۔ (رَبِّ اجْعَلْنِیْ)

(۲) اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے نماز کے قیام کی خدا سے مدد طلب کرنی چاہئے۔ (رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ)

(۳) نماز حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا محور و مرکز ہے (رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ)

(۴) انبیاء کرام کا کام دین کا قیام تھا لیکن نماز دین کا چہرہ اور اس کی روشن جھلک ہے۔ (مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ)

(۵) نماز کا قیام امامت و رہبری کے برابر ہے حضرت ابراہیمؑ نے دو مقامات پر ''وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ'' کا کلمہ استعمال فرمایا ہے ایک دفعہ اپنی نسل کی نماز کے بارے میں اور دوسری دفعہ اپنی نسل کی رہبری و امامت کے سلسلے میں۔ اس وقت فرمایا تھا جب خداوند تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تھا (اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ) ''میں نے آپ کو لوگوں کا امام بنایا ہے تو انہوں نے کہا میری ذریت کو بھی اس مقام تک پہنچا'' (بقرہ ۱۲۴)

(۶) بوقت دعا اپنی طرف بھی توجہ رہے ''وَّاجْنُبْنِیْ، اجْعَلْنِیْ، اغْفِرْ لِیْ'' اور دوسروں پر بھی نظر رہے (وَبَنِیَّ ، وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ، وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ)

(۷) بوقت دعا انسان اپنے آباؤ اجداد کو بھی دعا میں شامل کرے (وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ) اور اپنی آنے والی نسل کو بھی شامل کرے (وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ)

(۸) اپنی دعاؤں میں اپنوں کو دوسروں پر مقدم رکھیں (وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ)

(۹) بوقت دعا انسان کو روز قیامت کیلئے اپنی اور اپنی اولاد کی اور پورے معاشرے کی فکر کرنی چاہئے۔ (یوم یقوم الحساب)

آیت نمبر 42

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝

جو کچھ ظالم لوگ انجام دیتے ہیں اللہ کو ان سے غافل نہ سمجھ اللہ تعالیٰ انہیں (سزا اور حساب کیلئے) اس دن کیلئے موخر کر دیتا ہے جس میں حیرت اور وحشت کی وجہ سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

نکات

(الف) سوال: خداوند تعالیٰ عادل بھی ہے قادر بھی ہے تو پھر وہ ظالموں کی سزا کو موخر کیوں کر دیتا ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عادل بھی ہے اور قادر بھی ہے اور وہ ظالموں کے افعال و اعمال سے اچھی طرح آگاہ بھی ہے سزا میں ڈھیل اس لئے کر دی جاتی ہے کیونکہ اس دنیا میں مکمل طور پر سزا یا جزا نہیں دی جا سکتی خداوند تعالیٰ کی سنت بھی رہی ہے کہ وہ اپنے

بندوں کو مہلت دیتا ہے تا کہ ان میں توبہ کی اہلیت پیدا ہو جائے اور وہ توبہ کر لیں اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو پھر قیامت کے روز ان کا مکمل حساب کیا جائیگا۔

پیام

(۱) فیصلہ میں جلدی نہ کیا کریں اور خداوند تعالیٰ کو غافل نہ سمجھا کریں۔(وَلَا تَحْسَبَنَّ)

(۲) اللہ کا ستم پیشہ لوگوں کو مہلت دینے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اللہ ان سے غافل ہے یا ان پر راضی ہے۔(وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا)

(۳) مہلت دینا خداوند تعالیٰ کی سنت ہے(اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ)لیکن تمہارا وظیفہ یہ بنتا ہے کہ ظالم کے سامنے نہ تو خاموش رہنا اور نہ مایوسی کا شکار ہو جانا ہمیشہ اپنے وظیفے کو ادا کرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کی گھات میں ہے۔

(۴) سزا اور جزا کا دن مقرر ہے۔(لِيَوْمٍ)

(۵) قیامت کا دن اس قدر خوفناک، وحشتناک ہوگا کہ آنکھیں چندھیا جائیں گی۔(تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ)

آیت نمبر 43

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ○

وہ سر اٹھائے دوڑ رہے ہونگے اور ان کی نگاہیں خود انکی طرف بھی لوٹ نہیں رہی ہونگی اور ان کے دل خوف کی وجہ سے اڑے جاتے ہونگے۔

نکات

''مُهْطِعِيْنَ '' کا لفظ''اِهْطَاء'' سے مشتق ہے جس کے متعدد معانی ہیں اور روہ یہ ہیں، گردن کا اوپر کو کھینچنا، تیز تیز چلنا، ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھنا۔

آیت نمبر 44

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ○

اے محمد! اس دن سے تم انہیں ڈراؤ جبکہ عذاب انہیں آلے گا۔تو ظالم لوگ کہیں گے ہمارے رب ہمیں تھوڑی مدت کیلئے مہلت دے دے اب ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے۔اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔(انہیں فوری جواب دیا جائے گا) کیا اس سے پہلے تم

قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ ہم پر تو کبھی زوال آتا ہی نہیں ہے۔

نکات

(الف) سابقہ آیت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بھی قیامت میں کے بارے میں ہے لیکن ''اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ'' کے جملے سے یہ بات اس معنیٰ کو ذہن کے قریب لے آتی ہے کہ یہ آیت دنیا میں عذاب کے بارے میں ہے۔ کیونکہ عذاب کی مہلت، خدا کی دعوت کی قبولیت اور انبیاء کی پیروی کا دنیا سے تعلق ہے نہ کہ قیامت سے۔

(ب) قیامت کے روز بھی دنیا میں واپسی کی درخواستیں ہوں گی جن کا ذکر قرآن میں کئی مرتبہ آیا ہے انہیں میں سے کچھ یہ ہیں۔

(۱) ''فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ'' کیا ہلاکت سے نکلنے کا راستہ ہے (مومن ۱۱)

(۲) ''فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا'' ہمیں دنیا میں واپس بھیج تا کہ ہم نیک عمل انجام دیں۔

(۳) رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا، پروردگارا ہمیں دوزخ سے نکال تا کہ ہم نیک عمل انجام دیں (فاطر ۳۷)

پیام

(۱) تنبیہ اور دھمکیاں گمراہ لوگوں کی تربیت اور ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

(۲) قرآن مجید کی تنبیہات کا ربط تمام لوگوں سے ہے (وَاَنْذِرِ النَّاسَ)

(۳) اس دن مجرمین پریشان و پشیمان ہوں گے لیکن بہت دیر ہو چکی ہوگی (اَخِّرْنَآ)

(۴) عذاب خداوندی کی شروعات ہو چکی ہوگی لیکن توبہ اور فرار کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہونگی۔ (اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا)

آیت نمبر 45

وَسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ○

اور حالانکہ تم ان قوموں کی بستیوں میں رہ بس چکے تھے۔ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کئے اور تم پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا اور تمہارے لئے مثالیں دے دے کر ہم تمہیں سمجھا بھی چکے تھے۔

پیام

(۱) اکثر لوگ ان لوگوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے جو ان کے سامنے ہر چیز چھوڑ چھاڑ کر اس دنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئے ہیں۔ اب ان لوگوں نے ان کے ترکہ کو اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے اور ان کے مکانوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان تمام کیفیات کے باوجود حقیقت سے دور سرمستی میں مست ہیں۔ (وَسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا)

(ب) خداوند تعالیٰ اتمام حجت فرماتا ہے الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ ایک طرف گزشتہ ادوار میں آنے والی اُمتوں کے معذب ہونے کا ذکر فرماتا ہے تو دوسری طرف متعدد مثالیں بیان کر کے مسائل کی توضیح وتشریح فرماتا ہے۔

(ج) الٰہی قوانین وقواعد تاریخ اور انسانی معاشروں پر ثابت اور مستحکم چلے آرہے ہیں۔ (وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا)

آیت نمبر 46

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ○

اور انہوں نے اپنی ساری ہی چالیں چل دیں مگر ان کی تمام چالیں اللہ کے سامنے تھیں اگرچہ ان کی چالیں اتنی شدید تھیں کہ پہاڑ ان سے ٹل جائیں۔

نکات

خداوند تعالیٰ ان کی چالوں سے آگاہ ہے اور ان پر مکمل گرفت بھی رکھتا ہے اور ایک دن ان کی ان فریب کاریوں اور چال بازیوں کی سخت ترین سزا دے گا وہ ہی طاقت رکھنے والا ہے وہ ان کی سازشوں کو خاک میں بھی ملا سکتا ہے یا انہیں چالوں میں انہیں گرفتار بھی کر سکتا ہے۔

پیام

ظالم وستم گر لوگ جس قدر طاقتور ہو جائیں انہیں اپنے انجام کے سبب مخذول ومحشور ہونا ہے۔ (وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ)

آیت نمبر 47

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○

پس یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کرے گا۔ یقیناً اللہ کو شکست نہیں دی جا سکتی اور وہ صاحب انتقام ہے۔

نکات

انسانی انتقام میں دل کی تسلی کا سامان ہوتا ہے جبکہ خدائی انتقام عدل وحکمت کی بنیاد پر ہوتا ہے اور تادیبی ہوتا ہے۔

پیام

(ا) خطرات اور لغزشات کی احتمالی حالت میں تنبیہ لازمی ہے (فَلَا تَحْسَبَنَّ)

(۲) خدائی نصرت کی تاخیر کی صورت تمہیں شکوک وشبہات میں مبتلا نہ کردے (فَلَا تَحْسَبَنَّ)

(۳) اگرچہ انسان عقل وفطرت کی عظیم ترین دولت رکھتا ہے وہ دوسروں سے مشاورت بھی کرتا ہے اگر وحی الٰہی کا ملکوتی سلسلہ نہ ہوتا تو اپنے فیصلوں میں بدترین تاریخی غلطیاں کرتا۔ (فَلَا تَحْسَبَنَّ)

(۴) اگر اللہ تعالیٰ کفار اور ستم پیشہ لوگوں کو مہلت دیتا ہے تو یہ اس کا اپنا طریقہ ہے جو حکمت پر مبنی ہے نہ اس میں کوئی غفلت ہے اور نہ وعدہ کی خلاف ورزی ہے۔ (فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ)

(۵) خداوند تعالیٰ طاقت وتوانائی کا مالک وخالق ہے وہ وعدہ خلافی کیوں کس لئے کرے۔ (اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ)

آیت نمبر 48

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○

یہ انتقام اس دن ہوگا کہ جس دن زمین وآسمان بدل کر کچھ سے کچھ کردیئے جائیں گے۔ اور سبھی اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہوجائیں گے۔

نکات

(الف) قیامت کے دن زمین کے تغیر وتحول کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے اس دن شدید ترین قسم کا زلزلہ آئے گا۔ پہاڑ اپنی جگہ سے اڑ کر روئی اور اون کی مانند فضا میں اڑنے لگیں گے (سورہ زلزلہ) یہ وہ دن ہوگا کہ زمین صاف وشفاف ہموار اور مسطح قطعے کی صورت اختیار کرلے گی۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ ''وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا) اور یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو ذرہ ذرہ کردے گا پھر ان کی جگہ چٹیل میدان کردے گا (طہ ۱۰۵ و ۱۰۷) خورشید خاور کے بجھ جانے سے آسمان لپیٹ دیا جائے گا اور اس طرح کرہ سماوی اختتام پذیر ہوجائے گا۔ آخر ایک دن اس سارے سسٹم کو ختم ہونا ہے۔

پیام

(۱) تمام مخلوق کو حساب کتاب دینے کیلئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا (وَبَرَزُوْا)

(۲) قیامت کے دن ستم پیشہ افراد کیلئے کوئی نرمی نہیں برتی جائیگی (الْقَهَّارِ)

آیت نمبر 49

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ○

اس دن تم مجرمین کو دیکھو گے کہ طوقوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔

آیت نمبر 50

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ○

ان کے لباس گندھک کے ہونگے اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر چھائے جارہے ہونگے۔

نکات

(الف) جب کوئی شخص مصیبت زدہ ہوتا ہے اور درد و عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اگر وہ دوسرے لوگوں کی آہ و فریاد کو سنے تو اس کی مصیبت میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص خوشحالی کی زندگی بسر کررہا ہو اور ان لوگوں میں آجائے جو اس کی طرح خوشحال ہیں

تو اس کے لذت و سرور میں اضافہ ہوجاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں فرمایا ہے ''ھم ہم فکر اور ہم مزاج لوگوں کو یکجا کردینگے تمام گناہگاروں کو جہنم میں اور نیکوکاروں کو جنت میں (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ) (جو لوگ اہل ایمان ہیں ان کو ان کی ذریت کے ساتھ ملحق کریں گے) (طور ۲۱) جبکہ اہل جہنم کے بارے میں فرمایا (اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ) گھیرلاؤ ظلم کا ارتکاب کرنے والوں کو اور ان کے ہم جنسوں کو (صافات ۲۲) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: (فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ) اس دن پوجا کرنے والے اور خیالی معبود باہم دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے (شعرا ۹۴) اور یہ آیت (وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ) (تکویر ۷) بھی اس قسم کے ہم جنسوں کے بارے میں ہے۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ) (ب) ''اَصْفَاد'' صفود'' کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں ''بیڑی'' لکڑی کا ٹکڑا جو قیدیوں کے پاؤں میں ڈالا جاتا ہے ''قطران'' ایک مادہ ہے جو درختوں سے حاصل کیا جاتا ہے جب اسے جوش دیا جاتا ہے تو وہ گاڑھا ہوجاتا ہے جس اونٹ کو سوزش ہو اس کو مالش کی جاتی ہے اور مرض جاتا رہتا ہے اور یہ مادہ آتشگیر ہوتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

(ج) قیامت کے عذابوں میں ایک عذاب یہ بھی ہے کہ مجرمین کو طوقوں اور زنجیروں میں جکڑا جائے گا۔ قرآن مجید میں اس کا متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے۔ ان میں سے کچھ آیات یہ ہیں (وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ ... فِي الْاَصْفَادِ) اور (خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ) (حاقہ ۳۰) ایک اور آیت یہ ہے (اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ) (غافر ۷۱)

(د) مجرمین کو دوسرے مجرمین کے ساتھ یا شیاطین کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑا جائے گا ان کی کیفیات مختلف ہونگی۔ کسی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہونگی اور کسی کے ہاتھ اور پاؤں میں زنجیر ہونگے کچھ ایسے ہونگے جن کے ہاتھوں، پاؤں اور گردنوں کو زنجیروں طوقوں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے گا۔ (مُّقَرَّنِيْنَ)

پیام

(۱) قرآن کریم نے قیامت کے مناظر کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ گویا ہم اسے اس وقت بھی دیکھ رہے ہیں۔(تریٰ)
(۲) مجرمین کی تحقیر وتعذیب ظاہر باہر ہوگی۔(وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ)
(۳) اگر اعمال کو تجسم کی صورت میں دیکھا جائے تو ہمارے سامنے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس لباس کو پہن کر اس سے انسان فخر وغرور، اسراف وتبذیر اور شہوت انگیزی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ وہی لباس قیامت کے دن سیاہ بدبودار اور آگ سے بھڑک اٹھنے والے لباس میں بدل جائے گا۔(سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ)

آیت نمبر 51

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ○

تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے کئے کا بدلہ دے یقیناً اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

پیام

(۱) ہر فرد کو جزا یا سزا ضرور ملے گی (كُلَّ نَفْسٍ)
(۲) دنیا میں کوئی کام عوض کے بغیر نہیں ہے (مَّا كَسَبَتْ)
(۳) الٰہی جزا یا سزا کا دارومدار ہمارے اعمال پر ہے۔(مَّا كَسَبَتْ)

آیت نمبر 52

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ○

یہ قرآن لوگوں کیلئے ایک پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعے ان سب کو خبردار کردیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں

نکات

(الف) سورہ ابراہیم کی آخری آیت اور پہلی آیت قرآنی انداز رسالت اور ہدایت کو بیان کررہی ہیں۔ ہم نے اولین آیت میں پڑھا تھا (كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ) اور اس آخری آیت میں فرمایا ہے (هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ) جب قرآن مجید ''بَلٰغٌ'' ہے تو اس کے پہنچانے والے بھی بلاغ ہیں۔ اس مقصد کی وضاحت سورہ نور کرتی ہے۔ (مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ)

پیام

(۱) قرآن مجید سرمایہ تبلیغ وابلاغ ہے لہذا مبلغین کو چاہیے کہ اپنا تبلیغی مواد اور سرمایہ قرآن سے حاصل کریں (هٰذَا بَلٰغٌ)

(۲) قرآن کتاب توحید ہے لہذا قرآن سے توحید پرست افراد تیار کئے جائیں هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

(۳) صرف ابلاغ کافی نہیں ہے انداز بھی لازم ہے (جی ہاں ہدف تبلیغ انداز ہے۔ (وَلِيُنْذَرُوْا)

(۴) صرف جان لینا ہی کافی نہیں ہے تذکر ونصیحت کا حصول بھی لازم ہے۔ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ

(۵) قرآن کریم کے ساتھ انس ومحبت انسان کو علم ومعرفت کے خزانے عطا کرتی ہے (وَلِيَعْلَمُوْٓا) اور وعظ ونصیحت کے ذریعے انسان کو اعمال خیر کیلئے تشویق وترغیب حاصل ہوتی ہے۔ (وَّلِيَذَّكَّرَ)

(۶) قرآن کریم عوام الناس کیلئے ابلاغ وتبلیغ ہے لیکن اس سے صرف صاحبان عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ) جی ہاں! اگر قرآن کے بیان کردہ راہنما اصولوں کی طرف دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ توجہ کریں تو یقیناً موحد بھی بن سکتے ہیں اور نصیحت حاصل کرنے والے بھی بن سکتے ہیں۔

انشاءاللہ

الحمد للہ رب العالمین

سورۃ حجر

پارہ 13-14

سورہ نمبر 15

تعداد آیات 99

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورہ حجر کی ایک جھلک

مشہور قول کے مطابق یہ ۵۲ ویں سورہ مبارکہ ہے جو آنحضرتؐ پر مکہ معظّمہ میں قبل از ہجرت نازل ہوئی۔ اس کی وجہ تسمیہ ''حجریہ'' ہے۔

حجر اس شہر کا نام ہے جس میں حضرت صالحؑ کی قوم رہتی تھی اس سورہ کے نام کا ذکر آیت نمبر ۸۰ میں آیا ہے: جناب صالحؑ کی قوم کے بارے میں آیا ہے: (کذبت اصحب الحجر المرسلین)۔

اس سورت کے اکثر مضامین، قرآن مجید اور رسول اکرمؐ پر تہمات، افترا پردازی اور مزاح استہزا کے ہیں۔ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابوطالبؑ کی وفات ہوئی تو کفار کی گستاخیاں آپؐ کے حق میں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ ان کے گستاخانہ رویئے کی بنا پر آپ پر یہ سورت نازل کر کے آپ کیلئے تسلی کا سامان کیا گیا اور صبر و تحمل کی تلقین کی گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ○

الف لام را! یہ (آسمانی) کتاب اور روشن قرآن کی آیات ہیں۔

آیت نمبر 2

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ○

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ کثرت کے ساتھ آرزو کریں گے کہ اے کاش! وہ مسلمان ہوتے۔

نکات

(۱) تفسیر طبری اور تفسیر مجمع البیان میں دوسری آیت کی تفسیر کے ذیل میں: ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ جب کفار جہنم کا عذاب جھیل

رہے ہوں گے تو اس وقت ان گناگار مسلمان سے کہیں گے تم تو مسلمان تھے اسلام تمھارے کیا کام آیا تم بھی ہماری طرح جہنم میں ہو؟ لیکن گناہ گار مسلمان ایک عرصہ کے بعد اپنی سزا کی مدت پوری ہونے کے بعد جھنم سے نکال لئے جائیں گے اور کفار ہمیشہ کیلئے جھنم میں رہیں گے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر کفار آرزو کریں گے۔

''اے کاش کہ ھم بھی مسلمان ہوتے''

(ب) تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ جب قیصر روم نے حضرت رسول اکرمؐ کا نام مبارک دیکھا تو ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن اُس نے اس وقت کہا: میری جان خطرے میں ہے اور میری حکومت میرے ہاتھوں سے جانے والی ہے (مکاتیب رسولؐ ج ۱، ص ۱۱۲)

پیام

(۱) قرآن کریم ایک عظیم المرتبت کتاب ہے (تِلْكَ) لیکن اس تک رسائی نہایت آسان ہے کیونکہ تحریری صورت میں ہے (الْكِتٰبِ) اور پڑھے جانے کے قابل ہے۔ (قُرْاٰنٍ)

(۲) قرآن کریم کے مطالب روشن و واضح ہیں اور حق و باطل کی سرحدوں کو معین کرتے ہیں۔ (مُّبِيْنٍ)

(۳) زمانہ مستقبل میں سربلندی و غلبہ اسلام کو حاصل ہے، کفار کے مقدر میں حسرت و یاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ (يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) وہ لوگ جو آج اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں انہیں کل ندامت کے ہاتھ ملتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ کفار اسلام کی آرزو کرتے ہیں۔ لیکن یا تو ان پر طاغوتی پنجوں کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے یا ماحول کے فساد کی وجہ سے اسلام سے دور رہ جاتے ہیں۔

آیت نمبر 3

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ○

نکات

(الف) ''ذَرْهُمْ ،، کا جملہ یہ بتاتا ہے کہ'' کفار کو اپنے حال پر چھوڑ دینے کی بات کا سبب خود ان کی ہٹ دھرمی اور سرکشی ہے کیونکہ اللہ تعالی نے انبیاء کو تمام انسانوں کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا تھا۔ کسی کو اُس کے حال پر نہیں چھوڑا اسی مقصد کو قرآن کریم نے بارہا بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ''وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ'' ہم ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ وہ اسی میں سرگردان رہیں (انعام ۱۱۰) ایک دوسرے مقام پر فرمایا ''وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ '' اللہ تعالیٰ انہیں ان کی سرکشی کے دوران ڈھیل دیتا ہے۔ (بقرہ ۱۵)

(ب) انسان اُمید کے سہارے زندہ ہے اگر کسی دن اُس سے سہارا چھین لیا جائے تو اس کی ساری کائنات بکھر کر رہ جائے۔ لیکن ہر اُمید قابل تعریف نہیں کچھ ایسی امیدیں ہیں جن کی اسلام نے مذمت کی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) طولانی امیدیں۔

(۲) صرف امید رکھنا اور کام نہ کرنا۔

(۳) امید بہت زیادہ اور کوشش کم۔

(۴) بہت زیادہ امیدیں۔

(۵) برے کاموں اور برے لوگوں سے امیدیں وابستہ کرنا۔

(ج) رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں تمھارے بارے میں دو چیزوں سے ڈرتا ہوں ایک خواہشات نفس کی پیروی جو تمہیں حق سے دور کردے اور دوسری لمبی آرزوئیں جو تمہیں آخرت سے غافل کردیں۔ دعائے کمیل میں ہے: ''حبسنی عن نفعی بعد امالی'' کیونکہ لمبی اُمیدیں انسان کو نیکیوں سے محروم کردیتی ہیں۔

پیام

(۱) تبلیغ وابلاغ کے سلسلے میں نااہل لوگوں پر اپنا وقت ضایع نہیں کرنا چاہتے۔ (ذَرْهُمْ .. فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ)

(۲) بعض اوقات انسان کفر وضلالت کی دلدل میں اس قدر پھنس جاتا ہے کہ اس پر انبیاء علیھم السلام کے دلائل و براھین اور انداز کچھ اثر نہیں کرسکتے۔ (ذَرْهُمْ .. فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ)

(۳) جو آرزوئیں انسان کو غفلت میں ڈال دیں وہ غلط آرزوئیں ہیں (وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ) لیکن وہ آرزوئیں جو کوشش وکاوش کیلئے مہمیز کرتی ہیں وہ قابل تعریف ہیں کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے (وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا)

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ڈھیل کو اس کے لطف وکرم سے تعبیر نہیں کرنا چاہیے۔ (ذَرْهُمْ، فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ) بعض اوقات ڈاکٹر مریض کے طرفداروں سے کہتا ہے کہ اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیجیئے جو کچھ وہ کھانا چاہے اسے دے دیجیئے کیونکہ اب وہ صحت یاب ہونے والا نہیں ہے۔

آیت نمبر 4

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ○

ہم نے اس سے قبل جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس کیلئے ایک خاص مہلت عمل لکھ دی گئی تھی۔

پیام

(۱) دنیا کے پرستاروں کی کامیابیاں عارضی ہیں جو بہت جلد ختم ہوجانے والی ہیں۔ (وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ)

(۲) اگر ہم چاہیں تو کفر کی طاقت کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکیں لیکن ہمارا طریقہ کار ازل سے یہی چلا آرہا ہے کہ ہم ڈھیل دیتے ہیں اور سزاؤں کو موخر کردیتے ہیں۔ (وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ)

(۳) الٰہی مہلت سے ہمیں مغرور نہیں ہوجانا چاہیے۔ (وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ)

(۴) معاشرہ ہو یا تاریخی ادوار ہر ایک لئے مقررہ اوقات ہیں (قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ)

آیت نمبر 5

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ○

کوئی قوم نہ اپنے مقرر وقت سے قبل ہلاک ہوسکتی ہے اور نہ اس کے بعد وہ بچ سکتی ہے۔

نکات

(الف) جو حوادث انسان کو درپیش ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حتمی (۲) غیر حتمی

حتمی:۔ جو اجل یا حوادث حتمی ہونے ہیں ان میں تبدیلی نہیں آتی۔

غیر حتمی:۔ اجل ہو یا حوادث دعا صدقہ اور نیک کاموں سے بدل سکتے ہیں۔

پیام

(۱) اجل نہ صرف افراد کیلئے مقرر ہے بلکہ اقوام و اُمم کیلئے بھی وقت مقرر ہے۔ (اَجَلَهَا)

(۲) افراد ہوں یا اقوام ان کا ثبات و دوام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور حتمی اجل کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ (مَا تَسْبِقُ .. وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ)

آیت نمبر 6

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ○

یہ لوگ کہتے ہیں ''اے وہ شخص جس پر ذکر (الٰہی) نازل ہوا ہے تو یقیناً دیوانہ ہے۔

آیت نمبر 7

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ○

اگر تو سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا۔

نکات

(الف) ''مَجْنُوْنٌ'' کا معنیٰ بے عقل نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے ''کہ جس کو جن'' نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہو اسی طرح لفظ ''دیوانہ'' استعمال ہوتا ہے جس کا معنیٰ ہے کہ اسے ''دیو'' نے پکڑ رکھا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا ایک شاعر کے بارے میں یہ

خیال تھا کہ اس کا رابطہ ''جن'' کے ساتھ ہے یہ شعر وشاعری اسے جن کی طرف سے ملتی ہے اس لئے اسے ''مجنون'' کہا جاتا تھا یعنی ''جن والا''

ان دونوں آیات میں کفار کی زبانی جو رسول اکرم ﷺ کی تحقیر وتوہین ہوئی اور آپ پر جو شکوک وشبہات کئے گئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔انہوں نے آپ کو ''یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ'' کے بجائے ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْ'' کے کلمات کے ساتھ خطاب کیا۔انہوں نے اس انداز سے آپ کی توہین کرنے کی کوشش کی حالانکہ کفار ''وحی'' کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے لیکن کلمہ ''ذکر'' کے استعمال سے انہوں نے استہزاء کرنے کی کوشش کی ''مجنون'' تہمت کے مترادف ہے۔ان کا آپ کو ''اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ'' کہنا آپ کی نبوت میں شکوک وشبہات کی دلیل ہے۔علاوہ ازیں ان کا آپ کو ''اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ'' کے ساتھ خطاب کرنا ان کے گمراہ کن عقیدے کی مختلف صورتیں ہیں کیونکہ اس جملہ میں ''انّ'' حرف تاکید ہے اور مجنون پر ''لام'' بھی حرف تاکید ہے اور پھر جملہ اسمیہ تو وہ اپنے ان کلمات سے ذریعے یہ ظاہر کررہے تھے کہ یقیناً آپ نبی نہیں ہیں۔

پیام

(۱) معنویات سے وابستگی بعض لوگوں کے نزدیک دیوانگی ہے (اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ)

(۲) پیغمبر اکرمؐ کی گفتگو کا سرچشمہ وحی الٰہی تھا لیکن کفار کو اس سے انکار تھا لہذا انہوں نے اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ کی بجائے ''نُزِّلَ عَلَیْهِ'' سے آپ کو خطاب کیا۔

(۳) کفار رسول اکرمؐ کی صداقت کی دلیل فرشتے کا نزول سمجھتے تھے۔لیکن ان کا صرف یہ ایک بہانہ تھا۔کیونکہ قرآن مجید نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا: اگر ہم بالفرض ان لوگوں پر فرشتے بھی اتار دیں (ان کے سامنے) مُردوں کو زندہ بھی کردیں جو ان کے ساتھ ہم کلام ہوں اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہر شئے کو حاضر کردیں پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''مَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا''

آیت نمبر 8

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ○

ہم فرشتوں کو یوں ہی نہیں اتارا کرتے وہ جب نازل ہوتے ہیں تو حق کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔اور پھر لوگوں کو مہلت نہیں دی جاتی۔

نکات

(الف) قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی انبیاء علیہم السلام سے معجزہ صادر ہوا اور لوگوں نے بے پرواہی اختیار کی تو دو صورتیں پیدا ہوئیں یا تو فوراً ان پر عذاب آیا یا پھر انہیں ایک مدت تک مہلت دے دی گئی۔لیکن جب لوگوں نے معجزہ طلب کیا جس طرح قوم حضرت صالح نے پہاڑ کی چٹان سے اونٹنی ظاہر ہونے کا معجزہ طلب کیا اس طرح حضرت عیسیٰؑ سے

آسمانی غذا کے نزول کا معجزہ طلب کیا تو ان حالات میں جب ان کا مطالبہ پورا ہوا اور لوگوں نے جھٹلایا تو فوراً عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اور انہیں مہلت نہ دی گئی۔(وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ)

(ب) اس سے پہلی آیت میں ہے کہ کفار نے ''لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ'' کے جملہ کے ذریعے رسول اکرمؐ سے فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کیا تھا۔ان کے اس مطالبہ کا یہ آیت جواب دے رہی ہے۔کہ فرشتوں کا نزول برحق ہے لیکن حق یہ ہے کہ فرشتے ان افراد پر نازل ہوتے ہیں جو اہل ہوں۔نااہل افراد پر فرشتوں کا نزول باطل ہے اور اللہ تعالیٰ حق کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتا۔(مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ)

پیام

(۱) فرشتوں کا نزول ہوا و ہوس کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ وہ حق کی بنیاد پر نازل ہوتے ہیں۔(مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ)

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی مہلت کا بھی ایک قانون ہے اگر معجزہ لوگوں کے مطالبے پر صادر ہو اور وہ پھر بھی سرکشی سے کام لیں تو پھر مہلت اور ڈھیل نہیں ملتی(وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ)

آیت نمبر 9

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○

یقیناً ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔

نکات

(۱) اسی سورت کی چھٹی آیت میں ہے کہ کافر لوگ کہتے تھے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے ذکر کا سرچشمہ کیا ہے؟(نُزِّلَ عَلَيْهِ) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ''شک نہ کرو یقیناً ہم ہی ہیں جو اپنے نبی پر ذکر اور قرآن کو نازل کرتے ہیں جس طرح کفار نے آپ کی طرف جنون کی نسبت دی اللہ تعالیٰ نے بھی اُسی تاکیدی انداز کو اپنایا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یقین دھانی فرمائی اور قرآن کے نزول اور اس کی حفاظت کی نسبت اپنی طرف دی۔

(ب) اس مختصر سی آیت کے اندر دس قسم کی تاکید استعمال کی گئی ہے پانچ قسم کی تاکید قرآن کے متعلق ہے وہ ''اِنَّا''، نَا، نَحْنُ، نَزَّلْنَا اور اَلذِّكْرَ'' میں پوشیدہ ہے۔اور دس قسم کی تاکید قرآن کریم کی حفاظت کے بارے میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے ''اِنَّ، نَا، لَه، لَ اور حَافِظُوْنَ'' جو کہ زبان عربی کی ادبی اصطلاحات ہیں جن کو اہل فن خوب جانتے ہیں۔

(ج) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدہ کے مطابق آج تک قرآن میں کوئی تبدیلی یا

تحریف نہیں لائی جاسکی۔اس طرح دوسری آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔مثلاً سورہ فصلت کی آیت نمبر ۴۲ میں ہے۔''لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ'' قرآن کریم میں کسی قسم کا باطل کسی بھی راستے سے اس میں داخل نہیں ہوسکتا جی ہاں! اگر کہیں کوئی ایسی روایت مل بھی جائے جو تحریف قرآن کے حوالے سے ہو تو وہ جعلی ہے چاہیے کہ اسے دیوار پر ماردیں ایک تحریف لفظی ہوتی ہے دوسری تحریف معنیٰ اور عمل کی ہوتی ہے یعنی قرآن کریم کے حقیقی مفسرین اور عالم یعنی اہل بیت رسول اللہؐ کی بتائی ہوئی تفسیر سے ہٹ کر اپنی طرف سے وضع کردہ تفسیر ہوگی۔

حفاظت قرآن کا ایک تو خدائی وعدہ ہے اس کے علاوہ آغاز اسلام سے مسلمان قرآن کریم کو حفظ کرتے چلے آئے ہیں اور اُس کی کتابت اور اُس کی حفاظت کا سامان کرتے چلے آئے ہیں۔بعض اوقات تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگوں نے دلہن کا مہر قرآن کی تعلیم وتدریس بھی مقرر کیا ہے باقاعدہ نماز میں اس کی تلاوت ہوتی چلی آرہی ہے وحی الٰہی کی حفاظت فرد واحد کے ذمہ نہ تھی بلکہ بہت سے کاتبان وحی تھے جو فوراً قرآن کو لکھ لیتے تھے انہیں میں سے حضرت امام علیؑ بھی تھے۔

آئمہ اہل بیت رسول اللہؐ نے بھی لوگوں کو اسی موجودہ قرآن کریم کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے علاوہ ازیں حدیث ثقلین جو پیغمبر اکرمؐ کی مشہور ومعروف حدیث ہے قرآن مجید کی حفاظت اور اس کے سالم ہونے کی ایک اور دلیل ہے کیونکہ ایسا تو نہیں ہوسکتا تھا کہ رسول اللہؐ کی رسالت تو قیامت تک محفوظ رہے اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب تبدیل ہوجائے؟

شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

مصطفیٰ را وعدہ داد الطاف حق — گر بمیری تو نمیرد این نَسق

من کتاب ومعجزات را حافظم — بیش وکم کن را از قرآن را حافظم

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مصطفیٰؐ سے وعدہ فرمایا کہ اگر آپ اس دنیا سے رخصت بھی ہوجائیں تو آپ کی رسالت ختم ہونے والی نہیں۔ میں ہی آپ کی کتاب اور معجزات کا محافظ ہوں۔جو قرآن میں کمی وبیشی کرنا چاہے گا اسے قرآن سے دور کردونگا۔

پیام

(۱) قرآن کریم نہ تو کسی انسان کا کلام ہے اور نہ کسی فرشتے کا (اِنَّا نَحْنُ)

(۲) قرآن ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محفوظ کردیا گیا ہے (لَحٰفِظُوْنَ) کیونکہ اسم فاعل دوام کی علامت ہے۔

(۳) قرآن مجید کی پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی جو اسلام کی حقانیت کے دلائل میں سے ایک ہے وہ قرآن مجید کا تحریف سے محفوظ ہونا ہے۔(وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ)

(۴) قرآن ذکر ہے یہ اللہ کی یاد دلاتا ہے اُس کی نعمات کی یاد دلاتا ہے اس کے ذریعے گزشتہ ادوار کے لوگوں کی یاد حاصل ہوتی ہے قیامت کے تذکروں سے قیامت یاد رہتی ہے (الذِّكْرَ)

(۵) تحقیر وتوہین کا جواب مضبوط ومحکم اور اُسی انداز میں دینا چاہیے، کفار طنز آمیز لہجے میں کہتے تھے (نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ) تو اس کا

جواب (نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ) کے محکم انداز کے ساتھ دینا چاہئے۔

آیت نمبر 10

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِیۡ شِیَعِ الۡاَوَّلِیۡنَ○

اے محمدؐ! ہم تم سے پہلے بہت سی گزشتہ اقوام میں رسول بھیج چکے ہیں۔

آیت نمبر 11

وَمَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ○

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا ہو اور انہوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔

نکات

کلمہ ''شیع'' کے معنیٰ اُمت اور گروہ کے ہیں کہ جن کے درمیان کسی قسم کی وابستگی ہو چاہے وہ تعلق حق وحقیقت کا ہو جیسے ''وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِیۡمَ'' (صافات ۸۳) چاہے وہ تعلق گمراہی وضلالت کا ہو جیسے ''فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا'' (انعام ۱۵۹)

(ب) مذاق واستہزاً کے ذریعے وہ انبیاء علیہم السلام کی عظمت کو کم کرنا چاہتے تھے تاکہ متلاشیان حق ان کے قریب نہ جاسکیں۔ یا اس سے ان کا مقصد یہ تھا وہ انبیاء کی منطقی گفتگو کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے وہ اپنی کمزوری کو اس ذریعے چھپانا چاہتے تھے۔ اور وہ لوگ انبیاء کی جس چیز کو اپنی مذاق کا نشانہ بناتے تھے وہ ان کی اور ان کے پیروکاروں کی مادی محرومیت اور سادہ زندگی تھی۔ یا پھر جب وہ ان کے رائج انحرافی رسوم ورواج پر ضرب لگاتے تو وہ ان کے استہزا کا نشانہ بنتے تھے۔

پیام

(۱) جب دشمن کی طرف سے ہنسی مذاق کا طوفان بدتمیزی زور وشور میں ہو تو اس وقت اپنے افراد کو قوت وتقویت دینا چاہئے۔ (وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ)

(۲) جب انسان تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے اور لوگوں کے مشکلات پر نظر کرتا ہے تو اس پر اس کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ (اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ)

(۳) کوئی بھی نبی کفار کے تمسخر واستہزا سے محفوظ نہیں رہا (وَمَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ) ایک مبلغ کو لوگوں کے مذاق واستہزاء سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے۔

(۴) انبیاء کے ساتھ مذاق واستہزا کفار کا ہمیشہ سے طریقہ چلا آرہا ہے (کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ) جس کے پاس دلیل ومنطق نہیں ہوتی تو پھر وہ استہزاء سے اپنا کام نکالتے ہیں۔

آیت نمبر 12

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾

مجرمین کے دلوں میں اس ذکر کو ہم اس طرح سے گزارتے ہیں۔

آیت نمبر 13

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ○

کہ وہ اس رسول پر ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک قدیم سے ایسے لوگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔

آیت نمبر 14

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○

اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ روشن دن میں اس پر چڑھتے چلے جائیں۔

آیت نمبر 15

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○

تو وہ یہی کہیں گے ہماری آنکھوں سے دھوکہ کیا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

نکات

(الف) گزشتہ آیات میں ہم نے پڑھا ہے کہ کفار نے رسول اکرمؐ سے فرشتوں کے لانے اور انہیں دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا اور اسی سورت کی چودھویں آیت میں پڑھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ ''اگر آسمان کا کوئی دروازہ بھی ان کیلئے کھول دیا جائے اور وہ اس کے ذریعے آسمان پر چڑھ جائیں۔ ملائکہ اور دوسری کئی اشیاء کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ فرشتوں سے ملاقات تو ان کا ایک بہانہ ہے۔ ہٹ دھرم انسان تو آسمان پر چڑھ جانے کا بھی انکار کر دے گا۔ سورہ انعام کی آیت ۷ میں ہے ''اگر ہم کتاب کو کاغذ میں لکھ کر آسمان سے اتار دیں اور وہ اُسے اپنے ہاتھوں سے بھی پکڑ لیں پھر بھی اُسے تسلیم نہیں کریں گے۔ اور کہیں گے یہ تو کھلم کھلا جادو ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

(ب) بعض مفسرین نے ''نَسْلُكُهٗ'' کا معنیٰ کچھ یوں کیا ہے۔ ہم نے کفار کے دلوں میں تکذیب و استہزا کو اس طرح ڈال دیا

ہے کہ اُسے ''ختم اللہ علی قلوبھم'' کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے وہ پتھر دل ہو گئے ہیں۔ اور ہدایت کی اہلیت نہیں رکھتے۔

پیام

(۱) عوام الناس کی ہدایت کے سلسلے میں خدا کا طریقہ یکساں رہا ہے (كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ)

(۲) خداوند تعالیٰ اتمام حجت فرماتا ہے اور حق وحقیقت کو لوگوں کے دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈالتا ہے تا کہ کل وہ یہ نہ کہیں کہ ہم نے کچھ سمجھا نہ تھا۔ (فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ)

(۳) جرم اور گناہ انسان کو حق وحقیقت کی قبولیت سے روک دیتا ہے (قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ... لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ)

(۴) حق کا صرف سمجھ لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایمان لانے کیلئے ارادہ وتواضع اور خشوع وخضوع کی بھی ضرورت ہے۔ (نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ... لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ)

(۵) ضد اور سرکشی معرفت وحقیقت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ سرکشی تو محسوسات کا بھی انکار کر دیتی ہے۔ (وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ..... اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا)

(۶) آسمان کے کئی دروازے ہیں خدا جن کیلئے چاہتا ہے ان کیلئے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا)

(۷) ضد اور سرکشی ایسی بیماری ہے جس کا علاج نہیں وہ ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے۔ نشانیاں دیکھنے کے باوجود کہہ دیا ہماری آنکھوں کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ (اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا) پھر کہا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ)

آیت نمبر 16

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ○

اور یقیناً ہم نے آسمانوں میں نمایاں ستارے بنا دیے اور دیکھنے والوں کیلئے انہیں خوبصورتی عطا کی۔

نکات

(الف) کلمہ ''بُرُوْجًا'' برج کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے (ظاہر ہونا) اور جو عورت اپنی زینت کو ظاہر کرتی ہے تو اس کیلئے ''تَبَرَّجَتِ الْمَرْئَةُ'' کا جملہ بولا جاتا ہے اور اس آیت کریمہ میں آسمانی گُروں یا اس کی منازل کو بُروج سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(ب) آفتاب کے اردگرد زمین گردش کرتی ہے تو اس کی گردش کے لئے ایک فرضی دائرہ تشکیل دیا گیا ہے۔ جسے ''مَنْطِقَةُ الْبُرُوْج'' کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس دائرے کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جس کے ہر حصے سے مربوط کچھ ستارے موجود ہیں اور ان کی شکلوں کی مناسبت سے ان ستاروں کے مجموعوں کے نام کی تعین کی گئی ہے۔ جن کو عربی میں ''حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حُوت کا نام دیا گیا ہے اور فارسی میں ان کا نام ہے ''فروردین، اردی بہشت،

خرداد وغیرہ''

پیام

(۱) فلکی کُرات اور مختلف مداروں میں ان کی حرکات اللہ کی وحدانیت اور اُس کی معرفت کے آثار میں سے ایک ہے۔ (وَلَقَدْ جَعَلْنَا)

(۲) آسمانی مخلوقات بھی حادث ہیں۔ (جَعَلْنَا)

(۳) آفرینش کائنات میں حسن و جمال کو اصل کا درجہ حاصل ہے۔ آسمانوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو مدنظر رکھا ہے۔ (زَيَّنّٰهَا)

(۴) آسمان بھی زمین کی طرح انسانوں کیلئے تخلیق کئے گئے ہیں۔ (لِلنّٰظِرِيْنَ)

آیت نمبر 17

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ○

اور ہم نے انہیں ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا ہے۔

آیت نمبر 18

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ○

ہاں! اگر کوئی چوری چھپے سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شھاب اس کا پیچھا کرتا ہے۔

نکات

(الف) کلمہ ''اِسْتَرَقَ'' سِرْقَتْ سے لیا گیا ہے اور ''استراق سمع'' کا معنیٰ ہے ''کلام کی چوری''

(ب) تفسیر ظلال اور تفسیر مراغی نے اس آیت کی تفسیر میں صرف یہ لکھا ہے کہ ہمیں آیت کی اصل کا حقیقی علم نہیں ہے کہ شیطان کس طرح آسمانی اخبار کو چراتا ہے لیکن علامہ فخر رازی اور علامہ آلوسی نے اپنی تفاسیر میں لکھا ہے'' آسمان سے مراد یہی ظاہری آسمان ہے اور شھاب سے مراد یہی آسمانی پتھر ہیں جو گرتے ہیں اور ان سے شعلے نکلتے ہیں جو نظر آتے ہیں۔ لیکن بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آسمان سے مراد عالم ملکوت ہے کہ جہاں شیطان کی رسائی ناممکن ہے۔

لیکن بات کچھ بھی ہو، یا اس آسمان سے مراد آسمان معنوی ہو کہ ہم نے اس میں درخشان چہرے اور لوگوں کیلئے عظیم الشان علمی نمونے اور رہبر معین کیئے ہیں۔ اور حقائق کو شیطانی وسوسوں سے محفوظ کر دیا ہے اور جب بھی کوئی شیطان صفت کسی قسم کا وسوسہ ڈالنے کی

کوشش کرتا ہے تو ہم استدلال اور منطقی دلائل کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اس کے انحرافات و بدعات اور وسوسوں کو اہل ذکر کے قاطع براہین کے شہاب کے ذریعے مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔

پیام

(۱) ان آراستہ و پیراستہ آسمانوں کو محفوظ رہنا چاہئے ان کی حفاظت صرف اور صرف خالق کائنات ہی کر سکتا ہے۔(وَحَفِظْنٰهَا)

(۲) آسمان اُمور کائنات کی تدابیر کا مرکز ہیں اور فرشتے اس نظام کو چلانے والے ہیں۔ تدبیری مراکز کو ممنوعہ علاقہ ہونا چاہئے۔ (وَحَفِظْنٰهَا)

(۳) شیطان صرف ابلیس ہی نہیں ہے اور بھی ہیں۔ (كُلِّ شَيْطٰنٍ)

(۴) شیطان آسانی سے جانے والا نہیں ہوتا اُسے دُھتکارنا چاہئے (رَّجِيْمٍ)

(۵) قیمتی رازوں کی چوری اور جاسوسی کرنا کار شیطان ہے۔(اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ)

(۶) جاسوس کے خلاف فوری حرکت میں آنا چاہئے (فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ)

(۷) جہاں کہیں شیطان صفت مل جائیں معاشرے کے روشن فکر افراد کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے علمی شہاب کے ذریعے اس کا تعاقب کریں۔(فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ)

(۸) شیطانی وسوسوں اور اس کی شیطنت کا جواب واضح اور فوری دینا چاہئے (فاتبعہ شھاب مبین) سورہ صافات کی آیت ۸ میں آیا ہے (وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ) شیطان کو ہر طرف سے دھتکارنا چاہئے ورنہ کسی دوسرے مقام سے تم پر حملہ آور ہوگا۔

آیت نمبر 19

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ گاڑ دیئے اور اس میں ہر مناسب اور موزوں چیز کو اگایا۔

آیت نمبر 20

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰ [۱۵:۲۰]

اور ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامان زندگی فراہم کیا اور ان مخلوقات کیلئے بھی جن کا رزق تمہارے ذمے نہیں ہے۔

نکات

''القائ'' کسی چیز کے اندر ڈالنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اسی کی مانند ''القای شبہ'' ہے یعنی شکوک وشبہات کا دل میں ڈالنا۔'' کلمہ رَوَاسِی ''رَاسِيَة'' کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے مضبوط اور محکم چیز، ''مَعَايِش'' مَعِيْشَةٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے زندگی کا طریقہ۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ کی نعمات میں سے ایک نعمت زمین کا پھیلا ؤ اور اُس کا ہموار ہونا ہے۔(مَدَدْنٰهَا) اگر زمین ہموار نہ ہوتی تو کھیتی باڑی بھی مشکل سے ہوتی اور دوسرے امور بھی مشکل سے انجام پذیر ہوتے۔

(۲) یہ ارضی پھیلاؤ، پہاڑوں کی تخلیق اور نباتات وموجودات کی موجودگی اتفاقی نہیں۔(مَدَدْنٰهَا، اَلْقَيْنَا، انبتنا)

(۳) یہ تمام تخلیقات ایک میزان وقانون کی اساس پر معرض وجود میں آئی ہیں (مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ)

(۴) زمین میں ہر قسم کے نباتات کی پیدائش کی صلاحیت موجود ہے (كُلِّ شَيْءٍ)

(۵) یہ عظیم الشان وسیع وعریض زمین ہو یا یہ بلند وبالا آسمان۔ یا یہ نباتات وموجودات سبھی انسان کیلئے ہیں۔ (لَكُمْ)

(۶) اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کا رزق اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ان اشیاء کا رزق بھی جنہیں تم روزی دے ہی نہیں سکتے۔ (وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ)

آیت نمبر 21

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○

اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں اور ہم ایک مقررہ مقدار کے علاوہ نازل نہیں کرتے۔

نکات

(ا) قرآن مجید کی بہت آیات میں موجودات عالم کی خلقت میں اندازے اور مقدار کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔ مثلاً

(ا) قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو مقدار کے تحت بنایا ہے۔ (طلاق ۳)

(۲) وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ،اور اُس کے نزدیک ہر چیز اندازہ اور مقدار کے مطابق ہے۔ (رعد ۸)

(۳) وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ، ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر ہر ایک کو اپنے اندازے میں مقدر فرمایا۔ (فرقان ۲)

(ب) سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۲۷ میں ہے ''اگر اللہ اپنے بندوں کا رزق وسیع کر دے تو اس کے بندے سرکشی و بغاوت پر اتر آئیں'' اس لئے جس کیلئے جتنا بہتر سمجھا اتنا ہی عطا فرمایا زیر بحث آیت میں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(ج) کلمہ ''خزائن'' سے مراد شاید وہ اسباب وعوامل اور صلاحیتیں ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ہر موجود کو ودیعت فرمائی ہیں۔

(د) ''اِنَّ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ'' کا جملہ اتنی وسعت رکھتا ہے کہ جس کے اندر تمام کائنات اور موجودات سما سکتے ہیں مثال کے طور پر دیکھنے اور سننے کی طاقت خدا کے پاس ہے لیکن اس الٰہی خزانے میں سے ایک مقرر مقدار ہمیں بھی عطا ہوئی ہے۔ اگر خداوند چاہے کہ ایک چیونٹی کُرہ ارضی کے ایک دُور دراز خطے سے چلے اور ہم کُرہ ارضی کے دوسرے حصے میں ہوں تو اُس کے چلنے کی آواز بھی سن سکتے ہیں۔ موجودہ دور کے سائنسی ماہرین نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ ہر ایک نباتات کے اندر ایک مخصوص وزن پایا جاتا

ہے جب بھی ان میں کوئی عنصر کم ہو جائے یا زیادہ تو اس نباتات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

(ک) ''نزول'' کا تعلق یا تو بلند جگہ سے ہوتا ہے جس طرح بارش کا آسمان سے نازل ہونا، یا کسی بلند عہدے اور منصب سے ہوتا ہے جیسے'' اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ'' ہم نے لوہے کو نازل کیا (سورہ حدید ۲۵) لوہے کے نزول سے مراد لوہے کی تخلیق ہے۔ اس آیت میں نعمات کے حساب اور مقدار کی تعیین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ) اور بھی مختلف آیات و روایات ہیں جن میں کئی ایک عوامل کی طرف اشارے موجود ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) انسانی کوشش بھی رزق کے تعین میں بڑی حد تک موثر ہوتی ہے مثال کے طور پر جب انسان اچھے اخلاق سے متصف ہو یا اعلیٰ تعلیم کا مالک ہو یا اس طرح وسعت قلبی و نیک نیتی ہمدردی کے جذبات اور صالح لوگوں کی دعائیں یہ تمام عوامل ہیں جن کی اساس پر رزق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

پیام

(۱) یہ کائنات ایک عظیم الشان اور بے کران منبع اور سرچشمہ سے مربوط ہے وہ منبع اور سرچشمہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ تو اس کا ایک جزو ہے اور بس اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ (عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ)

(۲) کائنات کی ہر چیز ایک معین مقدار میں پیدا ہوئی ہے۔ (بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ)

(۳) الٰہی خزانے بے انتہا ہیں اس کی رحمت کا نزول تدریجی ہے (نُنَزِّلُهٗٓ) تنزیل کا معنیٰ تدریجی نزول ہے۔

(۴) الٰہی خزانوں کو دوام حاصل ہے کیونکہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ باقی ہے۔ (وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ) جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے (نحل ۹۶) (عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ)

(۵) غیر اللہ سے مانگنے کا تصور بھی نہ کیجئے جو چیز تمہیں چاہئے اُسی سے مانگیئے ہر چیز کے سرچشمے اُسی کے پاس ہیں (عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ)

(۶) الٰہی سنت سے یہ درس ملتا ہے کہ کسی چیز کا اپنے پاس ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ اسے فوراً خرچ کر ڈالنا چاہئے بلکہ خرچ کرنے میں دانش و حکمت اور اس طرح کے دسیوں نکات کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے۔ (وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ)

(۷) کائنات کے منابع اور سرچشموں کو ابھی انسان پوری طرح سے دریافت نہیں کر سکا۔ (عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ)

آیت نمبر 22

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ○

ہم نے باردار کنندہ ہوائیں چلائیں پھر ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اُس سے تمہیں سیراب کیا (بصورت دیگر) تم اُسے جمع نہیں رکھ سکتے تھے۔

نکات

(ا) کلمہ (لَوَاقِحَ) کو (لَقَاحٌ) سے لیا گیا ہے جس کے معنیٰ ہیں ''بارآور کرنا'' یہ عمل مثبت اور منفی بادلوں کے باہمی، ملاپ سے حاصل ہوتا ہے یا پھر یہ لفظ نباتات کے بارآور کرنے کے معنیٰ میں ہے جب نباتات کا بُور ایک دوسرے کے ساتھ ملتا ہے تو یہ عمل وجود میں آتا ہے۔

(ب) سورہ ذاریات کی ۴۱ ویں آیت میں ہے کبھی ہوا بانجھ اور بے فائدہ بھی ہوتی ہے اور کبھی وہ فیوض و برکات کا سرچشمہ ہوتی ہے اس طرح سورہ نور کی آیت نمبر ۴۳ میں ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ '' کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر اسے باہم جوڑ دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے؟ پھر آپ بارش کے قطروں کو دیکھتے ہیں کہ بادل کے درمیان سے نکل رہے ہیں۔

(ج) انسان ایک طولانی عرصے تک پانی کو نہ تو بادلوں میں محفوظ رکھ سکتا ہے اور نہ ہی زمین کے اوپر اس کا ذخیرہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ زمین کے اندر سرایت کر سکتا ہے اور نہ ہی پختہ ڈیموں میں اسے محفوظ بنا سکتا ہے کیونکہ وہ اس طرح بخارات میں بدل سکتا ہے۔

پیام

(ا) نظام ہستی کو چلانے والا خود وہ ہے۔ (وَاَرْسَلْنَا ۔ فَاَنْزَلْنَا ۔۔ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ)

(۲) انسان اپنے لازمہ حیات کی حفاظت کرنے سے بھی عاجز ہے (وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ)

(۳) پانی قدرت کی ایک اہم ترین نعمت ہے لیکن اس سے سیراب ہونا ایک اور اہم ترین نعمت ہے۔ (جب انسان پانی پیتا ہے تو سیراب ہو جاتا ہے تو یہ سیراب ہونا نعمت ہے اگر انسان پانی پیئے اور سیراب نہ ہو سکے تو پھر انسان کی حالت کیا ہو جائے گی۔

آیت نمبر 23

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ○

اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔

آیت نمبر 24

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ [۱۵:۲۴]

اور بتحقیق ہم تم سے اگلے لوگوں کو بھی جانتے ہیں اور بعد آنے والوں کو بھی جانتے ہیں۔

آیت نمبر 25

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○

اور آپ کا رب ہی ان سب کو (ایک مقام پر) جمع کرے گا۔ بے شک وہ بڑا حکمت والا ہے۔

نکات

مفسرین نے ''مستقدمین'' اور ''مستاخرین'' کے کئی مصداق نقل کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) گزشتہ اور باقی رہ جانے والے۔

(۲) میدان جنگ کی طرف سبقت لے جانے والے اور ان کے غیر۔

(۳) اور وہ جو نماز با جماعت کی اگلی صفوں میں حاضر ہوتے ہیں اور جو پچھلی صفوں میں آن موجود ہوتے ہیں تا کہ با جماعت نماز پڑھنے والی عورتوں کو بُری نیت سے دیکھ سکیں۔ اسی مقصد کو یہ آیت بیان کرتی ہے۔ ''ہم ان کو جانتے ہیں'' اور بعض لوگوں کی روحانیت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ جماعت کی اگلی صفوں میں جگہ حاصل کرنے کیلئے اپنے گھروں کو جو مسجد سے دور تھے بیچ دیا تھا اور مسجد کے قریب سکونت حاصل کرنے کیلئے کوشاں تھے۔ آیت فرماتی ہے ہم ان لوگوں کو بھی جانتے ہیں۔

پیام

(۱) زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کوئی ٹھہراؤ نہیں سب کو جانا ہے، لہذا بہتر یہی ہے کہ اپنے عمل سے اپنے حقیقی وارث کیلئے بہترین میراث چھوڑ جائیں۔ (وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ)

(۲) زمانہ علم الٰہی پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ زمانہ علم الٰہی کا محتاج ہے زمانہ ماضی ہو یا حال یا استقبال علم الٰہی ان سب پر حاوی ہے۔ (عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ ... عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ)

(۳) روز حشر کا برپا کرنا اور سزا اور جزا کا دینا کار خداوندی ہے (رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ)

(۴) قیامت کا برپا ہونا حکمت خداوندی کی دلیل ہے (اگر ذرات خاک غذا بنیں اور غذا نطفہ بنے اور نطفہ سے انسان بنے پھر یہی انسان مر کر خاک کے ذرات میں بدل جائے اور کوئی حساب و کتاب نہ ہو تو پھر یہ سارا سرکل فضول ہوگا۔ (اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ)

(۵) قیامت کے دن قدیم و جدید اولین و آخرین سب کو جمع کیا جائیگا۔ (کیثرھم) اللہ تعالیٰ کائنات کے ہر فرد کی نیت و ارادہ سے آگاہ ہے۔ (حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ)

آیت نمبر 26

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○

اور بتحقیق ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے سے تیار شدہ خشک مٹی سے پیدا کیا۔

آیت نمبر 27

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○

اور اس سے پہلے ہم گرم ہوا سے جنوں کو پیدا کر چکے ہیں۔

نکات

(الف) ''صلصال'' اس خشک اور ناپختہ مٹی کو کہتے ہیں کہ جب اس میں پھونک ماری جائے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر المیزان)

''حما'' اس مٹی کو کہا جاتا ہے جس کا رنگ سیاہ ہو ''مسنون'' کا معنیٰ ہے تبدیل شدہ ''سموم'' اس گرم اور تیز ہوا کو کہا جاتا ہے جو انسانی جسم میں زہر کی مانند اثر کرے۔

(ب) یہ آیت کریمہ یا تو سب سے پہلے انسان کی تخلیق کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ ہیں۔ (خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ (ص ۷۶) یا پھر اس کا اشارہ تمام انسانوں کے تخلیقی مراحل کی طرف ہے ان مراحل میں زمینی مواد کو دخل ہے پہلے غذا پھر نطفہ اور آخر میں انسانی صورت۔ سورہ کھف کی آیت نمبر ۳۷ میں انسان کے تخلیقی مراحل بیان ہوئے ہیں۔ انسانی آغاز خاک سے ہوا پھر نطفہ بنا پھر انسانی شکل اختیار کی (اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ○ کیا تو اُس ذات کا منکر ہے جس نے تجھے زمین سے پیدا کیا پھر نطفہ بنایا پھر تجھے سیدھا سادھا انسان بنایا۔

(ج) قرآن مجید کے مطابق ''جن'' ایک ایسی مخلوق ہے جن پر شرعی تکلیف فرض کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا ہے۔ (یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ) یہ مخلوق قرآن کو سنتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں۔ سورہ جن کی پہلی آیت میں ہے (استمع نفر من الجن) جنات کے ایک گروہ نے قرآن کریم کو غور سے سنا۔

۲۔ جنات میں انسانوں کی طرح قوائے شہوانیہ بھی پائے جاتے ہیں قرآن کریم میں آیا ہے کہ بہشتی عورتیں باکرہ ہوں گی ان سے نہ کسی انسان نے جنسی تعلق قائم کیا ہوگا اور نہ جن نے (لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ) (الرحمن ۷۴) اس آیت کے مطابق جنات کو انسانوں سے قبل آگ سے پیدا کیا گیا۔ ابلیس بھی جن تھا۔ (وَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ) کافر جن دوزخ میں جائیں گے ابلیس بھی ان کے ہمراہ دوزخ میں جائے گا۔ (لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ) (ھود ۱۱۹)

آیت نمبر 28

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ○

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا میں سڑے ہوئے گارے سے تیار شدہ خشک مٹی سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔

نکات

(الف) ''بشر'' جلد کے ظاہری حصے کو کہا جاتا ہے تمام جانداروں میں سے صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس کی جلد ظاہر ہے انسان کے علاوہ باقی تمام جانداروں کی جلد بالوں، اُون، پروں اور چھلکوں میں ڈھکی ہوئی ہے۔

پیام

(۱) ملائکہ کو انسان سے قبل تخلیق کیا گیا (اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ نے خلقت انسانی سے قبل اس کے بارے میں ملائکہ سے گفتگو کی (وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ)

(۲) انسانی تخلیق کا سرچشمہ خاک اور مادیات ہے اس لئے اس کا فطری رجحان بھی مادیات کی طرف ہے۔ (خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ)

آیت نمبر 29

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ○

پھر جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑو۔

آیت نمبر 30

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ○

سوائے ابلیس کے کہ اُس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔

آیت نمبر 31

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ○

سوائے ابلیس کے اُس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔

نکات

(الف) انسان کے اندر اللہ کی روح پھونکنے سے مراد اس میں حیات کا ہونا یا سانس لینا نہیں ہے کیونکہ سانس تو حیوانات بھی لیتے ہیں اس روح کے پھونکنے سے مراد انسانی قوت ارادی، ایجادات کی صلاحیت غور و فکر ترقی و تکامل کے عوامل میں، خداوند تعالیٰ کی طرف روح کی نسبت یہ روح کے شرف کے لئے ہے جیسے ''بیت اللہ'' اور شھر اللہ''

(ب) جناب آدم کیلئے ملائکہ کا سجدہ محض تکلف کی بنا پر نہ تھا بلکہ ان کا سجدہ جناب آدمؑ اور ان کی اولاد کیلئے انکساری اور تواضع کا اظہار تھا اس سے یہ مقصود تھا کہ فرشتے بھی انسان کی خدمت کیلئے ہیں۔ (تفسیر المیزان جلد ۱۲ ص ۱۶۵)

پیام

(۱) تخلیق انسانی کامل مکمل اور اعتدال کی تمام صورتوں پر مشتمل ہے۔ (سَوَّيْتُهٗ)

(۲) ملائکہ کا سجدہ خدائی روح پھونکے جانے کی وجہ سے تھا۔ (وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ)

بقول شاعر

تن آدمی شریف اس بہ جان آدمیت نہ ھمین لباس زیبا است نشان آدمیت

انسانی جسم کی عزت و عظمت اس کے روح کی وجہ سے ہے یہ خوبصورت لباس اس کے انسان ہونے کی علامت نہیں ہے۔

(۳) انسان ایک ایسا موجود ہے جو دو بُعدوں پر مشتمل ہے اس کے دونوں، بُعد کامل اور اکمل ہیں ایک اسکا مادی بُعد ہے۔ (سَوَّيْتُهٗ) اور دوسرا اس کا معنوی بُعد ہے۔ (وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ)

(۴) انسان بعض الٰہی صفات کی تجلیات کا مظہر ہے۔ (رُّوْحِيْ)

(۵) معنویت کیلئے جسم اور مادی مرکب کی ضرورت ہے۔ (سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ)

(۶) جو لوگ سجدہ کرنے والوں کی صف میں شرکت نہیں کرتے تو ان کے اندر ابلیسی روح کام کر رہی ہوتی ہے۔ (اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ)

(۷) اگرچہ سجود و رکوع کی اپنی اہمیت و قیمت ہے لیکن اگر دوسرے لوگوں کی ہمراہی میں سجدہ اور رکوع کیا جائے تو یہ عظمت دوبالا ہو جاتی ہے۔ (مَعَ السّٰجِدِيْنَ)

آیت نمبر 32

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ○

اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟

آیت نمبر 33

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ○

کہنے لگا! میں ایسے بشر کو سجدہ کرنے کا نہیں ہوں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے سے تیار شدہ خشک مٹی سے پیدا کیا ہے۔

آیت نمبر 34

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ○

اللہ نے فرمایا: نکل جا اس جگہ سے کیونکہ تو مردود ہو چکا ہے۔

آیت نمبر 35

وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ○

اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہوگی۔

پیام

(۱) عدالت کے وقت اپنے ذاتی علم پر تکیہ نہ کرو بلکہ مجرم پر سوال و جواب کر کے اس سے جرم کا مقصد اور مجرم کی نفسیاتی کیفیت بھی معلوم کرو (يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ)

(۲) اگر کسی کے اندر تکبر و غرور کی کیفیات پیدا ہو جائیں تو ایسے انسان پر ہدایت کے اسباب کارگر نہیں ہو سکتے۔ (ابلیس فرشتوں کے ماحول میں رہ رہا تھا لیکن اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور تکبر کی وجہ سے اس منزل تک جا پہنچا تھا۔ (اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ)

(۳) نسلی برتری ابلیسی سوچ ہے (خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ)

(۴) خدا کے حضور سجدہ نہ کرنے سے بھی بدتر اس کے آگے غرور و تکبر کرنا ہے (لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ)

(۵) گناہ سے بدتر گناہ کی توجیہ ہے (خلقتہ من صلصال) شیطان نے اپنے جرم کی توجیہ پیش کی تھی۔

(۶) جب دماغ میں غرور و تکبر آ جاتا ہے تو اُسے انسانی جسم میں الٰہی رُوح اور نور نظر نہیں آتے جب شیطان نے انسان کے جسد خاکی پر نظر کی تو سجدے سے انکار کر دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اُس الٰہی روح کی وجہ سے تھا جو انسان میں ڈالی گئی تھی۔ (خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ)

(۷) الٰہی احکام کی بنیاد جبر و اکراہ پر نہیں ہے۔ (لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ)

(۸) تکبر سے بڑائی حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہی تکبر ذلت و رسوائی کا سبب بنتا ہے (فَاخْرُجْ) علاوہ ازیں اس کی نابودی اور سابقہ عبادات کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ (فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ)

(۹) الٰہی روشن احکام کے مقابلے میں اجتہادی رائے یا قیاس کی کوئی گنجائش نہیں (فقعوا لہ ساجدین) کے بالمقابل (خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ) کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۰) لمحہ بھر کی نافرمانی اور تکبر عمر بھی کی لعنت کا سبب بن جاتا ہے۔ (اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ)

(۱۱) مغرور و متکبر کے مقدر میں ابدی لعنت لکھ دی جاتی ہے۔ (عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ)

آیت نمبر 36

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○

اُس نے کہا! پروردگار! پھر مجھے لوگوں کے اُٹھائے جانے کے دن (قیامت) تک مہلت دے دے۔

آیت نمبر 37

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○

معین وقت کے یوم تک۔

نکات

(الف) جب شیطان نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ ابدی لعنت کا ہدف بن چکا ہے تو اس نے بارگاہ خداوندی میں درخواست پیش کی تھی کہ اسے اس دن تک مہلت دی جائے لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ کس لئے مہلت دی جائے چونکہ اللہ کا کام مہلت دینا ہے اس لئے اُسے بھی مہلت دے دی۔ لیکن قیامت تک نہیں بلکہ اس دن کیلئے جو الٰہی حکم میں ہے بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ شیطان کو اُس دن تک مہلت ہے جب تک انسان اور تکلیف شرعی کی ادائیگی باقی ہے۔

پیام

(۱) یہ بھی خداوند تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ مجرموں کو بھی مہلت دیتا ہے (فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ)

(۲) جب مجرم بارگاہ خداوندی میں درخواست کرتے ہیں اگر مصلحت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی درخواست قبول کر لیتا ہے جب شیطان نے کہا (فَاَنْظِرْنِيْٓ) تو جواب آیا (فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ)

آیت نمبر 39

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ○

ابلیس نے کہا میرے رب! چونکہ تو نے مجھے بہکایا ہے (لہذا میں بھی زمین میں ان کے لئے (باطل) کو ضرور آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور سب کو ضرور بالضرور بہکاؤں گا۔

آیت نمبر 40

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ○

ان میں سے سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

نکات

(الف) اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا جی ہاں! اگر کوئی خود گمراہی کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور اس کا اسی طرح چھوڑے جانا ایک بہت بڑی سزا ہے چونکہ ابلیس نے تکبر کیا تھا اور اپنے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی ابلیسیت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔ ''اغویتنی'' سے بھی یہی مراد ہے کہ اُس نے کہا اب تم نے مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور اپنے لطف و کرم کے مرکز سے دور کر دیا ہے اب مجھ سے جو بن آئے گا میں وہی کروں گا۔

(ب) ابلیس کو معلوم تھا کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ہونگے (وہ نبوت و امامت پر ایمان رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے کہا تھا (رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ) وہ خداوند تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتا تھا۔ پھر اس کی دعا کہ قیامت تک مہلت دے، سے معلوم ہوتا ہے وہ قیامت کا عقیدہ بھی رکھتا تھا۔ اس بنا پر اس کے تمام اصول و عقائد درست تھے۔ لیکن اس کا جرم اس کا تکبر تھا اور اطاعت کرنے اور سر تسلیم خم کرنے کی صفات نہیں تھیں اس کا حاصل یہ ہے فقط علم اور ایمان ہی کافی نہیں بلکہ عمل اور اطاعت اور عبادت بھی ضروری ہے۔

پیام

(۱) ابلیس اور ابلیس صفت لوگ اپنے عیب کو خدا سے منسوب کر دیتے ہیں۔ (اَغْوَيْتَنِيْ)

(۲) شیطان جب گمراہ کرتا ہے تو برائیوں کو اچھائیوں کا خوبصورت لباس پہنا کر پیش کرتا ہے۔ (لَاُزَيِّنَنَّ)

(۳) مخلصین اور پاکیزہ لوگ شیطانی پھندوں سے محفوظ ہیں (الْمُخْلَصِيْنَ) یہ بھی حقیقت ہے صرف اخلاص ہی کافی نہیں ہے عنایت پروردگار بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مخلص کا معنیٰ ہے خدا کا برگزیدہ بندہ۔

آیت نمبر 41

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ○

اللہ نے فرمایا یہی راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔

آیت نمبر 42

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○

جو میرے بندے ہیں ان پر یقیناً تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔ سوائے ان بہکے ہوئے لوگوں کے جو تیرے پیچھے آئیں۔

نکات

(ا) اس سے پہلے والی آیت میں ابلیس نے کہا تھا میں سوائے مخلصین کے سب لوگوں کو گمراہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''یہ جو تو میرے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکے گا اس میں تیرا کوئی دخل نہیں ہوگا یہ تو میرا اپنا طریقہ ہے میں خود ان کی حفاظت کروں گا تو تو اپنی کاروائی پوری کرے گا اور کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ تیرا ان پر بس نہیں چلے گا۔

(ب) سوال:۔ جب ابلیس مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا تو پھر جناب آدمؑ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس بارے میں کیا کہا جائیگا؟

جواب:۔ ابلیس کو ان میں طمع ہوگا اور ان میں وسوسے بھی ڈالے گا اور کبھی بعض افراد کو ترک اولیٰ پر آمادہ بھی کرے گا لیکن انہیں گمراہ نہیں کر سکے گا جناب آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا اور وہ ترک اولیٰ پر آمادہ ہوئے اس کے علاوہ اُن سے کوئی انحراف نہیں ہوا۔

پیام

(ا) وہ لوگ جو بندگان خدا ہیں اور جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا ہے ان پر شیطان کا بس نہیں چل سکتا۔ (عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ)

(۲) انسان اپنے ہی اختیار کے دائرہ میں رہ کر شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ (اتَّبَعَكَ)

(۳) اگر ہم عبادت اور تقویٰ کے ذریعے خدا کے بندوں کی صف میں داخل ہو جائیں تو پھر شیطانی ہتھکنڈوں سے ہر طرح سے محفوظ ہو جائیں۔ (عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ)

(۴) شیطان کا کام صرف وسوسے ڈالنا ہوتا ہے کسی پر مسلط ہونا نہیں ہوتا (لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ) جب لوگ قیامت کے دن شیطان کو لعنت ملامت کریں گے تو وہ کہے گا: میں نے تو تمہیں گناہ کی دعوت دی تھی گناہ پر مجبور تو نہیں کیا تھا۔

آیت نمبر 43

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ○

ان سب کی وعدہ گاہ دوزخ ہے۔

آیت نمبر 44

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ○

جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کیلئے ان کا حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

نکات

اس آیت میں دوزخ کے سات دروازوں کا ذکر آیا ہے اس سے یہ اشارہ ہے کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے کیونکہ انسان کے جہنمی بننے کے اسباب بہت زیادہ ہیں۔ سورہ لقمان کی آیت ۲۷ میں آیا ہے: اگر تمام درخت قلم بن جائیں اور ساتوں سمندر روشنائی بن جائیں۔ (و البحر یمدہ سبعة البحر) تو پھر بھی کلمات خداوندی کو نہیں لکھ سکتے تو یہ بھی اس امر سے کنایہ ہے کہ اللہ کی مخلوق اتنی زیادہ ہے۔ جو قابل شمار نہیں ہے۔

پیام

(۱) بہشت اور دوزخ کے کئی دروازے ہیں (لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ) نہج البلاغہ میں آیا ہے کہ مجاہدین کیلئے جنت میں ایک خاص دروازہ ہے۔

(۲) بہشت کی طرح دوزخ کے بھی کئی طبقات میں ہر شخص اپنے جرم کے مطابق سزا پائے گا۔ (لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ)

آیت نمبر 45

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ○

بخلاف اس کے متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہونگے۔

آیت نمبر 46

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ○

اور اُن سے کہا جائے گا کہ ان میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

آیت نمبر 47

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ○

اور ان کے دلوں میں جو کینہ ہوگا اُسے ہم نکال دیں گے وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہونگے۔

آیت نمبر 48

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ○

انہیں وہاں نہ کسی مشقت سے واسطہ پڑے گا اور نہ انہیں وہاں سے نکالا جائے گا۔

نکات

(الف) ''غِلٍّ'' کا معنیٰ ہے مخفی طریقے سے کسی چیز کے اندر داخل ہونا چونکہ صفات بد انسان کے اندر مخفی طریقے سے داخل ہو جاتی ہیں اس لئے انہیں ''غِلٍّ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ''سریر'' کا لفظ ''سرور'' سے نکلا ہے۔ پھر اسی سرور سے مسرت کا استفادہ کیا گیا ہے کیونکہ تخت پر تکیہ لگانے سے سرور حاصل ہوتا ہے۔

(ب) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بہشت کی آٹھ جزاؤں کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ آٹھ جزائیں یہ ہیں۔

(۱) باغات

(۲) پانی کے چشمے

(۳) امن وسلامتی

(۴) قلوب سے نفرتوں کا خاتمہ

(۵) اخوت و برادری

(۶) آمنے سامنے تختوں کا بچھا ہونا

(۷) رنج وغم سے دوری اور جاودانی مسرتیں

(ج) اس سے پہلی آیت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے علاوہ دوسرے تمام لوگ شیطانی وسوسوں کی بھینٹ چڑھ سکتے ہیں جبکہ ان آیات میں آیا ہے ''اگر انسان مخلصین کی صف میں شامل نہ ہو سکے لیکن تقویٰ کی منزل تک پہنچ جائے پھر بھی الٰہی نعمات سے مستفید ہو سکتا ہے۔

(د) سب سے اہم ترین بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمات ایک مرکز پر جمع ہوں کیونکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمات تو ہیں لیکن ایک جگہ پر جمع نہیں ہیں کہیں باغات ہیں لیکن وہاں چشمے نہیں ہیں کہیں چشمے ہیں باغات نہیں ہیں کہیں پر دونوں نعمتیں ہیں لیکن امن و سلامتی نہیں ہے۔ کہیں یہ سب ہیں لیکن وہاں صفا اور صمیمیت نہیں ہے لیکن کہیں یہ بھی ہے کہ یہ تمام نعمتیں ایک جگہ جمع ہوں لیکن ان کے ساتھ سختی اور رنج بھی ہو جی ہاں! یہ ساری نعمات بھی ہوں رنج و غم بھی نہ ہو لیکن ایک دن ان سب کو چھوڑ کر رخصت ہو جانا ہے لیکن عالم آخرت وہ گھر ہے کہ جس میں تمام نعمات ہوں گی مادی بھی ہوں گی معنوی بھی ہونگی اجتماعی بھی ہونگی معاشرتی بھی ہونگی اور وہ بھی جاودانی اور ابدی۔

پیام

(۱) دھمکی آمیز آیات کے ساتھ بشارت دینے والی آیات کا تذکرہ ایک تربیتی ضرورت ہے۔ (لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ ... اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ)

(۲) اس چند روزہ زندگی میں گناہوں سے دوری ابدی کامیابی کی ضمانت ہے۔ (اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ ... وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ)

(۳) بہشتی نعمات متعدد بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں (فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ)

(۴) بہشتی نعمات بے نقص و بے عیب ہیں جہاں باغات ہیں وہاں چشمے بھی ہیں جہاں سلامتی ہے وہاں امن بھی ہے جہاں اخوت و برادری ہے وہاں پیار و محبت بھی ہے۔ جہاں راحت و چین ہے وہاں ابدیت بھی ہے۔ (لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ)

(۵) بہشتی نعمات جامع الصفات ہیں جہاں مادی ہیں جیسے باغات اور چشمے وہاں روحانی بھی ہیں جیسے امن و امان اور صحت و سلامتی وہاں اجتماعی بھی ہیں۔ جیسے اخوت و برادری ان سب سے ارفع و اعلیٰ ایک اور نعمت ہے وہ ہے اللہ کی رضا اور اُس کی طرف سے تہنیت و تبریک کی عظیم نعمت (اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ)

(۶) جہاں کینہ توزی ہے وہاں اخوت و برادری کہاں اگر اخوت و برادری کو فروغ دینا ہے وہاں کینہ کو ختم کرنا پڑے گا۔ (وَنَزَعْنَا ... اِخْوَانًا)

(۷) ایک دوسرے پر غیض و غضب ناراضی و ناراحتی ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنا ہر مقام پر ایک فریق کا حق پر ہونا دوسرے کے باطل پر ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔ (اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ ... وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ)

کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے دو آدمی بہشتی ہوتے ہیں ان کا ہدف بھی مقدس ہوتا ہے باوجود اس کے ان کے درمیان نقطہ نظر کا اختلاف ہوتا ہے وہ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو باطل خیال کرتے ہیں اس لئے بروز قیامت ارادہ الٰہی سے اہل جنت کی تمام کدورتیں ختم ہو جائینگی۔

(۸) کدورتوں کو زائل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے نصرت مانگنی چاہئے (وَنَزَعْنَا) اور یہ دعا مانگنی چاہئے (ربنا لا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین امنوا)

(۹) صفات بد طوق و زنجیر کی طرح انسان کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ (مِّنْ غِلٍّ)

(۱۰) اہل بہشت اپنے مراتب کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہونگے لیکن حفظ مراتب کے نظام کے تحت وہ کسی قسم کے مسائل کا شکار نہیں ہونگے۔ (وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ)

آیت نمبر 49

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○

اے رسول! میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت درگزر کرنے والا ہوں اور رحیم ہوں۔

آیت نمبر 50

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ العجلۃ

مگر اس کے ساتھ میرا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے۔

نکات

(۱) قرآن مجید نے ان آیات میں لوگوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) مخلصین (انبیاء واولیاء) ان افراد پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہے۔

(۲) متقین یہ اہل بہشت سے ہیں۔

(۳) وہ گناہ گار جنہوں نے توبہ کر لی تھی اور پیغمبرؐ نے جن کی مغفرت کی خبر دے دی تھی۔

(۴) وہ سرکش گناہ گار جن کو دردناک عذاب کی خبر دے دی گئی۔

پیام

(۱) رحمت الٰہی ایک بزرگ ترین اور بہترین پیغام خداوندی ہے۔ (نَبِّئْ) ''نباء'' اس خبر کو کہا جاتا ہے جو اہم ترین خبر ہو۔

(۲) گناہ گار لوگ بھی بندگان خدا ہیں۔ (عِبَادِيْ)

(۳) اللہ کے لطف وکرم کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ (اَنِّيْٓ اَنَا)

(۴) اُس کا لطف وکرم اور اُس کی بخشش اس کے عفو ودرگزر کے ساتھ ہے وہ ذات نہ صرف معاف کرتی ہے بلکہ لطف وکرم بھی کرتی ہے۔ (الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)

(۵) اللہ تعالیٰ کا لطف اور اُس کی بخشش نہایت عمیق بھی ہے اور مسلسل بھی ہے۔ (اَلْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ) کیونکہ غفور اور رحیم عمیق اور تکرار کی علامت ہیں۔

(۶) لطف و رحمت الٰہی اس کے غضب پر مقدم ہے (اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ... وَاَنَّ عَذَابِیْ)

(۷) ہمیں رحمت خداوندی پر مغرور نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کا دردناک عذاب بھی ہے۔ (اَلْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ... هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ)

آیت نمبر 51

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ○

جب وہ (ابراھیم) کے پاس آئے اور کہا سلام ہو تم پر تو اُس نے کہا ہمیں تم سے خوف لگتا ہے۔

آیت نمبر 52

اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ○

جب وہ ابراہیم کے ہاں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا سلام! ابراہیم نے کہا ہم تم سے خوف زدہ ہیں

آیت نمبر 53

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ○

کہنے لگے ''ڈرو نہیں'' ہم تمہیں ایک دانا لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

آیت نمبر 54

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ○

کہا: کیا تم مجھے اس وقت پہ بشارت دیتے ہو کہ جب بڑھاپے نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ کس بات کی خوشخبری دیتے ہو؟

آیت نمبر 55

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ○

انہوں نے جواب دیا ''ہم تمہیں سچی بشارت دے رہے ہیں تم مایوس نہ ہو''

آیت نمبر 56

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ○

ابراھیمؑ نے کہا: اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

نکات

(الف) حضرت ابراھیمؑ کے مہمانوں کی داستان میں ایک طرف خدا کی رحمت کا نمونہ ہے تو دوسری طرف اس کے غضب کا نمونہ بھی ہے آپ کے پاس مہمان فرشتے آئے تھے انہوں نے ایک طرف آپ کو بیٹے کے ہونے کی خوشخبری دی تو دوسری طرف قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دی۔

(ب) کلمہ ''ضیف'' ایک مہمان پر بھی بولا جاتا ہے اور بہت سے مہمانوں پر بھی بولا جاتا ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ کو ایک دفعہ ان کی کنیز ہاجرہ سے بیٹا عطا فرمایا جن کا نام اسماعیل تھا اور اس دفعہ یہ خوشخبری ان کی زوجہ جناب سارہ کیلئے تھی کہ ان سے بیٹا پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے بارے میں فرمایا (بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ) اور حضرت اسحاق کے بارے میں فرمایا (بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ) (۱) صافات ۱۰۱)

پیام

(۱) تاریخ کے تلخ وشیریں واقعات سے درس عبرت حاصل کرنا چاہئے (وَنَبِّئْهُمْ) بہترین تاریخ انبیاء کی زندگی ہے اور بہترین تاریخ بیان کرنے والے بھی انبیاء علیھم السلام ہیں۔

(۲) بعض اوقات فرشتے اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکم سے انسانی صورت اختیار کر کے انسان کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں (ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ)

(۳) سلام کرنا آداب الٰہی میں سے ہے یہ طریقہ گزشتہ ادوار میں موجود تھا (فَقَالُوْا سَلٰمًا)

(۴) انبیاء علیھم السلام کا علم اور شناخت محدود ہوتی ہے اور ان کی یہ صفات اذن الٰہی سے مشروط ہوتی ہیں۔ (اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ) حضرت ابراھیم نے ابتداء میں نہیں پہچانا تھا کہ وہ کون ہیں اس لئے آپ پریشان ہو گئے تھے۔

(۵) تلخ خبر کو شیرین خبر کے ساتھ بیان کرنا چاہئے (بَشَّرْنٰكَ) حضرت امام باقرؑ نے فرمایا: حضرت ابراھیمؑ کو فرزند کی خوشخبری قوم لوط کی ہلاکت کی تلخ خبر کی تلافی کیلئے تھی۔ (تفسیر صاف)

(۶) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر تعجب توحید پرستی کے منافی نہیں ہے (فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ) یہاں حضرت ابراھیمؑ کے تعجب کو بیان کیا گیا ہے جبکہ سورہ ھود کی آیت ۷۲ میں ان کی زوجہ حضرت سارہ کے تعجب کا بیان ہے (ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا) کیا

میرے ہاں بچہ ہوگا جبکہ میں بڑھیا ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہے؟

(۷) کسی حادثے یا واقعہ کے وقوع سے قبل خبردار کرنا چاہئے (فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ)

(۸) انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و تربیت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ (فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ)

(۹) الٰہی انتباہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں ہے (فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ)

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہی کا صدور ہر مقام پر خلاف ورزی کی انجام دہی کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ بعض اوقات حفظ ماتقدم کی خاطر بھی نہی صادر ہوتی ہے (فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ)

(۱۱) یاس و ناامیدی کا علاج اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت کے ذکر سے کرنا چاہئے۔ (رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ)

(۱۲) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے علم و قدرت پر اطمینان رکھتے ہیں وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ (وَمَنْ يَّقْنَطُ ... اِلَّا الضَّآلُّوْنَ) (ضالین گمراہوں کا ٹولہ جس کے بارے میں نماز میں اعلان برأت کیا جاتا ہے۔ اس کے مصادیق میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو الٰہی رحمت سے مایوس ہوئے۔

آیت نمبر 57

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ○

پھر فرمایا: اے فرستادگان الٰہی تمہارا اصل کام کیا ہے (جس کی وجہ سے آپ تشریف لائے ہیں)

آیت نمبر 58

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ○

وہ بولے: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

پیام

(۱) فرشتے اپنی ماموریت کی انجام دہی سے پہلے الٰہی رہبروں کو اپنی ماموریت پر مطلع کرتے ہیں۔ (اِنَّآ اُرْسِلْنَآ)

(۲) ملائکہ کا کام حکم خداوندی کی تعمیل کرنا ہوتا ہے جس طرح وہ مومنین کیلئے دعا اور استغفار کرتے ہیں (وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) (غافر ۷) وہ صاحبان ایمان کیلئے استغفار کرتے ہیں اور اسی طرح مجرمین کیلئے خدائی عذاب کے حامل بھی ہوتے ہیں۔ (اُرْسِلْنَآ)

(۳) مراتب کی ہمیشہ حفاظت کرنی چاہئے اگرچہ فرشتے حضرت لوط کی قوم کی تباہی کیلئے آئے تھے لیکن فرشتے حضرت ابراھیمؑ کے پاس آئے اور انہیں اطلاع دی پھر وہ حضرت لوطؑ کے پاس گئے کیونکہ وہ حضرت ابراھیم کی ولایت کے تابع تھے۔ (اِنَّآ اُرْسِلْنَآ)

(۴) مجرموں کو صرف آخرت میں عذاب نہیں ہوگا (اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ) اس دنیا میں بھی انہیں عذاب ملتا ہے۔

(۵) اگر گناہ عام ہو جائے اور توبہ کی گنجائش بھی باقی نہ رہے تو خدا کا عذاب یقینی ہو جاتا ہے۔ (اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمٍ)
(۶) تلخیاں اور شیر بینیاں لازم ملزوم ہیں پہلے بیٹے کی بشارت ملی پھر قوم لوط کی ہلاکت کی خبر ملی۔

آیت نمبر 59

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ

مگر آل لوط ان سب کو ہم ضرور بچالیں گے۔

آیت نمبر 60

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝٦٠

سوائے اس کی بیوی کے بارے میں ہم نے یہ طے کیا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔

آیت نمبر 61

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۙ

جب یہ فرستادے آل لوط کے ہاں پہنچے۔

آیت نمبر 62

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۙ

تو اُس نے کہا آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔

نکات

(ا) ''غابرین'' کا واحد ''غابر'' ہے اس کا معنیٰ ہے پیچھے رہ جانے والا اور باقی بچ جانے والا اس لئے بچ جانے والی مٹی کو غبار کہا جاتا ہے۔

(ب) حضرت ابراھیمؑ اور حضرت لوطؑ کی جب فرشتوں سے پہلی ملاقات ہوئی تو ان کو پہچان نہ سکے اس لئے حضرت ابراھیمؑ نے فرمایا (اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ) اور جناب لوطؑ نے فرمایا (اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ) یہ فرشتے جب حضرت لوطؑ کے پاس آئے تھے تو وہ نوجوانوں کی صورت میں اور بھرپور حسن و جمال کے ساتھ مہمان بن کر آئے تھے تو حضرت لوطؑ معاشرتی فساد کی وجہ سے پریشان

ہو گئے تھے۔

پیام

(۱) انبیاء کے حقیقی پیروکار دنیاوی عذاب سے بھی محفوظ ہوتے ہیں۔(اٰلَ لُوْطٍ)

(۲) حضرت لوط کی زوجہ کا ان کے ساتھ اختلاف انسانی خودمختاری کی بہترین دلیل ہے کہ انسان محکوم و مجبور نہیں ہے۔(اِلَّا امْرَاَتَهٗ)

(۳) کسی کی معاشی کفالت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ کفیل کی فکر اور ثقافت سے بھی وابستہ ہو۔(اِلَّا امْرَاَتَهٗ) جناب لوط کی زوجہ کھانا تو ان کے ہاں کھاتی تھی لیکن اُن سے نظریاتی اختلاف رکھتی تھی۔

(۴) انبیاء کے مکتب میں اصل ضابطہ ہے نہ کہ رابطہ یہی وجہ ہے نبی کی بیوی عذاب الہیٰ میں گرفتار ہوگئی۔ پیغمبر سے مربوط تو تھی لیکن پیغمبر کے اصول وضوابط سے باہر تھی۔(اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ) خاندانی روابط الہیٰ اہداف کی راہ میں مانع نہیں ہو سکتے ۔

(۵) معاشرے میں قبولیت کا مدار گھریلو قبولیت پر نہیں ہے۔ حضرت لوط کی بیوی ان کی مخالف تھی لیکن دوسرے لوگوں نے انہیں نبی تسلیم کر لیا تھا۔(اِلَّا امْرَاَتَهٗ)

(۶) یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام انبیاء کی ازدواجی زندگی کامیاب رہی ہو۔(اِلَّا امْرَاَتَهٗ)

(۷) مردان خدا کا حساب وکتاب ان کے نااہل طرفداروں سے علیحدہ ہوتا ہے۔(الا امراته)

(۸) الہی عذاب بھی باقاعدہ جچا تلا اور حساب وکتاب کے عین مطابق ہوتا ہے۔(قَدَّرْنَآ)

(۹) جب خدا کا مقرر کردہ طریقہ مفسدین کی تباہی کیلئے آتا ہے تو وہ کسی کو نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ اپنا ہے یا بیگانہ ہے، عورت ہے کہ مرد ہے، نامور ہے یا گمنام ہے۔(اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ)

(۱۰) انبیاء کو اپنی طرف سے علم غیب حاصل نہیں ہوتا انہیں اللہ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت لوط نے فرشتوں کو نہیں پہچانا تھا۔(قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ)

آیت نمبر 63

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ○

انہوں نے جواب دیا: ہم آپ کے پاس وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔

آیت نمبر 64

وَاٰتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ○

ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ ہم حق کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں۔

آیت نمبر 65

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ○

لہذا تم اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لیکر یہاں سے چلے جاؤ اور تم خود ان کے پیچھے پیچھے چلو تم میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے اور جدھر جانے کا حکم دیا گیا ہے اُدھر چلے جاؤ۔

آیت نمبر 66

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ○

اور ہم نے اُسے اپنا فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

نکات

(ا) قرآن کریم نے اس بات کو متعدد مرتبہ دھرایا ہے کے کفار ہمیشہ انبیاء سے تقاضا کرتے رہے کہ تم جس قہر وغضب اور عذاب کی بات کرتے ہو تو پھر اپنے خدا سے کہو کہ وہ انہیں معذب کردے۔ (وائتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین) (اعراف ۷۰) اور وہ اللہ کی تمام تنبیہوں کو مذاق خیال کرتے تھے اور خدا کے دنیوی اور اخروی عذاب کو جھٹلاتے تھے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس عذاب کے بارے میں تمہیں شک ہے وہ یقیناً آکر رہے گا۔

(ب) ''قطع''، ''قطعۃ'' کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے رات کا گزرا ہوا کافی حصہ۔

پیام

(ا) الٰہی انتباہوں اور دھمکیوں کو مذاق نہ سمجھو۔ (جِئْنٰكَ)

(۲) الٰہی سزائیں عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔ (بِالْحَقِّ)

(۳) کفار کی غفلت سے اہل ایمان کی نجات کیلئے فائدہ اٹھایئے۔ (فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ)

(۴) جب جنگ کا زمانہ ہو یا ہجرت کا رہبر کو چاہئے کہ وہ کمزور ترین فرد یا افراد کے ہم قدم ہو کر سفر کرے تا کہ کوئی مومن رہ نہ جائے اور کوئی دشمن اور کافر داخل نہ ہونے پائے۔ (وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ)

(۵) سفر پورے یقین اور بھرپور عزم وارادہ کے ساتھ ہونا چاہئے اور ہدف سامنے رہے۔ (وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ)
(۶) انبیاء کا سفر اور ان کی حرکت اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان اور اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ (تُؤْمَرُوْنَ)
(۷) اہم ترین واقعات میں اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم لحہ بہ لحہ نصرف کرتا رہتا ہے۔ (ہجرت ہجرت ہے چاہے جس زمانے میں ہو۔ (بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ) یا ہمراہی جو بھی ہوں (بِاَهْلِكَ) یا انداز جیسا بھی ہو (وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ) اور منزل جو بھی (حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ)
(۸) اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو کفار کی ہلاکت کی اطلاع انہیں پہلے دے دیتا ہے۔ (وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ)
(۹) اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جب چاہے تو ایک ہی لمحے میں کسی قوم یا گروہ کو صفحہ ارضی سے مٹا سکتا ہے۔ (دَابِرَ)

آیت نمبر 67

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ○

اتنے میں شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے لوط کے گھر چڑھ آئے۔

آیت نمبر 68

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ○

لوط نے کہا یہ میرے مہمان ہیں لہذا مجھے رُسوا نہ کرو۔

آیت نمبر 69

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ○

اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بدنام نہ کرو۔

آیت نمبر 70

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ○

وہ بولے: کیا ہم نے تمہیں متعدد مرتبہ ساری دنیا کے لوگوں کی پذیرائی سے نہیں روکا تھا؟

نکات

(الف) روایات میں آیا ہے کہ حضرت لوط کی زوجہ نے ان بدکار لوگوں کو یہ اطلاع پہنچائی کہ حضرت لوط کے پاس خوبصورت مہمان آئے ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے سنا تو وہ بھاگے بھاگے آئے اور حضرت لوط کے گھر پر حملہ کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کسی قسم کے اقدام سے پہلے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ (تفسیر مراغی)

پیام

(۱) نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے وقت پیار بھرے لہجے کے ساتھ بات کرنا چاہئے۔ (ضیغی)

(۲) آبرو کی بہت بڑی قیمت ہے۔ (فَلَا تَفْضَحُوْنِ... وَلَا تُخْزُوْنِ)

(۳) مہمان کی توہین میزبان کی توہین ہے۔ (فَلَا تَفْضَحُوْنِ)

(۴) فاسد اور تباہ حال معاشرے میں مجرم لوگ بھی دھمکیوں پر اتر آتے ہیں۔ (اَوَلَمْ نَنْهَكَ)

(۵) بگڑے ہوئے معاشرے میں اللہ والوں کو اپنے مال و متاع میں تصرف سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (اَوَلَمْ نَنْهَكَ)

آیت نمبر 71

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○

لوط نے کہا اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔

نکات

(۱) سوال: کیا حضرت لوط اپنی بیٹیاں کفار کے عقد میں دے سکتے تھے۔ کیونکہ آپ نے اُنہیں اس طرح کی پیشکش کی تھی؟

جواب: ممکن ہے کہ ان کی یہ پیشکش ان لوگوں کے ایمان لانے سے مشروط ہو یا پھر یہ کہ اُس زمانے میں کفار کے ساتھ ازدواج کی ممانعت نہ تھی۔ واللہ اعلم۔

پیام

(۱) گناہوں سے باز رکھنے کیلئے سب سے پہلے قانونی اور حلال راہوں کی راہنمائی کی جائے۔ (هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ)

(۲) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا آغاز اپنے نفس سے کرنا چاہئے۔ (بَنٰتِيْٓ)

(۳) انبیاء کا مشن یہ بھی نہ تھا کہ لذتوں کو حرام قرار دیں اور غریزہ جنسی کے آگے بند باندھ دیں بلکہ ان کا کام لوگوں کو صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرنا تھا۔ (هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ)

آیت نمبر 72

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○

اے رسول تیری جان کی قسم! اُس وقت ان پر ایک نشہ سا چڑھا ہوا تھا۔

آیت نمبر 73

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ○

پھر سورج نکلتے وقت انہیں ایک زبردست دھماکے نے آلیا۔

آیت نمبر 74

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ○

پھر ہم نے اُس بستی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا اور ان پر کنکروں کی قسم کے پتھر برسائے۔

نکات

(ا) لفظ ''عَمْر'' اور عَمْر دونوں ایک ہی معنیٰ کیلئے استعمال ہوتے ہیں لیکن قسم اُٹھانے کیلئے لفظ ''عَمْر'' سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ (تفسیر المیزان)

(ب) قرآن کریم میں سوائے پیغمبر اکرمؐ کے کسی اور نبی کی جان کی قسم نہیں کھائی گئی۔ (البتہ مراغی نے لکھا ہے اس آیت میں یہ ملائکہ کی قسم ہے انہوں نے حضرت لوط کی جان کی قسم کھائی۔)

(ج) ''يَعْمَهُوْنَ'' کا لفظ ''عَمَه'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے ''حیرانی و سرگردانی'' لفظ ''مُشْرِقِيْنَ'' کا معنیٰ ہے ''وقت اشراق'' میں داخل ہونا یا صبح کی روشنی میں داخل ہونا۔

(د) شاید پتھروں کی بارش ان لوگوں پر ہوئی جو زمین کے زیر و زبر ہونے کے وقت بچ گئے تھے یا پھر اُس سے مراد شہر کی مکمل تباہی ہے۔

پیام

(ا) پیغمبر کے نام کی قسم جایز ہے۔ (لَعَمْرُكَ)

(۲) گناہ و انحراف انسانی عقل و حواس کو معطل کر دیتے ہیں (سَكْرَتِهِمْ) اور اُسے ہر قسم کی پہچان سے روک دیتی ہے۔ (يَعْمَهُوْنَ)

(۳) دنیا کی مستی میں مست لوگوں کو آسمانی چنگھاڑیں ہی بیدار کر سکتی ہیں۔ (سَكْرَتِهِمْ ... الصَّيْحَةُ)

(۴) کسی شہر کی تباہی و بربادی کیلئے صرف ایک آسمانی چیخ و چنگھاڑ ہی کافی ہے۔ (فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ ... فَجَعَلْنَا)

(۵) اللہ کی قدرت کاملہ کا ہاتھ ہر وقت کھلا ہے وہ چاہے تو آسمان سے باران رحمت کو نازل کرے چاہے تو وہ عذاب کیلئے پتھروں کی بارش برسا دے۔ (وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً)

(۶) لواطت کے گناہ کی سزا تین طرح کی تھی، آسمانی چیخ، شہر کا زیر و زبر ہونا اور پتھروں کی بارش۔

آیت نمبر 75

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ○

اس واقعہ میں صاحبان فراست کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔

آیت نمبر 76

وَ اِنَّہَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ ○

اور یہ بستی جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا عام گزرگاہ پر واقع ہے۔

آیت نمبر 77

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○

اور اس میں اہل ایمان کیلئے نشانی ہے۔

نکات

(ا) لفظ ''مُتوسم'' ''وَسم'' سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے اثر کرنا۔ متوسم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو معمولی علامت و نشان سے حقائق تک رسائی حاصل کرلے یعنی ایسا انسان جو صاحب فراست اور ہوشیار ہو۔ روایات میں آیا ہے۔ ''متوسمین'' سے مراد رسول اکرمؐ اور ان کے اہل بیت اطہارؑ ہیں (تفسیر نور الثقلین)

(ب) ایک شخص حضرت امام صادقؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی مولا! ایک سوال ہے۔ آپؑ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کروگے کہ میں تمہیں بتادوں کہ تو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ اُس شخص نے بڑے تعجب سے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ اس وقت میرے ذہن میں کیا ہے اور وہ کونسی چیز ہے جس کے ذریعے آپ جان سکتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: توسم کے ذریعے میں جان سکتا ہوں کہ تیرے ذہن میں کیا سوال ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر نور الثقلین)

(ج) ممکن ہے ''وَ اِنَّہَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ'' کا معنیٰ یہ ہو کہ خداوند تعالیٰ کا قہر و غضب صرف قوم لوط ہی کیلئے نہ تھا بلکہ یہ تاریخی مجرمین کیلئے ایک مستقل اور دائمی سزا ہے۔ (تفسیر اطیب البیان)

پیام

(ا) تاریخی واقعات میں صاحب فہم و فراست مومنین کیلئے متعدد نشانیاں ہیں اور عام مومنین کیلئے صرف ایک نشانی ہے (آیاتٌ ....

آیَۃٌ)

(۲) آثار قدیمہ اور اقوام گزشتہ کی یادگاروں میں آنے والی نسلوں کیلئے درس عبرت ہیں۔(وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ)

آیت نمبر 78

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ○

اور ایکہ والے بڑے ظالم تھے۔

آیت نمبر 79

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ○

تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور یہ دونوں بستیاں ایک کھلے راستے پر واقع ہیں۔

نکات

(ا) لفظ ''اَیکہ'' کا معنیٰ ہے'' آپس میں گتھے ہوئے درختوں کے جھنڈ'' ''اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ'' سے مراد حضرت شعیبؑ کی قوم ہے جو حجاز اور شام کے درمیان ایک رُوح پرور مقام پر رہتے تھے یہ علاقہ سرسبز اور گھنے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

(ب) رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: اَصْحٰبُ مَدْيَنَ اور اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ دو قومیں تھیں ان کی طرف حضرت شعیبؑ کو بھیجا گیا تھا ان دونوں قوموں نے کفر اختیار کیا اور غضب خداوندی سے دوچار ہو کر نیست و نابود ہو گئیں۔ ان میں ایک ''یوم الظلہ'' کے عذاب سے اور دوسری ''صَيْحَة'' کے عذاب سے (تفسیر فرقان، تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۱۰۳)

(ج) جب ہم خدا سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتے تو پھر اُس کی طرف سے ہمیں جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں وہ اسکا ہم پر انعام ہوتا ہے لیکن جہاں اُس کے عذاب کی بات ہے تو ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتا ہے اس لئے اس مقام پر لفظ انتقام استعمال ہوا ہے۔

پیام

(ا) ظالم اور ستم پیشہ افراد کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے مظالم کی خونچکاں داستانیں آنے والی نسلوں کیلئے بیان ہوں گی۔ (وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ)

(۲) شاہراہیں اور سڑکیں بناتے وقت ہمیں یہ خیال رکھنا چاہئے۔ کہ تاریخی واقعات کے حامل مقامات گزرنے والوں کی نگاہوں کے سامنے رہیں۔ (لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ)

آیت نمبر 80

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ○

اور بتحقیق اہل حجر نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔

آیت نمبر 81

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ○

اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں مگر وہ سب کچھ نظر انداز کرتے رہے۔

آیت نمبر 82

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ○

اور وہ پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے تھے اور وہ اپنی جگہ بے خوف و مطمئن تھے۔

آیت نمبر 83

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ○

آخر کار صبح کے وقت ایک دھماکے نے انہیں آلیا۔

آیت نمبر 84

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○

اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔

نکات

(الف) ''حِجر'' ایک شہر کا نام ہے جس میں قوم ثمود آباد تھی عام طور پر جائے سکونت کو بھی ''حجر'' کہا جاتا ہے۔ ''حجر'' کا اصلی معنیٰ ''ماں کی گود'' ہے ''حِجر'' اسماعیل اور حُجرہ اسی ''حِجر'' سے نکلے ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان) اس سورت کا نام اسی مناسبت سے حجر ہے۔

(ب) لفظ ''مرسلین'' سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قوم ثمود کیلئے حضرت صالح کے علاوہ اور بھی بہت سے پیغمبر آئے تھے لیکن بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ایک پیغمبر کی تکذیب درحقیقت تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے اس لئے قوم ثمود کے حالات میں لفظ

مرسلین استعمال ہوا ہے۔

(ج) ''صیحه'' سے مراد ''صاعقه'' ہے یعنی جلانے والی، اس کی دلیل سورہ فصلت کی آیت ۱۳ ہے وہ یہ ہے ''انذرتکم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود'' میں نے تمہیں ایسی بجلی سے ڈرایا ہے جیسی بجلی قوم عاد و ثمود پر آئی تھی۔

پیام

(۱) تمام انبیاء کرام صاحب اعجاز و معجزہ تھے۔(وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا)

(۲) ضدی مزاج لوگوں کے پاس سوچنے کی مہلت ہی نہیں ہوتی۔ (اٰيٰتِنَا ... فَكَانُوْا ...)

(۳) حق و حقیقت سے اعراض اور مردان حق سے روگردانی ایک گروہ کی عادت بن چکی ہے۔(فَكَانُوْا)

(۴) پتھروں سے بنے ہوئے مضبوط و محکم گھروں پر مغرور نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ارادہ الٰہی کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا .. فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ)

آیت نمبر 85

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ○

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان تمام موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے اور قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ لہذا اے رسول تم (ان لوگوں کی بے ہودگیوں) سے باوقار انداز کے ساتھ درگزر کرو۔

آیت نمبر 86

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○

یقیناً آپ کا رب سب کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

نکات

کلمہ (صفح) ''صفحه'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے چہرہ ''فَاصْفَحِ الصَّفْحَ'' کے معنیٰ ہیں آپ ان سے اعراض تو کریں مگر ناراض ہو کر نہیں بلکہ عفو و درگزر کے ساتھ اس طرح حضرت امام رضاؑ نے ''صفح جمیل'' کی تفسیر ''مواخذہ سے درگزر کرنے'' سے کی ہے۔ (تفسیر نمونہ)

پیام

(۱) تخلیق کائنات کا ایک مقصد ہے اور وہ مقصد ''حق'' ہے۔(وَمَا خَلَقْنَا ۔۔ اِلَّا بِالْحَقِّ)

(۲) تخلیق کا ایک ہدف ہے اور وہ ہدف روز قیامت ہے(وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ)

(۳) اگر آپ کفار کو سیدھا نہیں کر سکتے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں قیامت آنے والی ہے۔(وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ)

(۴) مسائل اخلاقی ہوں یا عفو و درگزر کی صورت ہو ان سب کا مبدأ و بنیاد قیامت پر ایمان ہونا چاہئے (خَلَقْنَا ۔۔۔ بِالْحَقِّ ۔۔۔۔ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ)

(۵) قیامت برحق ہے اور ہر ایک کو حساب و کتاب کے مراحل سے گزرنا ہے لہذا ان کفار کے مختلف حیلوں بہانوں اور معاندانہ روشوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں اُن سے درگزر کرتے رہیے (وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ)

(۶) جو قادر مطلق عفو و درگزر کا حکم دے رہا ہے وہ مربی بھی ہے، خلاّق بھی ہے اور علیم بھی ہے(اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ) وہ خوب جانتا ہے کہ عفو و درگزر کا فرد پر اور معاشرے پر کیا اثر ہوتا ہے اور لوگوں کو اپنی طرف جذب کرنے اور ان کی رہبری کرنے کیلئے کس قدر مؤثر ہے لہذا میرا عفو و بخشش والا فرمان تم پر بھاری نہیں ہونا چاہئے۔

آیت نمبر 87

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○

اور بتحقیق ہم نے آپ کو سات ایسی آیات دے رکھی ہیں جو بار بار دُھرائی جانے کے لائق ہیں۔اور عظیم قرآن عطا کیا ہے۔

نکات

(الف) شیعہ اور سنی روایات میں آیا ہے۔''سَبْعِ مَثَانِيْ'' سے مراد سورہ حمد ہے کیونکہ یہ نماز میں دو بار پڑھی جاتی ہے اور یہ سورہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے''میں نے سورہ حمد کو اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔اس کا نصف میرے بارے میں ہے اور اس کا نصف کا تعلق میرے بندوں کے ساتھ ہے۔یعنی'' بسم اللہ ۔۔۔ '' سے لیکر مالك يوم الدين'' تک اللہ سے متعلق ہے اور'' ايّاك نعبد'' سے لے کر آخر سورہ تک جس میں عبودیت کا اظہار، خدا سے نصرت طلبی اور دُعا کے مضامین ہیں یہ سب بندگان خدا سے متعلق ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے۔''مثانی'' سے مراد خود قرآن مجید ہے۔''سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ'' کے معنیٰ ہیں قرآن مجید کی سات آیات جو کہ سورہ حمد ہی ہے اور اس کی دلیل کیلئے یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔''اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ'' اللہ تعالیٰ نے خوبصورت گفتگو کو نازل فرمایا ایسی کتاب کہ جس کی آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی اور مکرر ہیں۔(سورہ زمر ۲۳)

(ب) رسول اکرمؐ نے فرمایا ''من اعطاہُ اللہ القرآن فرای ان رجالا اُعطی افضل مما اعطی فقد صغر عظیماً و عظم صغیراً'' جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا ہے۔ اگر وہ یہ خیال کرے کہ دوسرے لوگوں کو اُس سے بہتر چیز دی گئی ہے تو اُس نے قرآن عظیم کو چھوٹا اور غیر قرآن کو کہ جس کی قرآن کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، کو بڑا سمجھا ہے۔ (تفسیر کنز الدقائق)

پیام

(۱) قانون سازی اُس کا حق ہے جو پیدا کرنے والا ہے۔ تشریع کو تکوین کی بنیاد پر مرتب ہونا چاہئے۔ (خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... اٰتَیْنٰکَ ... وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ)

(۲) تربیتی مسائل میں تکرار ایک بنیادی اُصول ہے قرآن مجید میں مسائل کا تکرار کثرت کے ساتھ ہے جیسے آیات کے نزول کا تکرار کلمات کا تکرار، داستانوں کا تکرار، صفات الٰہی کا تکرار، قیامت اور اُس کے عذاب کی آیات کا تکرار، اُمتوں کے سرانجام کا تکرار، الطاف الٰہی کا تکرار، قوانین کا تکرار، تلاوت قرآن کا تکرار۔

(۳) سورہ ''حمد'' پورے قرآن کے ہم پلہ ہے اگرچہ وہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ (سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ)

آیت نمبر 88

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ○

(اے رسول) آپ اس متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ ان کے حال پر رنجیدہ خاطر ہوں اور آپ مومنوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں۔

نکات

(الف) نہی، ہر مقام پر کسی فعل کے ارتکاب پر وارد نہیں ہوتی بعض اوقات تنبیہ اور حفظ ماتقدم کیلئے بھی ہوتی ہے۔ رسول اکرمؐ کی کفار کے مال و دولت کی طرف ہرگز ہرگز رغبت نہیں تھی لہذا اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہی کا صدور بطور انتباہ ہے کہ خبردار اہل ایمان کو کفار کی دنیا دولت کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے۔

(ب) رسول اکرمؐ کا فرمان ہے: جو شخص دوسروں کے مال و دولت پر نظریں ڈالے گا اس کے رنج و غم میں اضافہ ہوگا اور اس کی پریشانی کا کوئی علاج نہیں۔ (تفسیر صافی)

(ج) رسول اکرمؐ اور اہل ایمان کو قرآن کریم کے تاکیدی احکام میں سے ایک تاکیدی حکم یہ بھی ہے کہ وہ دوسرے مومنین کے ساتھ نرمی، مہربانی اور صبر کا مظاہرہ کریں (وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ) ان لوگوں کے ساتھ صبر کا سلوک کرو جو ہمیشہ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں (کہف ۲۸) ایک دوسری آیت میں فرمایا ''اَذِلَّةٍ عَلَی

الْمُؤْمِنِيْنَ ' وہ مومنین کے ساتھ فروتنی کرتے ہیں۔ (مائدہ ۵۴) ایک اور مقام پر پیغام ربانی ہے ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ '' وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہربان ہیں۔ (فتح ۲۹)

(د) لفظ ''اَزْوَاج'' عورت و مرد دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے ممکن ہے یہاں لوگوں کی اقسام اور کفار مراد ہوں (تفسیر المیزان)

پیام

(۱) دوسرے لوگوں کو ملنے والی نعمات کے مقابلے میں اپنی توانائیوں اور عطا شدہ نعمات کو ہی اپنی کائنات سمجھو۔ آپ کے پاس اللہ کا قرآن ہے۔ (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا) لہذا کفار کے دھن دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو (لَا تَمُدَّنَّ ...)

(۲) دنیوی نعمات کی طرف نظر تک بھی نہ کرو (لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ) کیونکہ یہ دنیا بہت قلیل ہے (قَلِيْل) بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ (عرض) اور اُس غنچہ کی مانند ہے جو کسی کیلئے کبھی بھی مکمل طور پر نہیں کھلا (زهرة الحيواة الدنيا)

(۳) ایک نگاہ ہی تعلقات کے قیام اور دل کی وابستگی کا سبب بن جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے۔ نگاہ نہ کرو کہیں دل اسیر نہ ہو جائے۔ (لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ) گناہ اور خطا کے راستے کو بند ہی کر دینا چاہئے۔

فارسی کا شعر ہے۔

ز دست دیدہ و دل ہر دو فریاد که ہر چہ دیدہ بیند دل کند یاد

آنکھ اور دل دونوں حشر سامانیاں رکھتے ہیں جس کو آنکھ نے دیکھ لیا دل نے اُسے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر لیا۔

(۴) وہی شخص ہی لوگوں کو معنویت کی منزل دکھا سکتا ہے جو مادیات سے بہت دور ہو (لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ) خود آیت پیغمبرؐ سے مخاطب ہے۔

(۵) دنیا کے پیچھے دوڑنے والا کبھی اُسے نہیں پا سکتا۔ (اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ)

(۶) جو قابل ہدایت نہیں ان کیلئے غم و ہم کیسا؟ (وَلَا تَحْزَنْ)

(۷) دنیا اور دنیا داروں کے سامنے سر خم ہرگز نہ کریں۔ (لَا تَمُدَّنَّ) لیکن اہل ایمان کے سامنے ہمیشہ تواضع و انکساری (وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ)

(۸) ایک رہبر اور مُربی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی و عاطفت سے پیش آئے۔ (وَاخْفِضْ)

آیت نمبر 89

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ○

اور کہہ دیجئے میں تو صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔

پیام

(۱) جس طرح اہل ایمان اور دوستوں کے ساتھ نرمی اور عاطفت ضروری ہے (واخفض جناحک للمومنین) اُسی طرح ان کے مخالفین کے ساتھ سختی بھی ضروری ہے۔(وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ)

(۲) بعض اوقات بلاواسطہ تنبیہ بھی ضروری ہوتی ہے۔(اِنِّیْٓ اَنَا)

(۳) کفر کے مقابلے میں دھمکی ضروری ہوتی ہے۔(اَنَا النَّذِیْرُ)

(۴) انتباہ واضح ہو اور اپنے تمام اوصاف کے ساتھ متصف ہو۔(النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ)

آیت نمبر 90

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ○

یہ اُسی طرح کی تنبیہ ہے جیسی ہم نے ان تفرقہ پردازوں کی طرف بھیجی تھی۔

آیت نمبر 91

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ○

جنہوں نے اپنے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا۔

نکات

تفاسیر میں ''مُقْتَسِمِیْنَ'' کے تین معانی بیان کئے ہیں۔

(۱) کفار کے وڈیرے ایام حج کے دوران اپنے افراد کو مکہ معظّمہ کے مختلف راستوں پر مقرر کر دیتے تھے تا کہ مکہ آنے والے مسافروں سے کہیں کہ ایک شخص کہ جس کا نام ''محمدؐ'' ہے اُس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔اس کی باتوں کو نہ سننا۔اور اُس کا تعارف بطور ایک کاہن، ساحر اور مجنون کے کرانا۔

(۲) کچھ لوگوں نے قرآن کریم کو اپنے درمیان تقسیم کر دیا تھا تا کہ ہر گروہ قرآن جیسی کتاب بنا کر لائے۔

(۳) وہ لوگ جو قرآن مجید کے کچھ حصے پر عمل کرتے اور کچھ حصے کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔

(ب) ''عِضِیْنَ'' کا لفظ یا تو ''عِضَۃٌ'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے شرارت یا جھگڑا یا پھر اسے ''عُضْو'' سے لیا گیا ہے جس کے معنیٰ ہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

پیام

(۱) تاریخ سے درس عبرت حاصل کرنا چاہئے (كَمَآ اَنْزَلْنَا)

(۲) لغزشوں اور خطاؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا دیرینہ طریقہ اپنی جگہ پر قائم ودائم ہے۔(كَمَآ اَنْزَلْنَا)

(۳) جو لوگ آسمانی کتابوں کو تقسیم کر دیتے ہیں ان کی سزا غضب خداوندی ہے (الْمُقْتَسِمِيْنَ)
(۴) نااہلوں کے ذریعے کتب آسمانی کا تجزیہ و تحریف کوئی نئی بات نہیں (الْمُقْتَسِمِيْنَ)
(۵) مومن کی شان یہ ہے کہ وہ تمام قرآن کو قبول کرے اور یہ بھی اعلان کرے ''كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا'' جو کچھ بھی نازل ہوا ہے وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ (آل عمران ۷)

آیت نمبر 92

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○

پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے۔

آیت نمبر 93

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

ان اعمال کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔

پیام

(۱) کفار کو اس دنیا میں ملنے والا عذاب ان کے اُخروی عذاب کو نہیں ٹال سکتا۔ (اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ... فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ)
(۲) تربیت کے لوازم میں سے ہے سوال بھی کیا جائے اور جھڑکا بھی جائے۔ (فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ)
(۳) یہ بھی بیداری کے عوامل میں سے ہے کہ جب یہ ذہن میں ہو کہ قیامت کے دن سوال بھی ہوگا حساب کتاب کی جانچ پڑتال بھی ہوگی (اَجْمَعِيْنَ) ہر کام کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ (عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)
(۴) انبیاء کا کام صرف بیدار کرنا اور متنبہ کرنا ہے حساب لینا خدا کا کام ہے۔ (اَنَا النَّذِيْرُ ... لَنَسْئَلَنَّهُمْ)

آیت نمبر 94

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○

آپ کو جس چیز کا حکم ملا ہے اس کا واشگاف الفاظ میں اعلان کریں اور مشرکین کی پرواہ نہ کریں۔

آیت نمبر 95

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ○

ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کیلئے کافی ہیں۔

آیت نمبر 96

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ○

جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا لیتے ہیں عنقریب انہیں اپنے (انجام کا) علم ہو جائیگا۔

نکات

(ا) ''صدع'' کا معنیٰ ہے شگافتہ کرنا اور ظاہر کرنا۔

(ب) پیغمبر اکرمؐ نے ابتدائی تین سالوں میں لوگوں میں خفیہ تبلیغی تحریک چلائی۔ جب آپ پر یہ آیت ''فاصدع بما تؤمر'' نازل ہوئی تو آپ نے اپنی دعوت اعلانیہ شروع کر دی۔ اور آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: اگر تم لوگ میری اس دعوت کو قبول کرو گے تو دنیا و آخرت کی حکومت اور عزت تمہارے ہاتھوں میں ہوگی۔

لیکن ان لوگوں نے آپ کی اس دعوت کا مذاق اڑایا اور وہ لوگ آپ کے چچا حضرت ابوطالبؑ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ شکایت کی کہ محمد ہمارے جوانوں کو دھوکے میں ڈال رہا ہے اگر اُسے مال و زر جادہ و مقام یا بیوی کی ضرورت ہو تو ہم اس کے تمام مطالبات ماننے کو تیار ہیں یہ سن کر رسول اکرمؐ نے اپنے چچا بزرگوار سے فرمایا تھا: چچا جان! میری باتیں الٰہی پیغام ہیں اور میں اپنی اس دعوت سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔''

کافروں نے حضرت ابوطالبؑ کے حضور عرض کیا کہ ''محمدؐ کو ان کے حوالے کر دیں'' لیکن حضرت ابوطالبؑ نے ان کے مطالبے کو مسترد کر دیا تھا۔ (تفسیر کنز الدقائق)

پیام

(ا) تبلیغ کے مختلف مراحل ہیں کبھی کھلم کھلا کی جاتی ہے اور کبھی چھپ کر کی جاتی ہے۔ تو ایسے مواقع پر تقیہ سے کام لیا جاتا ہے۔ (فَاصْدَعْ)

(۲) مبلغ کو مخالفین کی مخالفت سے نہیں گھبرانا چاہئے (وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ)

(۳) جب کسی کو ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپی جائے تو پھر اس کی نصرت اور حفاظت بھی کرنا چاہئے۔ (فَاصْدَعْ... اِنَّا كَفَيْنٰكَ)

(۴) الٰہی نصرت قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔

(۵) اے رسول! اگر یہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں تو اس سے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان لوگوں نے خدا کی حرمت وعظمت کا خیال بھی نہیں رکھا (یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ)

(۶) وہ لوگ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں انہیں بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ (؟؟؟؟ یعلمون)

آیت نمبر 97

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ○

اور بتحقیق ہمیں علم ہے جو باتیں یہ لوگ آپ پر بناتے ہیں ان سے آپ کے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

آیت نمبر 98

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○

اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

آیت نمبر 99

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○

اور اپنے رب کی عبادت کریں اُس آخری گھڑی تک جس کا آنا یقینی ہے۔

نکات

(الف) مفسرین کہتے ہیں کہ ان آیات میں ''یقین'' سے مراد 'موت' ہے جو انسان کے نزدیک ایک یقینی امر ہے۔ جس طرح کہ سورہ مدثر کی آیت ۴۶ میں آیا ہے۔ ''وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ'' ہم مرتے دم تک قیامت کو جھٹلاتے رہے۔ اگرچہ یقین کا معنیٰ موت نہیں لیکن یقین کے حاصل کرنے کا مقدمہ ضرور ہے۔ کیونکہ جب موت آتی ہے تو تمام حجابات ہٹ جاتے ہیں اور انسان کو یقین کی صورت حاصل ہو جاتی ہے۔

(ب) بعض ایسے گمراہ کن لوگ بھی ہیں جو'' وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ '' والی آیت کو ایک دستاویز قرار دے کر کہتے ہیں کہ جب یقین کے مرحلے پر پہنچ جاؤ تو پھر عبادت کی کوئی ضرورت نہیں لیکن وہ لوگ اس امر سے غافل ہیں کہ اس آیت کے مخاطب رسول اکرمؐ ہیں اور وہ پہلے دن سے ہی یقین کے مرحلے پر پہنچ چکے تھے۔ جب انہیں کفار دھمکیاں دیتے تو آپؐ فرماتے

تھے:

اگر تم لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج بھی رکھ دو پھر بھی میں اپنے فریضہ کی بجا آوری کو نہیں چھوڑوں گا۔

ان تمام حالات کے باوجود بھی آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی عبادت خداوندی میں مصروف رہے۔

پیام

(۱) اگر ہم اس منزل پر پہنچ جائیں کہ ہم اپنے خدا کے سامنے ہیں اور وہ ہماری تکالیف کو دیکھ رہا ہے تو ہمارے تمام مشکلات آناً فاناً دور ہو جائیں۔ (نَعْلَمُ)

(۲) تمام افراد حتیٰ کہ تمام انبیاء کی ظرفیت محدود ہے۔ (يَضِيقُ صَدْرُكَ)

(۳) بعض اوقات ہٹ دھرمی وسیع الظرف لوگوں کو بھی تنگ دل کر دیتی ہے۔ (يَضِيقُ صَدْرُكَ) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے (أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ)

(۴) پیغمبر اکرمؐ کا سینہ مبارک لوگوں کی باتوں سے تنگ نہیں ہوا لیکن لوگوں کی باتوں نے آپ کا دل تنگ کر دیا تھا۔ (يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ)

(۵) روحانی اور نفسیانی دباؤ کا علاج سجدہ، تسبیح اور حمد پروردگار ہے۔ (يَضِيقُ ... فَسَبِّحْ) ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرمؐ غمگین ہوتے تھے تو نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (تفسیر نمونہ)

(۶) عبادت سے زیادہ اہم ترین مسئلہ اس کا پابندی کے ساتھ بجالانا ہے۔ (وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ)

(۷) جب انسان بندگی حق کرتا ہو تو اس کی پابندی اس سے بھی زیادہ لازم ہے یہی چیز منزل یقین تک پہنچا دیتی ہے۔ (وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾)

سورۃ نحل

سورہ: 16

جزء: 14

آیات: 128

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ○

اللہ کا امر آ گیا پس تم اس میں جلدی نہ کرو وہ ارفع و اعلیٰ ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

آیت نمبر 2

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ○

وہ اُس روح کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے ملائکہ کے ذریعے اپنے حکم سے نازل کر دیتا ہے اس حکم کے ساتھ کہ انہیں تنبیہ کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہذا تم مجھ سے ڈرو۔

نکات

(الف) اگرچہ آیت کا نزول کفار کے عذاب کے بارے میں ہے جس میں جلد بازی سے منع کی گئی ہے لیکن ''اتی امر اللہ'' کا جملہ صرف عذاب الٰہی کے امر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے اور تمام فرامین الٰہی کو شامل ہے۔ مثلاً امر جہاد ہے، امر ظہور امامؑ ہے، امر قیام قیامت ہے۔ ان سب میں جلد بازی سے منع کی گئی ہے۔

(ب) ''روح'' اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس کا نام قرآن مجید میں ایک جداگانہ انداز میں ملائکہ کے ذکر کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً ''يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا'' اس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہونگے۔ (نبا ۳۸) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ ، ملائکہ اور روح اس کی طرف اوپر چڑھتے ہیں۔ (معارج ۴) تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ، ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں (قدر)

زیر بحث آیت میں حرف واؤ کی بجائے دو کلموں کے درمیان حرف ''با'' استعمال ہوا ہے۔ (ینزل الملائکۃ والروح) شاید یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت میں روح سے مراد وہ فرشتہ نہ ہو بلکہ روح کا لغوی معنیٰ ''حیات معنوی'' ہو تو اس صورت میں آیت کا معنیٰ و مفہوم یہ ہوگا ''اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو اسباب زندگی کے ہمراہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتار دیتا ہے جس طرح کی یہ آیت کریمہ ہے۔ (وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا) اس طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے۔ (شوریٰ ۵۲) اس آیت کریمہ میں جس روح کا ذکر ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے جو معنوی زندگی کا سرمایہ ہے۔ (اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ) اس نے تمہیں پکارا ہے تاکہ تمہیں زندہ کر دے۔ (انفال ۲۴)

پیام

(۱) فرامین خداوندی قطعی ہیں اور اُس کے عذاب کا نزول حتمی ہے (اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ) کلمہ ''اتیٰ'' فعل ماضی ہے گویا کہ عذاب آچکا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے (اتی امر اللہ) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۹ اور سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا (حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ) یہانتک کہ خدا کا امر ''عذاب'' آجائے اور اس آیت میں فرمارہا ہے (اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ) خدا کا امر (عذاب) آچکا ہے۔

(۳) کارِ خداوندی میں جلد بازی سے کام نہ لو اس کے سارے اُمور حکمت کے تحت ہوتے ہیں اور اپنے وقت پر انجام پذیر ہوتے ہیں۔(فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ)

(۴) نزول فرشتہ وحی، مضامین وحی اور جس پر وحی نازل ہوتی ہے یہ سب کے سب الٰہی ارادہ کے مدار کے اندر ہوتے ہیں۔(مِنْ اَمْرِهٖ)

(۵) امر رسالت انتصابی ہے، اکتسابی نہیں یعنی یہ منصب خداوندی ہے، کوشش سے ملنے والا نہیں (مَنْ يَّشَآءُ) خداوند تعالیٰ حکیم ہے۔ وہ بغیر کسی وجہ کے کسی کو مقام نبوت عطا نہیں کرتا (اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے؟ (انعام ۱۲۴)

(۶) وحی کے حصول کی پہلی شرط انبیاء علیہم السلام کے اندر موجود بندگی اور عُبودیت کی رُوح ہوتی ہے۔(مِنْ عِبَادِهٖٓ)

(۷) لوگوں کا انتباہ انبیاء علیہم السلام کے اولین فرائض میں سے ہے (اَنْذِرُوْٓا)

(۸) تمام عقائد کی بنیاد توحید ہے اور عمل صالح کی بنیاد تقویٰ ہے۔(لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۲۸)

(۹) خوف خدا اور تقویٰ زیر سایہ توحید حقیقت کا روپ دھارتا ہے۔(لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۲۸)

آیت نمبر 3

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جو شرک یہ لوگ کرتے ہیں اُس سے وہ ارفع و اعلیٰ ہے۔

آیت نمبر 4

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

اس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا پھر وہ اچانک ایک جھگڑالو بن گیا۔

نکات

(۱) اس سورت کی چوتھی آیت کا مضمون سورہ یٰسین کی ۷۷ ویں آیت کے مُشابہ ہے جس میں کہا گیا ہے (اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ) ہم نے اُسے ایک نطفے سے پیدا کیا لیکن وہ اس قدر مغرور ہو گیا ہے کہ ہمارے مقابلے میں دشمنی پر اُتر آیا ہے اور ہمارے لئے یہ مثال بیان کرنے لگا کہ گلی سڑی ہڈیاں کیسے دوبارہ زندہ ہونگی گویا اُس نے اپنی خِلقت کو بُھلا دیا ہے۔

پیام

(۱) آسمانوں اور زمین کی تخلیق بے مقصد نہیں بلکہ حق و حقیقت پر استوار ہے (خَلَقَ ... بِالْحَقِّ)

(۲) وہ کونسا بُت ہے اور کونسا معبود ہے جو تخلیق خداوندی میں شرکت رکھتا ہے؟ (تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ)
(۳) شرک کے خلاف جنگ مسلسل اور مستقل ہونا چاہئے (تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ) کا جملہ پہلی اور تیسری آیت میں دھرایا گیا ہے۔
(۴) انسان اپنے غرور و تکبر میں اس حد تک جا پہنچتا ہے کہ وہ اپنے خالق کے سامنے لڑائی جھگڑے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ (خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ)

آیت نمبر 5

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○

اور اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لئے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی اور فوائد بھی ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔

آیت نمبر 6

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○

اور ان میں تمہارے لئے جمال ہے جبکہ صبح تم انہیں چرنے کیلئے بھیجتے ہو اور جبکہ شام انہیں واپس لاتے ہو۔

نکات

(ا) ''تَسْرَحُوْنَ'' کا لفظ ''سرح'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے ''جانوروں کو چراگاہ کی طرف بھیجنا''
لفظ ''تُرِیْحُوْنَ'' ''رَوح'' سے نکلا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے جانوروں کا اپنے باڑوں کی طرف لوٹنے کا وقت،
(ب) حیوانات میں انسان کیلئے بہت سے منافع ہیں ان کا دودھ اور گوشت خوراک کیلئے ان کی کھال چمڑا اور اُون جوتوں اور لباس کیلئے ان کی پشت سواری کیلئے، ان کے پاؤں کا شتکاری کیلئے حتیٰ کہ ان کا فضلہ بھی قیمتی ہے جو بطور کھاد کے استعمال ہوتا ہے ان تمام برکات کے مقابلے میں ان کی طرف سے انسان جتنی مشقت اُٹھاتا ہے وہ نہایت ہی معمولی ہے۔
(ج) روایات میں آیا ہے کہ کھیتی باڑی کے بعد جانوروں کا پالنا بہترین کاروبار ہے لیکن شرط یہ ہے کہ زکواۃ کی ادائیگی اور طبقہ محرومین پر نظر بھی رہے۔

پیام

(ا) چوپائے بھی دوسری مخلوقات کی طرح انسان کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ (وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ)
(۲) جب انسان نعمات خداوندی میں غور و فکر کرتا ہے تو اس میں اپنے خالق کے لئے محبت اور بندگی کی روح بیدار ہوتی ہے۔ (وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ)
(۳) سبزی ترکاری کھانا کوئی بڑی بات نہیں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کا گوشت کھانے کو بھی ان کے فوائد میں سے ایک فائدہ شمار کیا

ہے۔(وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ)

(۴) معاشرتی حسن یہ ہے کہ وہ مستقل ہو خود کفیل ہو اور جانوروں کی تولید اور افزائش میں پیش پیش ہو۔(لَكُمْ فِيْهَا ... جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ)

(۵) حسن و جمال فطرت اور معاشرہ کی اہم ترین ضرورت ہے(وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ)

(۶) معاشرتی حسن و جمال سعی و کوشش میں ہے نا کہ جمود و آرام طلبی میں ہے اور وہ بھی اجتماعی کوششوں سے نا کہ انفرادی کوشش سے۔ (فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ)

(۷) حقیقی حسن اس امر میں ہے کہ لوگوں کی خدمت کی جائے نا کہ صرف اپنا طواف کیا جائے۔حسن و جمال بھی ایک صاحب عقل چرواہے کے زیر نظر ہوتا ہے نا کہ جانوروں کو آوارہ چھوڑ دینے میں۔(فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ)

آیت نمبر 7

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور وہ تمہارے بوجھ اُٹھا کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تمہارا رب یقیناً بڑا شفیق، مہربان ہے۔

پیام

(۱) چوپائے نہ صرف انسان کو بلکہ اس کے ساز و سامان کو بھی اٹھاتے ہیں۔(وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ)

(۲) اگرچہ چوپائے انسان سے بہت زیادہ طاقتور ہیں لیکن قدرت الٰہی کی وجہ سے انسان کے تابع فرمان ہیں۔(وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ)

(۳) چوپائے انسانی زندگی کیلئے سرمایہ آرام و راحت ہیں۔(اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ) اس نعمت کی عزت و عظمت جاننے کیلئے اگر ہم یہ فرض کریں اگر یہ چوپائے نہ ہوتے تو پھر انسان کا کیا حال ہوتا؟

(۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ نعمات اپنے لطف و رحمت کی بنا پر عطا کی ہیں نہ کہ وہ ہمارا مقروض تھا اور ہم نے اُس سے قرض لینا تھا۔ (اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ)

آیت نمبر 8

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○

اُس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہارے لئے زینت بنیں اور وہ بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کیلئے) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔

نکات

(ا) کلمہ ''خَیْل'' کا معنیٰ ہے تکبر، لیکن آیت میں مذکور اس خیل سے مراد گھوڑا ہے گویا گھوڑے کی سواری میں ایک قسم کی بڑائی اور تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔

(ب) ''بِغَال'' کا معنیٰ خچر ہے جو گدھے اور گھوڑے کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ''حَمِیْر'' حمار کی جمع ہے جس کا معنیٰ گدھا ہے۔

پیام

(ا) سامان اور مسافروں کی بار برداری و نقل و حمل انسان کی بنیادی ضرورت رہی ہے اور اسی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے چوپاؤں کو پیدا فرمایا۔ (وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا)

(۲) سواری پر سوار ہونا جہاں آرام و سکون کا باعث ہے وہاں ایک قسم کا حسن و جمال بھی ہے۔ (لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ)

(۳) زیب و زینت انسان کی ایک فطری ضرورت ہے ۔

(۴) پہلے مرحلہ میں سواری کو بطور سواری استعمال کیا جائے اور دوسرے مرحلہ میں اس کو اپنی زینت سمجھا جائے (لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ) برعکس ان لوگوں کو جو سواری کو صرف زینت اور دکھاوے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی وہ واقعی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۵) میدان آفرینش میں اللہ تعالیٰ خود ہی مختار کل ہے۔ (وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)

(۶) دور جدید کے ذرائع ٹرانسپورٹ خواہ وہ موٹر گاڑیاں ہوں یا ہوائی و بحری جہاز درحقیقت تخلیق خداوندی ہیں نہ کہ انسانی تخلیق (وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)

آیت نمبر 9

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ○

اور اللہ ہی کیلئے ہے سیدھا راستہ بنانا بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کرتا۔

نکات

(ا) جن اُمور کو اللہ نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے ان میں سے ایک انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی ہے جیسا کہ اُس کا فرمان ہے (اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى) راستہ دکھانا یقیناً ہماری ذمہ داری ہے (اللیل ۱۲) اور زیر بحث آیت میں فرمایا ہے۔ (عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ

السَّبِیۡلِ)

(ب) ''قصد'' کا معنیٰ ہے اعتدال اور میانہ روی اور ''قَصۡدُ السَّبِیۡلِ'' کا مطلب ہے ''سیدھا راستہ'' جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا ''وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ'' چلنے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ (لقمان ۱۹)

پیام

(۱) مادی نعمات کے ساتھ ساتھ (جن کا گزشتہ آیات میں ذکر ہوا ہے) معنوی نعمتوں کی طرف توجہ مرکوز رکھنی چاہئے جن میں سب سے اہم ترین نعمت ہدایت و رہبری ہے۔ (وَعَلَی اللّٰہِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ)

(۲) اللہ تعالیٰ تو صرف راہ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے انحرافی راستوں کا انتخاب انسان خود کرتا ہے۔ (وَعَلَی اللّٰہِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ وَمِنۡہَا جَآئِرٌ ؕ)

(۳) اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ لوگ زبردستی ایمان لائیں۔ بعض لوگوں کا انحراف یا ان کی گمراہی الٰہی ارادے پر غلبے کا نتیجہ نہیں ہے اور یہ بھی نہیں کہ اللہ انہیں ہدایت دینے سے عاجز آ گیا ہے۔ (وَلَوۡ شَآءَ لَہَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ)

آیت نمبر 10

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمۡ مِّنۡہُ شَرَابٌ وَّمِنۡہُ شَجَرٌ فِیۡہِ تُسِیۡمُوۡنَ ○

وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کیلئے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔

نکات

(۱) ''تُسِیۡمُوۡنَ'' کا لفظ ''سَامَۃ'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے ''جانوروں کو چراگاہ میں چرانا'' اور لفظ ''شجر'' زبان عربی میں ہر قسم کے نباتات پر بولا جاتا ہے خواہ وہ درخت ہوں یا پودے جیسا کہ سورہ صافات کی آیت ۱۴۶ میں ''کدو'' کیلئے لفظ شجر استعمال ہوا ہے ''شجرۃ من یقطین'' حالانکہ کدو کا درخت نہیں ہوتا بلکہ بیل ہوتی ہے۔

پیام

(۱) بارش کا برسنا اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ ارادہ خداوندی کے تابع ہوتا ہے۔ (هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ)

(۲) باران رحمت کا نزول انسانی فائدے کیلئے ہوتا ہے (لَّکُمۡ)

(۳) پانی ایک ہے اس سے انسان بھی فائدہ اٹھاتے ہیں حیوانات بھی اور نباتات بھی۔ (مِّنۡہُ شَرَابٌ وَّمِنۡہُ شَجَرٌ)

آیت نمبر 11

يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ○

وہ اس پانی کے ذریعے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور مختلف قسم کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں صاحبان فکر کیلئے یقیناً نشانی ہے۔

نکات

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے تمام نباتات اور ثمرات میں صرف زیتون، کھجور اور انگور کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ماہرین خوراک کا بیان ہے کہ بہت کم پھل ایسے ہیں جو ان پھلوں کے بالمقابل انسانی بدن کیلئے مفید اور ضروری ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیت نمبر ۳۵ میں زیتون کو ''شجرہ مبارکہ'' کے عنوان سے یاد فرمایا اور اس کے تیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

پیام

(۱) روئیدگی نباتات کار خداوندی ہے نہ کہ کاشتکار کا کام ہے (يُنۢبِتُ لَكُمۡ)

(۲) تمام نباتات ہوں یا اشجار یا ان کے اثمار سب انسان کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ (لَكُمۡ)

(۳) زرعی محصولات و ثمرات نشان منزل ہیں نہ کہ منزل، عبورگاہ ہیں نہ توقف گاہ۔ (لَاٰيَةً)

(۴) اس کائنات کو صرف دیکھنا اور اس کا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ اس میں تفکر و تدبر لازمی ہے۔ (لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ⑪)

آیت نمبر 12

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ○

اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کیا اور تمام ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں اور صاحبان عقل کیلئے ان چیزوں میں یقیناً نشانیاں ہیں۔

نکات

آفتاب و ماہتاب کی تسخیر سے مراد انسان کا ان سے استفادہ کرنا ہے اور بس اُس کی کیا مجال کہ وہ سورج کو مسخر کر سکے جو ایک مکھی کی تخلیق پر قادر نہیں وہ اور کیا کر سکتا ہے؟ یہ تو لطف پروردگار ہے کہ ان چیزوں کو انسان کی خدمت کیلئے مقرر فرما دیا۔

پیام

(۱) اس نظام ہستی میں خواہ آسمان ہوں یا زمین سب انسان کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ (وَسَخَّرَ لَكُمۡ)

(۲) یہ سارا نظام ہستی اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ (مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ)

(۳) اس نظامِ ہستی کا انسان کو فائدہ پہنچانا حکم خداوندی کے مطابق ہے (بِاَمْرِہٖ)

(۴) نظامِ آفرینش مدرسہ توحید ہے (اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ)

(۵) یہ نظامِ ہستی صرف ان لوگوں کیلئے باعث رُشد و ہدایت ہے جو دانش و بینش رکھتے ہیں اور فکر و تدبر کرتے ہیں نہ ان لوگوں کیلئے جو صرف دیکھنے کی حد تک محدود ہیں۔ (لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ)

آیت نمبر 13

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور یہ جو زمین میں تمہارے لئے رنگ برنگ کی مختلف چیزیں پیدا کر رکھی ہیں نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے ان میں یقیناً نشانی ہے۔

پیام

(۱) رنگ ہائے مختلف و متنوع کو اللہ نے انسان کیلئے پیدا فرمایا (ذَرَاَ لَكُمْ ... مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ)

(۲) کائنات میں رنگوں کا اختلاف بھی اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت کی نشانی ہے۔ (لَاٰیَةً) کیونکہ کسی کارخانہ کی مصنوعات جس قدر مختلف نوعیت کی ہوں گی تو اس قدر اس کی تخلیقی صلاحیت کی شاہکار ہونگی۔

(۳) رنگوں کا اختلاف افراد اور پیداوار کی شناخت کیلئے الٰہی نعمات میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ (لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ)

آیت نمبر 14

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اور اُس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اُس سے تر و تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس طرح سے شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

نکات

(الف) حیاتِ انسانی کیلئے سمندروں اور دریاؤں کی ایک بہت بڑی اہمیت ہے۔ ان کا پانی آبی بخارات بادلوں اور بارش کا منبع ہے ان کی گہرائی خوراک کی فراہمی کا مخزن ہے جس کے اندر لذیذ ترین مچھلیاں موجود رہتی ہیں۔ اور ان کی سطح سامان اور مسافروں کی نقل و حمل کیلئے ارزاں ترین اور کشادہ ترین راستہ ہے یہ سب کچھ مدبر ہستی کی تدبیر اور قدرت کی بدولت ہے۔ ورنہ انسان کی حیثیت ہی کیا ہے۔

(ب) کلمہ ''مَوَاخِر'' مِاْخَرَۃ'' کی جمع ہے۔ جو لفظ ''مخر'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے دائیں اور بائیں جانب سے چیرنا۔

پیام

(۱) سمندر اپنی وسعت اور عظمت کے باوجود انسان کی خدمت کیلئے ہر وقت کمر بستہ ہے (سَخَّرَ الْبَحْرَ)

(۲) سمندر تر و تازہ اور صحیح و سالم گوشت کی فراہمی کا اہم ترین منبع ہے۔ (لَحْمًا طَرِيًّا)

(۳) اللہ تعالیٰ نے انسانی بنیادی ضروریات مثلاً پانی اور خوراک کو پورا نہیں کیا بلکہ اس کی زیب و زینت کی ضروریات کو بھی پورا فرمایا (حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا)

(۴) دریائی حیوانات کے بارے میں قانون کلی یہ ہے کہ وہ سب حلال ہیں مگر کوئی خاص دلیل ان کی حرمت پر قائم ہو۔ (لِتَاْكُلُوْا)

(۵) گوشت کا تر و تازہ ہونا بھی ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ (لَحْمًا طَرِيًّا)

(۶) اگرچہ تلاش معاش کار انسانی ہے لیکن رزق رسانی کار خداوندی ہے۔ (وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ)

(۷) کامیابی کو ہدف دار ہونا چاہئے (وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾)

آیت نمبر 15

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو گاڑ دیا تا کہ زمین تم کو لیکر ڈھلک نہ جائے اس لئے دریا جاری کئے اور قدرتی راستے بنائے تا کہ تم راہ پاتے رہو۔

نکات

(الف) یہ وسیع و عریض پہاڑ زمین کے اعتدال اور سکون کا ذریعہ ہیں۔ ''میدٌ'' کا معنیٰ ہے دائیں بائیں ہچکولے کھانا اور جملہ ''اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ'' کا مطلب ہے پہاڑ تمھارے سکون اور زمین کے زلزلوں سے حفاظت کا سبب ہیں۔ حضرت امام علیؑ نے پہاڑوں کے بارے میں نہج البلاغہ میں ارشاد فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے زمین کو بڑے بڑے پتھروں اور بھاری بھرکم پہاڑوں کے ذریعے محکم اور پائیدار بنا دیا ہے۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۹۱) پہاڑوں کی جڑیں زمین کی ہر جگہ تک پہنچی ہوئی ہیں۔

(ب) جس طرح زمین کو اضطراب سے بچانے کیلئے گہرے اور مضبوط پہاڑوں کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح زمین پر رہنے والوں کو بھی اضطراب سے بچانے کیلئے کچھ مضبوط و محکم اللہ والے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح روایات میں آیا ہے۔ (جَعَلَهُمُ اللّٰهُ اَرْكَانَ الْاَرْضِ اَنْ تَمِيْدَ بِاَهْلِهَا) اللہ تعالیٰ نے اہل بیت رسول کو زمین کیلئے ستون قرار دیا ہے تا کہ اہل زمین کو اضطراب اور لغزشوں سے نجات دلائیں (نور الثقلین، ج۳، ص ۴۴)

(ج) پہاڑوں کے انسانی حیات پر بہت گہرے اور اہم ترین اثرات ہیں۔ مثلاً جب موسم سرما آتا ہے تو وہ سرما کی سوغات برف کو

اپنے ہاں ذخیرہ کر لیتے ہیں تا کہ وہ موسم بہار میں پگھل کر دریاؤں اور نہروں کی روانی کا سبب بن سکے۔ راستوں کی علامات کی طرح ان کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جن سے مسافروں کی راہنمائی ہوتی ہے۔ یہ نقطہ اس وقت سمجھ میں آیا ہے جب ہم یہ تصور کریں کہ اگر زمین سپاٹ شکل میں ہوتی اور بالکل صاف ہوتی تو اس وقت مسافروں کا کیا حال ہوتا؟

پیام

(۱) پہاڑ ایک بے سوچے سمجھے اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ خدائے مدبر و حکیم کی تدبیر کا نتیجہ ہیں۔

(وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ)

(۲) پہاڑ چونکہ خود ثابت و استوار ہوتے ہیں اس لئے اہل زمین کے اضطراب کو روکتے ہیں اور ان کے آرام و سکون کا سبب بنتے ہیں۔ (رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ) جی ہاں! معاشرتی اضطراب اور اس کی حیرانیوں اور پریشانیوں کو وہی شخص کنٹرول کر سکتا ہے جو خود ثابت قدم اور استوار ہو۔

(۳) پہاڑ اپنی ڈھلانوں کی وجہ سے دریاؤں اور نہروں میں پانی کی روانی کا سبب بنتے ہیں۔ (اَنْهٰرًا)

(۴) جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے کہ پہاڑ سد راہ نہیں بلکہ راہنما ہیں (وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ)

(۵) پہاڑ مادی ہدایت کا سبب بھی ہیں اور معنوی ہدایت کا سبب بھی ہیں (لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ) وہ جنگلوں اور بیابانوں میں راستے کی بہترین علامت ہیں اسی طرح معرفت خداوندی اور خالق کی عظمت اور قدرت کے بہترین مظہر ہیں۔

آیت نمبر 16

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

اور اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامات مقرر کیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ پاتے ہیں۔

نکات

(الف) جب انسان بیابانوں اور جنگلوں میں سفر کرتا ہے تو اسے راستوں کی نشانیوں اور علامات کی اشد ضرورت ہوتی ہے دن کو طبعی علامات موجود ہوتی ہیں اور رات کو رات کی تاریکی میں سفری مشکلات کو دور کرنے کیلئے ستاروں سے مدد لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(ب) ہمیں صرف سفر میں راستوں کی شناخت کیلئے علامات کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حق و باطل کی پہچان کیلئے اس سفر معنوی میں جو رذائل مانع ہیں جیسے ہوا و ہوس غرائز اور طاغوتوں کی طرف سے جاری کردہ اشتباہات ہیں ان کیلئے بھی روشن نشانیوں کی ضرورت ہے اس لئے رسول اکرمؐ نے اپنے بعد انہیں معنوی چرانیوں اور سرگردانیوں کے سفر کو طے کرنے کیلئے کچھ علامات مقرر فرمائی تھیں کہ

انہیں حالات میں ان علامات کو دیکھ لینا تو تمہیں حقیقی راستے کا علم ہو جائیگا۔ ان علامات میں سے پہلی علامت حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں جن کے بارے میں رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا: ان کی رضا میری رضا ہے اور اُن کی ناراضی میری ناراضی ہے۔

آپؐ نے ایک اور علامت بتائی تھی وہ ہیں حضرت ابوذر غفاری۔ آپؐ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: اس آسمان نے ابوذرؓ سے زیادہ سچے اور صادق پر سایہ نہیں ڈالا''

آپؐ نے جناب ابوذر کو علامت قرار دیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جناب ابوذر کی سچی زبان کس کی حمایت کرتی ہے اور وہ کس کی طرف سے جلاوطن کئے جاتے ہیں اور اسی جلاوطنی میں وہ موت سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور علامت حضرت عمار یاسرؓ ہیں جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا'' چنانچہ دنیا نے دیکھا جنگ صفین جو حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی حضرت عمار، معاویہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت رسول اکرمؐ کے بعد روشن ترین علامت حضرت امام حسینؑ ہیں جن کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔'' حضرت امام صادقؑ کا فرمان ہے: نحن العلامات'' وہی علامات ہم ہی ہیں۔

(ج) ستارگان قبلہ کی شناخت کا ذریعہ بھی ہیں۔ سمندروں اور بیابانوں میں جہاں کوئی اور علامات نہیں ہوتیں وہاں ستاروں کے ذریعے راہوں کا تعین کیا جاتا ہے۔

پیام

(۱) کیا جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دنیوی ہدایت کا اتنا سامان کیا کہ علامات مقرر کر دیں تا کہ وہ اپنی منازل سے بھٹک نہ جائیں تو پھر اُس نے لوگوں کی معنوی ہدایت کا انتظام نہیں کیا ہوگا؟ (وَعَلٰمٰتٍ ... يَهْتَدُوْنَ)

(۲) علم ہیئت اور ستارہ شناسی پر اسلام نے بے پناہ کام کیا۔ (وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ)

آیت نمبر 17

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اُس جیسا ہے جو پیدا نہیں کرتا کیا تم اس میں فکر نہیں کرتے؟

نکات

سورہ نحل کے آغاز سے یہاں تک کی پندرہ آیات میں خدا کی نعمتوں کو شمار کیا گیا ہے اور اس آیت میں ایک کلی نتیجہ نکالا گیا ہے اور اس نتیجے کو ایک سوال کی صورت میں بیان کیا گیا ہے کہ کیا جو ذات خلق کرتی ہے وہ ان بتوں یا طاغوتوں کی مانند ہے جن میں خلق کی

قدرت نہیں؟ تو پھر تم لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کے پیچھے کیوں جاتے ہو؟

پیام

(۱) اشارہ فرمایا ہے پہلے پندرہ آیات میں نعمات کا ذکر فرمایا۔ آخر میں اس سوال کے ذریعے نتیجہ سامنے رکھا (اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ط)

(۲) میدان تبلیغ میں مخاطب کے ضمیر کو خوب جھنجھوڑا جائے تا کہ وہ فیصلہ پر آمادہ ہو جائے اور اس کی عقل اور فطرت کو بیدار کیا جائے۔ (اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ)

(۳) عقل اور وحی کے درمیان ہم آہنگی ہے جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا عقل نے اسے قبول کیا۔ (اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ)

(۴) تخلیقات کائنات کا سلسلہ جاری وساری ہے بند نہیں ہوا۔ (یَخْلُقُ)

(۵) خدا شناسی اور اس کی بندگی ہر انسان کے ضمیر میں رچی بسی ہوئی ہے صرف یاددھانی کی ضرورت ہے۔ (اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ)

آیت نمبر 18

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

نکات

(ا) اسی سے مُشابہ سورہ ابراھیم کی آیت نمبر ۳۴ ہے اس آیت کے آخر میں ہے ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ'' یقیناً انسان بڑا ظالم اور بہت ہی ناشکرا ہے جبکہ اس آیت کے آخر میں فرماتا ہے ''ان اللہ لغفور رحیم'' بے شک اللہ بہت ہی بڑا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے'' جی ہاں! اللہ تعالیٰ کی نعمات اس کے لطف وکرم کی علامات ہیں لیکن یہ انسان ہے جو اس کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے اس طریقے سے وہ اپنے آپ پر اور پورے معاشرے پر ظلم کرتا ہے۔

(ب) اگرچہ نعمات خداوندی کا شمار ناممکن ہے لیکن ان کا تذکرہ ضروری ہے جیسا کہ سورہ ضحیٰ کی آیت نمبر ۱۱ میں آیا ہے ''واما بنعمت ربک فحدث'' اپنے رب کی نعمتوں کو یاد کیا کرو۔ اور ہم زیارت امین اللہ میں پڑھتے ہیں (ذَا کِرَةٌ لَسَوَابِغُ آلَائِكَ)

(ج) جب انسان نعمات الٰھیہ کے شمار پر قادر نہیں تو پھر ان نعمات کے نزول پر قادر مطلق کا کہاں شکر ادا کر سکتا ہے۔

بقول شاعر:

از دست وزبان که بر آید — کز عهده ی شکرش به در آید
بنده همان به که ز تقصیر خویش — عذر به درگاه خدای آورد
ورنه سزاوار خداوندیش — کس نتواند که بجای آورد

کسی زبان میں وہ طاقت کہاں اور کس ہاتھ میں وہ جرات کہاں کہ اس کی ذات کا شکر بجالائے صرف وہی انسان ہی قابل تعریف و توصیف ہے جو اپنی کوتاہی اور خطا پر اللہ کی ذات سے معذرت طلب کرتا ہے ورنہ اس ذات والا صفات کا کون شکر ادا کر سکتا ہے۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ کی نعمات کا شمار ممکن ہی نہیں (لَا تُحْصُوْهَا)

(۲) جن نعمات کو تم جانتے ہو تو ان کا شکر ادا کرو اور جنہیں نہیں جانتے تو وہ خدا غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ (اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ)

آیت نمبر 19

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ○

حالانکہ وہ اللہ سب کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ رکھتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔

پیام

(۱) علم خداوندی چاہے ظاہر ہے یا باطن سب کیلئے یکسان ہے۔ (مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ)

(۲) اگر ہم اس منزل یقین پر پہنچ جائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر کام سے ہر وقت آگاہ ہے تو ہم متقی بن جائیں۔ (وَاللّٰهُ يَعْلَمُ)

(۳) اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں اور ہمارے تمام اہداف کو جانتا ہے (يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ)

آیت نمبر 20

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ○

اور اللہ کو چھوڑ کر جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو خلق نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔

آیت نمبر 21

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ○

مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائیگا۔

نکات

(۱) بت پرست، بتوں کو انسانی شکل وصورت میں تراشتے ہیں اور اپنے خیال میں ان کے ساتھ صاحبان شعور کی مثل سلوک کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتوں کو مُردہ کہا ہے جیسا کہ صاحب حیات مخلوق کیلئے کہا جاتا ہے۔

(ب) جاہل لوگوں کیلئے مطلب کا تکرار لازم ہوتا ہے ''لَا یَخْلُقُوْنَ'' کے ساتھ ''یُخْلَقُوْنَ'' اور ''اموات'' کے ساتھ ''غیر احیاء'' کے جملے استعمال ہوئے ہیں جبکہ ہر ایک جملے کا معنیٰ ایک ہے۔

پیام

(۱) بتوں میں نہ طاقت ہے اور نہ حیات نہ ان میں علم ہے اور نہ شعور جبکہ عبادت و بندگی کی شرط علم قدرت اور حیات ہے (لَا یَخْلُقُوْنَ۔۔اَمْوَاتٌ۔۔۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ)

(۲) غیر اللہ کے علاوہ معبود کوئی بھی ہو وہ مردہ ہے خواہ جمادات ہوں یا انسان ''اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ''

(۳) روز قیامت بت بھی محشور ہوں گے (وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ) جیسا کہ سورہ انبیا کی آیت ۹۸ میں فرمایا ہے (اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ)

آیت نمبر 22

اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ○

تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے لیکن جو آخرت کو نہیں مانتے ان کے دل انکار پر ڈٹ گئے ہیں اور وہ تکبر کر رہے ہیں۔

نکات

(الف) سابقہ آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ سے تخلیق ناممکن ہے اور وہ ہر قسم کے شعور سے بھی عاری ہیں اور اس زیر بحث آیت میں فرمایا ہے۔ ''تمہارا حقیقی معبود خدائے واحد و یکتا ہے۔''

(ب) ''کِبْر'' کا معنیٰ ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور ''تکبر'' کا معنیٰ ہے کبر کے آثار پر عمل کرنا اور ''استکبار'' کا معنیٰ ہے ''بڑائی کی صلاحیتوں کے فقدان کے باوجود مختلف ذرائع کے ساتھ اپنی بڑائی کا اظہار کرنا''۔

(ج) روایات کے مطابق ایک مرتبہ حضرت امام حسینؑ کہیں جا رہے تھے راستے میں آپ کا گزر فقیروں کے ایک گروہ سے ہوا جو کھانا کھانے میں مصروف تھے ان کی جب آپ پر نظر پڑی تو انہوں نے آپؑ کو کھانے کی دعوت دی آپ نے ان کی دعوت کو قبول فرمایا اور ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور یہ بیان بھی جاری کیا ''اللہ تعالیٰ مستکبرین کو اچھا نہیں سمجھتا'' (تفسیر نور الثقلین، ج ۳ ص ۴۷)

پیام

(۱) معاد کا انکار مبدأ کا انکار ہے کیونکہ توحید اور معاد لازم ملزوم ہیں۔ (اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ)

(۲) کفر کا سرچشمہ تکبر ہے، جہالت نہیں۔ انکار حقیقت ہے، حقیقت سے جہالت نہیں۔ (قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ)

(۳) آخرت پر ایمان سے تکبر و استکبار کا خاتمہ ہو جاتا ہے (لَا يُؤْمِنُوْنَ ... قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ)

آیت نمبر 23

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ○

حقیقت یہی ہے کہ وہ جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے وہ تکبر کرنے والوں کو یقیناً پسند نہیں کرتا۔

نکات

(الف) لفظ ''جَرَم'' کا معنیٰ ہے پھلوں کا درختوں سے توڑنا اور چننا۔ ''لا جرم'' قطعی اور حتمی بات جو شک و شبہ سے پاک و صاف ہو۔

(ب) اس آیت میں کفار کیلئے تنبیہ وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے آگاہ ہے اور اہل ایمان کیلئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے باخبر ہے اور انہیں سزا دینے پر قادر ہے۔

آیت نمبر 24

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○

جب ان سے کہا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا چیز نازل کی ہے تو کہتے ہیں وہ تو پرانے زمانے کی فرسودہ کہانیاں ہیں۔

نکات

(الف) کلمہ ''اساطیر'' ''اُسطورۃ'' کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے وہ حکایات اور افسانے جو خرافات پر مبنی ہوتے ہیں اور کتابی صورت میں ہوتے ہیں۔ یا پھر یہ ''اسطار'' کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے وہ ''سطور'' جو گزشتہ ادوار کی کتب سے نقل کی جائیں۔ قرآن کریم میں یہ کلمہ کفار کی زبانی نو مرتبہ نقل ہوا ہے اور ہر جگہ پر لفظ ''اولین'' کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ ان کا بیان تھا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ سابقہ لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

(ب) دور حاضر کے بعض سماجی ماہرین مذہب کو جہالت اور خرافات کا حاصل خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اپنا یہ نظریہ اس لئے پیش کیا ہو کہ انہوں نے دین کے حقیقی اُصولوں کے درمیان داخل کی گئی خرافات کو دیکھا ہو حالانکہ ان خرافات کا مذہب کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

پیام

(۱) انبیاء اور آسمانی کتب کا بھیجا جانا لوگوں کی ہدایت اور تربیت کیلئے ایک شان ربوبی ہے۔ (اَنْزَلَ رَبُّكُمْ)

(۲) مستکبرین کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہر موقع و محل پر حقارت سے کام لیتے ہیں کبھی تو وہ مذہب و ملت کی تحقیر کرتے ہیں اور کبھی رہبر کی اور کبھی اُمت کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں۔ (اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ...)

(۳) اگر چہ قرآن کریم کا صرف ایک حصہ داستانوں پر مشتمل ہے نہ کہ سارا قرآن اور جن داستانوں کی طرف کفار اشارہ کرتے تھے وہ داستانیں بھی انبیاء اور گزشتہ اقوام کی داستانیں ہیں جن سے پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کے لوگ بے خبر تھے تو پھر کفار سارے قرآن کی طرف یہ نسبت کیوں دیتے تھے۔ (اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ)

آیت نمبر 25

لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ○

یہ باتیں وہ اس لئے کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اپنے بوجھ بھی پورے اٹھائیں اور اس کے ساتھ کچھ ان کا بوجھ بھی اٹھانا چاہتے ہیں جنہیں وہ نادانی میں گمراہ کرتے ہیں۔ دیکھو کتنا بڑا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔

نکات

(الف) یہ آیت کریمہ کفر کے وڈیروں کے بارے میں ہے جو دنیا میں جھوٹا پروپیگنڈہ کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اس لئے بروز قیامت انہوں نے دو قسم کے بوجھ اٹھانے ہیں ایک تو اپنے گناہوں کے بوجھ اور دوسرا ان لوگوں کا بھی جن کے لئے وہ گمراہی کا سبب تھے۔

روایات میں آیا ہے کہ جو شخص گمراہی کا طریقہ ایجاد کرتا ہے اور جتنے لوگ اس کی وجہ سے گمراہ ہوئے وہ ان تمام گمراہوں کی سزا میں شریک ہوگا۔ اور جو نیکی کا راستہ بتاتا ہے تو وہ راہ ہدایت پر چلنے والے تمام لوگوں کے ثواب میں شریک ہوتا ہے اور اچھے اعمال کرنے کے ثواب میں سے بھی کچھ کم نہیں ہوگا۔

پیام

(۱) کفر و ضلالت کے وڈیروں کے عذاب میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کی جائے گی (لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً)

(۲) جو شخص دوسروں کو گناہ کی دعوت دیتا ہے وہ خود بھی ان کی سزا میں شریک ہوتا ہے۔ (وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ)

(۳) کفر کے وڈیرے اپنے گناہوں کی مکمل سزا اور اپنے پیروکاروں کے گناہوں کی کچھ سزا بھی جھیلیں گے۔ (كَامِلَةً ... وَمِنْ اَوْزَارِ)

(۴) بہت سے انحرافیوں اور ضلالت کا سبب جہالت ہے اس لئے دشمن لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں گمراہ کر دیتے ہیں۔ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ

(۵) گناہ ایک بوجھ ہے اور وہ بھی بدترین بوجھ (سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ)

آیت نمبر 26

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ○

ان سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے مکاریاں کی ہیں لیکن اللہ نے ان کے مکر کی عمارت جڑ سے اکھاڑ پھینکی۔ اور اس کی چھت اوپر سے ان کے سر پر آرہی اور ایسی طرف سے ان پر عذاب آیا جدھر سے اس کے آنے کا ان کو خیال تک نہ تھا۔

نکات

(الف) یہ آیت کریمہ بھی فریب کاروں اور سازشی لوگوں کیلئے تہدید ہے اور پیغمبر اکرمؐ کیلئے تسلی خاطر ہے۔

پیام

(۱) حق کے مقابلے میں ہمیشہ سے سازشوں کا سلسلہ چلا آرہا ہے قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ)

(۲) جب دین کو اساسی خطرات لاحق ہو جاتے ہیں تو خداوند تعالیٰ اس کی حفاظت کے تمام پروگرام اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ (فَاَتَى اللّٰهُ)

(۳) دین و مذہب کے مخالفین کو سوچ لینا چاہئے کہ ان کا مقابلہ خدا سے ہے۔ (فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ)

(۴) جب دین کی بنیادوں کو خطرات لاحق ہو جائیں (گزشتہ آیت میں آیا ہے کہ کفار وحی کو ''اساطیر'' یعنی قصے کہانیوں سے تعبیر کرتے تھے۔ لہذا ان کے خلاف ردعمل بھی اصولی اور اساسی ہونا چاہئے (فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ)

(۵) دین کے دشمنوں کے ساتھ مقابلہ بھی بنیادی ہونا چاہئے نہ کہ سطحی تا کہ ان کی ذہنی اور سماجی تمام تحریکوں کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا جائے۔ (فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ ... فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ)

(۶) عذاب خداوندی صرف آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ (فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ)

(۷) بعض اوقات مضبوط ترین عمارتیں بجائے اس کے کہ وہ انسان کی حفاظت کریں وہی انسان کیلئے قبرستان بن جاتی ہیں۔ (فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ)

(۸) اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا نہ کوئی خاص زمان ہے اور نہ خاص مکان (مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ)

آیت نمبر 27

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ○

پھر قیامت کے دن اللہ انہیں ذلیل ورسوا کرے گا اور ان سے کہے گا ''کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے۔جن لوگوں کو دنیا میں علم حاصل تھا وہ کہیں گے آج کافروں کیلئے یقیناً رسوائی اور بدبختی ہے۔

نکات

(الف) علم اور جہالت کے معنی بظاہر تو جاننا اور جاننا ہے لیکن قرآن کریم کی زبان میں ان کے معانی میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے عالم وہ شخص ہوتا ہے جس کی سوچ اور عمل حق وحقیقت پر مبنی ہو اگرچہ وہ پڑھا اور لکھا نہ بھی سکتا ہو۔اور وہ آدمی جاہل ہوتا ہے کہ جس کی فکر اور اس کا عمل باطل کی اساس پر ہو خواہ وہ تمام علوم پر مہارت ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔قرآن کریم شرک وبت پرستی کی سوچ کو جہالت کی علامت سمجھتا ہے جیسا کہ ''قوم لوط کی بدکاریوں کے سرچشمہ کو جہالت قرار دیا گیا ہے۔''

اور اس آیت میں بھی ''اولوالعلم'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو کفر وشرک کے مقابلے میں ڈٹ گئے ہوں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علم انسان کو توحید اور ایمان کی بلند منازل پر فائز کر دیتا ہے۔

پیام

(۱) مجرموں کو ان کے اعمال کی حقیقی سزا تو قیامت کے دن ملے گی ان کی دنیاوی ہلاکتیں تو ان کا مقدمہ ہیں (ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ)

(۲) جو لوگ دنیا میں اہل ایمان کو ذلیل وحقیر سمجھتے تھے وہ قیامت کے دن خود ذلیل ورسوا ہوں گے۔(يُخْزِيْهِمْ)

(۳) جس کسی کی پیروی کرو قیامت کے دن اُس کی جواب دہی ضروری ہے۔(اَيْنَ شُرَكَآءِيَ)

(۴) عدالت محشر میں مشرکین کے پاس خدائی سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔(اَيْنَ شُرَكَآءِيَ)

(۵) جو علم ایمان وعمل کی منزل عطا کرتا ہے وہ تحفہ الٰہی ہے۔(اُوْتُوا الْعِلْمَ)

آیت نمبر 28

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○

فرشتے جن کی روحیں اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس پر ظلم ڈھا رہے ہوں تب وہ کافر تسلیم کا اظہار کریں گے اور (کہیں گے) کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے تھے۔جی ہاں! جو کچھ تم کرتے تھے اللہ یقیناً اسے خوب جانتا ہے۔

آیت نمبر 29

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ○

پس اب جاؤ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ وہیں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ بہت بُرا ہے۔

نکات

جب ملائکہ کفار کی روح قبض کریں گے تو وہ اس وقت اسلام و تسلیم کا اظہار کریں گے اور اپنی بداعمالیوں اور مظالم کا انکار بھی کریں گے لیکن اس وقت نہ تو یہ ایمان ان کو فائدہ دے گا کیونکہ اس وقت وہ از راہ اختیار ایمان نہیں لا رہے ہونگے بلکہ از راہ اضطرار اظہار کر رہے ہوں گے اور نہ ہی ان کا بداعمالیوں سے انکار قبول ہوگا کیونکہ خداوند تعالیٰ ان کے تمام کاموں سے آگاہ ہے۔

پیام

(۱) موت نابودی و فنا کا نام نہیں بلکہ روح کے قبض کرنے اور روح کے جسم سے جدا ہونے کا نام موت ہے ۔(تَتَوَفّٰىهُمُ)

(۲) سنت الٰہی ہے کہ وہ اپنے کام بالواسطہ انجام دیتا ہے(تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ)

(۳) کفر و شرک خود اپنی انسانیت پر ظلم ہے(ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ)

(۴) آخر ایک دن انسان نے اپنے خالق کو تسلیم کرنا ہے لیکن اس وقت کیا فائدہ؟(فَاَلْقَوُا السَّلَمَ ...فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ)

(۵) جان کنی کے لمحات مومن و کافر دونوں کیلئے حساس ہیں اللہ نے کافر کے بارے میں فرمایا ہے(تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ) اور مومن کے بارے میں سورہ نحل کی آیت ۳۲ میں فرمایا ہے(تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ)

(۶) جہنم کے بہت زیادہ دروازے ہیں ہر مجرم اپنے جرم کے حساب سے ایک خاص دروازے سے جہنم میں داخل ہوگا۔(اَبْوَابَ جَهَنَّمَ)

(۷) تکبر ہی کفر کی بنیاد ہے۔(اَلْكٰفِرِيْنَ ...الْمُتَكَبِّرِيْنَ)

آیت نمبر 30

الجزء ۱۴ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ○

اور دوسری طرف صاحبان تقویٰ سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے کہ جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ

بہترین چیز اتری ہے۔ نیکی کرنے والوں کیلئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو بہترین ہی ہے اور صاحبان تقویٰ کیلئے یہ کتنا اچھا گھر ہے۔

نکات

(الف) اسلام کے ابتدائی ایام میں جو لوگ مکہ آتے تھے انہوں نے قرآن اور رسول اکرمؐ کا نام تو سن رکھا تھا۔ اس لئے جب وہ لوگوں سے ملتے تھے تو ان سے پوچھتے تھے (ماذا انزل ربکم) تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ مشرکین ان کے جواب میں کہتے تھے ''اساطیر الاولین'' گزشتہ لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں اور مومنین ان کے جواب میں کہتے (خیراً) خیر ہی خیر۔

(ب) جب کوئی شخص اللہ کی بارگاہ میں ''حسنہ'' کی درخواست کرتے ہوئے کہتا ہے ''ربنا اتنا فی الدنیا حسنة) تو اسے چاہئے پہلے وہ خود اہل حسنات سے بنے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ) جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کیلئے اس دنیا میں نیکی ہے۔

(ج) اس سورت کی آیات ۲۳ تا ۲۸ اور ۳۰ تا ۳۲ کے مطابق مستکبرین اور متقین کے درمیان تقابلی جایزہ۔

	مستکبرین	متقین
۱۔ قرآن اور رسول کے بارے میں فیصلہ	اذا قیل لھم ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین جب ان کیلئے کہا گیا تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو جواب دیا گزشتہ لوگوں کے قصے اور کہانیاں	و قیل الذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیرا اور جب متقین سے پوچھا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو انہوں نے کہا ''خیر''
۲۔ دنیا میں انجام	فاتی اللہ بنیانھم من القواعد پس خدا کا قہر و غضب ان کی بنیادوں تک پہنچ گیا۔	للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کیلئے اس دنیا میں نیکی ہے۔
۳۔ اُخروی عذاب	ثم یوم القیامة یخزیھم --- فادخلوا ابواب جھنم پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا۔۔۔ جہنم کے دروازوں میں سے داخل ہو جاؤ	ولدار الاخرة خیر ---- جنت عدن یدخلونھا آخرت کا گھر تو یقینا سب سے بہتر ہے۔ ان کیلئے جنت عدن ہے اس میں داخل ہونگے۔

ہنگام مرگ	تتوفاهم الملائكة ظالمی انفسهم فرشتے جن کی جان لیں گے کہ وہ خود پر ظلم کرنے والے ہونگے	الذین تتوفاهم الملائكة طیبن وہ لوگ جو گناہ کی آلودگیوں سے پاک ہیں فرشتے ان کی جان لیتے وقت۔۔۔۔۔۔

پیام

(۱) حق وحقیقت پر مبنی فیصلہ وہ کرتے ہیں جن کی روح پاک و پاکیزہ ہوتی ہے اور وہ صاحب تقویٰ ہوتے ہیں (لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ... قَالُوْا خَيْرًا)

(۲) قرآن کے تعارف کیلئے صرف ایک کلمہ ''خیر'' ہی کافی ہے۔ یعنی خوبی، نیکی اور سعادت کا سرمایہ ایک کلمہ ہزاروں کلمات پر بھاری ہے (قَالُوْا خَيْرًا) قرآن کریم خیر اور نیکی کی طرف بلاتا ہے۔

(۳) نیک اور صالح لوگوں کیلئے اس جہان میں بھی اچھائیاں ہیں اور اس جہان میں بھی اچھائیاں ہیں (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ)

(۴) جزائے الٰہی انسانی عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا ... لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ... دَارُ الْمُتَّقِيْنَ)

آیت نمبر 31

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ

یہ لوگ دائمی جنت میں داخل ہونگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی اور سب کچھ وہاں ان کی خواہش کے مطابق ہوگا۔ اللہ تقویٰ والوں کو ایسا اجر دیتا ہے۔

پیام

(۱) بہشت میں مختلف قسم کے متعدد باغات اور نہریں ہیں (جَنّٰتُ ... الْاَنْهٰرُ)

(۲) بہشت کے باغات ہمیشہ سرسبز و شاداب اور سدا بہار ہونگے خشک سالی اور خزاں کا وہاں تصور تک بھی نہیں ہوگا۔ (جَنّٰتُ عَدْنٍ)

(۳) دنیوی حرام لذتوں سے پرہیز کی جزا، عالم آخرت کی نہ ختم ہونے والی نعمتیں ہوں گی۔ (مَا يَشَآءُوْنَ)

(۴) ''مَا يَشَآءُوْنَ'' کا جملہ ''مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ'' سے بہت بلند و بالا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات انسان ایسی چیز کو بھی چاہتا ہے جس میں نہ نفس کی لذت کا سامان ہوتا ہے اور نہ آنکھ کی لذت کا سامان اور وہ مقام عرفان و معنویت ہے (

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ)

(۵) یہ خدا کی سنت ہے کہ وہ صالح لوگوں کو جزا دیتا ہے (كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ)

آیت نمبر 32

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○

جن کی روحیں ملائکہ پاکیزہ حالت میں قبض کرتے ہیں اور (وہ انہیں) کہتے ہیں تم پر سلام ہو اپنے اعمال کے بدلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔

نکات

(الف) ''طَيِّبِيْنَ'' کا ذکر ان لوگوں کے مقابلے میں آیا ہے۔ جن کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے ''الذین تتوفاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم''، طیبین وہ لوگ ہیں جو شرک و گناہ سے پاک و پاکیزہ ہیں یہی لوگ صاحب تقویٰ ہیں۔ یعنی وہ لوگ ہر طرح کی کدورت اور نا خالصی سے پاک ہیں اور ہر قسم کے کمالات و محاسن سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔

پیام

(۱) بعض لوگوں کی سزا اور جزا کا سلسلہ ان کی موت کے اولین لمحہ سے شروع ہو جاتا ہے (تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ... ادْخُلُوا الْجَنَّةَ) روایات میں آیا ہے کہ قبر یا تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(۲) موت فنا و نابودی کا نام نہیں بلکہ روح کے قبض کرنے کا نام ہے (تَتَوَفّٰىهُمُ)

(۳) فرشتے الٰہی احکام کے پابند ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی مختلف کاموں پر ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں۔ (تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ)

(۴) جب پاک لوگوں کی موت آتی ہے تو درود و سلام کے ملکوتی ترانے ملائکہ کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ (تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ... يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ)

(۵) سلام کرنا شعار ملائکہ ہے اور آسمانی ادب ہے (يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ)

(۶) سلام میں دعا کا نور ہے سلامتی و ایمان کی بہار ہے۔

(۷) جنت اپنی ایک قیمت رکھتی ہے، حیلوں، بہانوں سے نہیں خریدی جا سکتی (ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)

آیت نمبر 33

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ○

کیا یہ لوگ اس بات کی انتظار میں ہیں کہ فرشتے (ان کی جان لینے کیلئے) ان کے پاس آئیں یا آپ کے رب کا فیصلہ آئے ان سے پہلے والے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔

نکات

(الف) اس آیت سے مشابہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۰ اور سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۵۸ ہیں۔

(ب) جن لوگوں کو انبیاء علیہم السلام کا انذار بیدار نہیں کرتا آخر کار عذاب الٰہی کے تازیانے انہیں ضرور بیدار کریں گے لیکن اس وقت بیداری کا کیا فائدہ؟

پیام

(۱) کفار جب تک قہر خداوندی کی زد میں نہیں آئیں گے اس وقت تک انکار سے باز نہیں آئیں گے۔ (هَلْ يَنْظُرُوْنَ)

(۲) اس دنیا میں قہر خداوندی انتقام کیلئے نہیں ہے تربیت کے لیئے ہے۔ اس لئے فرمایا: (اَمْرُ رَبِّكَ) یہ نہیں فرمایا (اَمْرُ اللّٰه)

(۳) شرک وکفر اور استکبار کی تحریک تاریخی تحریک ہے جو ازل سے فعال چلی آرہی ہے (كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ)

(۴) عذاب الٰہی ھم پر ظلم نہیں ہے بلکہ ھمارے اعمال سراپا ظلم تھے (كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ)

(۵) کفر اور تکبر کو اپنانا اپنی ذات پر ظلم کے مترادف ہے (اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ)

(۶) جو چیز سب سے زیادہ خوفناک وخطرناک ہے وہ ظلم وطغیان کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ (كَانُوْٓا ... يَظْلِمُوْنَ)

(۷) پیغمبران گرامی کے بھیجے جانے اور اتمام حجت کے بعد عذاب الٰہی کا نزول ظلم نہیں بلکہ عین عدل وانصاف ہے (وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ)

آیت نمبر 34

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ○

آخر کار ان کے اعمال کی خرابیاں ان کی دامنگیر ہوئیں اور وہ چیز ان پر مسلط ہو کر رہی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

نکات

(سَیِّئَۃٌ) گناہان کبیرہ کے مقابلے میں چھوٹے گناہ کو کہا جاتا ہے جس طرح کہ سورہ نساء کی آیت ۳۰ میں آیا ہے (اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ)

بلکہ دنیا میں جو سزا انسان کو ملتی ہے وہ اس کی بداعمالیوں کا ایک حصہ ہوتا ہے اصل سزا تو قیامت کے دن ملے گی۔

(ب) ''حَاقَّ بِہِمۡ'' کا معنیٰ ہے ''حَلَّ بِہِمۡ'' یعنی وہ لوگ جس چیز کا مذاق اڑاتے تھے وہی چیز ان پر آ نازل ہوئی اور انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

پیام

(۱) اعمال بد کے دھوئیں کی بازگشت خود انسان کی اپنی آنکھوں کی طرف سے ہے جو اسے اندھا کر دیتا ہے۔ (فَاَصَابَہُمۡ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا)

(۲) دوسروں سے تمسخر و استہزا کرنے کی سزا اس دنیا میں انسان کو مل جاتی ہے۔ (وَحَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ)

(۳) دوسروں کا مذاق مت اڑاؤ کہیں خود اس میں گرفتار نہ ہو جاؤ (وَحَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ)

آیت نمبر 35

وَقَالَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ شَیۡءٍ نَّحۡنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۚ فَہَلۡ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ○

اور مشرکین کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے اور نہ اس کے امر کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا تو کیا رسولوں پر واضح انداز میں تبلیغ کے سوا اور بھی کوئی ذمہ داری ہے۔

نکات

(الف) مشرکین کی مشرکانہ توجیہات میں سے ایک مسئلہ جبر ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے لئے اللہ کی مشیت یہی ہے کہ ہم غیر اللہ کی عبادت کریں اگر وہ چاہتا تو ہم مشرک نہ ہوتے۔ ''سورہ انعام ۱۴۸'' میں اور سورہ زخرف ۲۰ میں مشرکین کے اس قول کو بیان کیا گیا ہے۔

(ب) سوال: جب خداوند تعالیٰ لوگوں کو گمراہی کی طرف جانے سے نہیں روکتا تو کیا وہ اس امر پر راضی ہے۔؟

جواب: نہیں ایسی بات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے سامان کر دیئے ہیں انبیاء علیہم السلام بھیجے اور کتابیں بھی

بھیجیں وہ تو نہیں چاہتا کہ کوئی گمراہ ہو البتہ وہ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا۔ کیونکہ اجباری ایمان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

پیام

(۱) جو چیز کفر و شرک سے زیادہ خطرناک ہے وہ ان کی توجیہ ہے جس کی نسبت وہ خدا کی طرف دیتے ہیں۔ (وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا)

(۲) مشرکین میں بھی عقیدہ ''جبر'' ہے (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ)

(۳) گمراہ لوگ جہاں اپنے کاموں کی توجیہ کرتے ہیں وہ اپنے بزرگوں اور ہم عقیدہ لوگوں کے کاموں کی بھی توجیہ کرتے ہیں (نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا)

(۴) بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج اور عقائد کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں تسلیم کر لیتے ہیں اور انہیں حق سمجھتے ہیں (نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا)

(۵) جس طرح اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں بنایا جا سکتا اس طرح اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہیں بنایا جا سکتا۔ (حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ)

(۶) گناہ کی توجیہات کرنا گمراہ لوگوں کا ہمیشہ سے طریقہ چلا آ رہا ہے (كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ)

(۷) تبلیغ صاف و شفاف اور واضح انداز میں ہونا چاہئے (الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ)

(۸) انبیاء کا کام صرف اور صرف دعوت و تبلیغ ہے لوگوں کو ایمان پر مجبور کرنا نہیں۔ (فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ)

آیت نمبر 36

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○

اور بتحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر ضلالت مسلط ہو گئی۔ لہذا تم لوگ زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا تھا۔

نکات

کلمہ ''اُمۃ'' ''اُم'' سے لیا گیا ہے۔ جس کا معنیٰ ''ایسی چیز جو کسی دوسری چیز کو آپس میں ملائے'' ہر وہ جماعت جس میں وحدت اور

اشتراک ہوا سے ''امت'' کہا جاتا ہے یہ کلمہ قرآن مجید میں ۶۴ بار آیا ہے۔

(ب) کلمہ ''طاغوت'' ''طُغیان'' کے مبالغہ کیلئے استعمال ہوتا ہے یہ لفظ قرآن مجید میں ''شیطان، ستم پیشہ افراد، مستکبرین اور بتوں کیلئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ تمام اللہ کی نافرمانی اور سرکشی کا سبب بنتے ہیں یہ لفظ واحد و جمع دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اس کی کوئی علیحدہ جمع کی صورت نہیں ہے جیسے '' یَکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ'' یہاں مفرد کیلئے استعمال ہوا ہے اور '' اولیاء ھم الطاغوت''، جمع میں بطور جمع کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے اسباب رشد و ہدایت سب کیلئے فراہم کئے ہیں ''بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا'' لیکن کچھ افراد نے انہیں قبول کیا اور ہدایت پالی '' فمنھم من ھدی اللہ '' اور کچھ افراد نے انکار کیا تو وہ گمراہ ہو گئے'' و منھم من حقت علیہ الضلالۃ '' ہدایت تو اللہ کی طرف سے ہے لیکن گمراہی ہماری طرف سے ہے۔

اس بیان کی اس مثال کے ذریعے مزید توضیح یوں پیش کی جاتی ہے۔ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ زمین کا ایک حصہ سورج کے سامنے رہتا ہے وہ روشن رہتا ہے اور دوسرا حصہ سورج کے سامنے نہیں رہتا اس لئے وہ تاریک رہتا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زمین کا جو حصہ روشن ہوتا ہے وہ خورشید کی وجہ سے روشن رہتا ہے اور جو حصہ تاریک رہتا ہے وہ زمین کی اپنی وجہ سے تاریک رہتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ انسانوں کی گمراہی کی نسبت اپنی طرف نہیں دیتا لیکن اگر انسان اس کے اسباب خود فراہم کرے تو پھر فرماتا ہے۔ ''یضل اللہ الظالمین'' اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے'' و ما یضل الا الفاسقین'' اللہ تعالیٰ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام کی بعثت کسی خاص نسل، قوم قبیلے اور علاقے سے مخصوص نہیں (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا)

(۲) انبیاء علیہم السلام کے برنامہ کا سرفہرست کام لوگوں کو توحید کی دعوت دینا اور طاغوت سے دوری کا درس دینا ہے۔ (اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ)

(۳) خدا کی بندگی اور طاغوتوں اور ظالموں کی غلامی کا کوئی باہمی جوڑ نہیں ہے۔ (اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ)

(۴) انسان خدا کی عبادت اور اس سے عبدیت کا رشتہ جوڑ کر طاغوتوں اور ظالموں کے ساتھ نبرد آزما ہو سکتا ہے۔ (اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ)

(۵) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے چاہے وہ جس راستے کو اپنائے (فَمِنْھُمْ مَّنْ ھَدَی اللّٰہُ ... وَمِنْھُمْ مَّنْ حَقَّتْ)

(۶) سیر و سیاحت کا لازمی عنصر عبرت آموزی ہے۔ (فَسِیْرُوْا ... فَانْظُرُوْا)

(۷) تاریخ اپنا نافذ العمل حکم رکھتی ہے جو ہر معاشرے پر جاری و ساری رہتا ہے (فَسِیْرُوْا ... فَانْظُرُوْا .. عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ)

(۸) قرآن کریم نے لوگوں کو ہدف دار سیر وسیاحت کی دعوت دی ہے (فَسِیۡرُوۡا فِی ۔۔۔ فَانۡظُرُوۡا)

آیت نمبر 37

اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی ہُدٰىہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ یُّضِلُّ وَمَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ○

اور اگر آپ کو ان کی ہدایت کی شدید خواہش ہو بھی تو اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ گمراہی میں ڈال چکا ہو اور نہ ہی ان کا کوئی ناصر ہوگا۔

نکات

(الف) اس آیت کریمہ سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں کی گمراہی ان کے کفر وانکار کی وجہ سے حتمی ہو چکی ہے۔ اس آیت کریمہ میں پیغمبر اکرمؐ کو خطاب ہو رہا ہے: ''آپؐ ان لوگوں کیلئے دل سوزی نہ کریں کیونکہ آپؐ کی اس دل سوزی کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان کے دلوں پر گمراہی کی مہر لگ چکی ہے اب وہ قابل ہدایت نہیں رہے۔

(ب) اصل بات لوگوں کی صلاحیت اور قابلیت کی ہے مُبلغ کی نہیں۔ پیغمبر معصوم تھے ان میں کوئی کمزوری نہ تھی وہ بہترین اخلاق کے مالک تھے ان کے دل میں اُمت کا درد تھا لیکن پھر بھی لوگوں نے انہیں قبول نہ کیا۔

پیام

(۱) بعض اوقات انسان اتنا پست ہو جاتا ہے کہ نہ اس دنیا میں ہدایت کے قابل رہتا ہے اور نہ آخرت میں نصرت کے قابل رہتا ہے۔ (لَا یَہۡدِیۡ ۔۔۔ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ)

(۲) مبلغ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر زمانے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی دلیل ومنطق کو قبول نہیں کرتے لہذا تمام لوگوں کے ایمان کی توقع نہیں رکھنی چاہئے (اِنۡ تَحۡرِصۡ ۔۔۔ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ یُّضِلُّ)

(۳) قیامت کے دن شفاعت بھی قابلیت کی بنیاد پر کی جائے گی اس سے ہر شخص مستفید نہیں ہو سکے گا (وَّمَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ)

آیت نمبر 38

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ ۙ لَا یَبۡعَثُ اللّٰہُ مَنۡ یَّمُوۡتُ ؕ بَلٰی وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○

یہ لوگ اللہ کے نام کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ''اللہ کسی مرنے والے کو دوسری بار زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا'' وہ کیوں نہیں اٹھائے گا؟ یہ تو ایک وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

نکات

(الف) روضہ کافی میں امام صادقؑ سے روایت ہے'' آپؑ نے فرمایا اس آیت کے مصادیق میں سے اس کا ایک مصداق ''رَجْعَت'' ہے کہ ظہور امام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کچھ گروہوں کو زندہ فرمائے گا۔'' لیکن شیعوں کے مخالفین اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔

پیام

(۱) قسم ہر جگہ صحت وصداقت کی علامت نہیں ہوتی (وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ ... لَا يَعْلَمُوْنَ)

(۲) کفر و جہالت سے بدتر، ان پر ڈٹے رہنا ہے (جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ)

(۳) توحید کو قیامت سے جدا سمجھنے کا عقیدہ جہالت کا عقیدہ ہے۔ (اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ ... لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ)

(۴) قیامت الٰہی سزا و جزا کی وعدہ گاہ ہے (وَعْدًا عَلَيْهِ)

(۵) قیامت کے دن مُردوں کا زندہ ہونا حق ہے۔ (حَقًّا)

(۶) قیامت کے انکار کی بنیاد جہالت ہے (لَا يَعْلَمُوْنَ)

آیت نمبر 39

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ○

اور ایسا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ ان کے سامنے اس حقیقت کو کھول دے جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اور کافر لوگ بھی جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔

نکات

کفار کو اللہ کی وحدانیت، انبیاء کی حقانیت، قیام قیامت اور اعمال کے حساب وکتاب میں اختلاف واشتباہ تھا۔ اس زیر بحث آیت کا پیغام ہے ''قیامت کے دن ان پر سب کچھ واضح ہو جائے گا کہ وہ دنیا میں کن کن باطل عقائد کے حامل تھے لیکن اس وقت اس علم کا کیا فائدہ۔

پیام

(۱) قیامت تمام حقائق کے روشن اور واضح ہونے کا دن ہے (لِيُبَيِّنَ ... لَهُمُ ... وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ)

(۲) کفر کی بنیاد کذب اور تکذیب پر ہے (الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ... كَانُوْا كٰذِبِيْنَ)

آیت نمبر 40

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ○

رہا اس بات کا امکان تو ہمیں کسی شئے کو وجود میں لانے کیلئے اس سے زیادہ کچھ کرنا نہیں ہوتا کہ اسے حکم دیں ''ہوجا'' تو وہ بس ہوجاتی ہے۔

نکات

(الف) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے (اِنَّمَا قَوْلُنَا) فرمایا ہے جبکہ سورہ یٰسین کی آیت نمبر ۸۲ ''اِنَّمَآ اَمْرُهٗ'' آیا ہے اور سورہ آل عمران کی آیت ۵۹ میں حضرت عیسیٰ کی تخلیق کے بارے میں فرمایا ''قال له کن فیکون'' اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو امر ہے یا اس کا قول ہے دونوں سے مراد ''ارادہ الٰہی'' ہے۔

(ب) ''کُنْ'' کا معنیٰ ہے ہوجا۔ اللہ تعالیٰ کو ''کُنْ'' کہنے کی بھی ضرورت نہیں یہ صرف ہمارے سمجھانے کیلئے ہے۔

(ج) جب انسان کچھ چاہتا ہے تو اس کا تصور ذہن میں لاتا ہے تو وہ اسے اپنے ارادہ سے اپنے ذہن میں پیدا کر لیتا ہے اسے کسی اور امر کی ضرورت نہیں ہوتی اسی صورت میں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے۔

پیام

(۱) ہم قیامت کے وقوع کے بارے میں کس طرح شک کر سکتے ہیں۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ اس کے ارادے سے ہر چیز معرض وجود میں آجاتی ہے۔ (کُنْ فَیَكُوْنُ)

(۲) اللہ تعالیٰ موجودات کو عدم سے وجود میں لاتا ہے نہ کہ موجودات کو آپس میں ملا کر یا ان میں تغیر و تبدل پیدا کر کے ایک نئی چیز کو پیدا فرماتا ہے۔ (کُنْ فَیَكُوْنُ)

آیت نمبر 41

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ○

اور جن لوگوں نے ظلم برداشت کر لینے کے بعد اللہ کیلئے ہجرت کی انہیں ہم اس دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے روز آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔

آیت نمبر 42

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ○

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر سے کام لیا اور جو اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔

نکات

(الف) قرآن مجید کی متعدد آیات میں ہجرت اور اس کے دنیوی واُخروی برکات بیان ہوئے ہیں سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۰۰ میں آیا ہے۔'' وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط '' یعنی جو شخص خدا کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں بہت زیادہ اور کُشادہ جگہ حاصل کر لیتا ہے۔

(ب) اس ایت کریمہ میں ہجرت کو'' ھاجروا فی سبیل اللہ '' سے تعبیر کیا گیا ہے جو'' ھجرت فی سبیل اللہ '' سے بہت زیادہ پُرمغز خالص تر ہے۔

پیام

(۱) جو لوگ دین کی نشر واشاعت یا اس کی حفاظت کیلئے یا اپنی جان کی حفاظت کیلئے اپنے وطن اور اموال کی قربانی دینے کیلئے ہجرت کرتے ہیں تو وہ بے پناہ ثمرات سے بہرہ مند ہوتے ہیں (وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ... لَنُبَوِّئَنَّهُمْ)

(۲) اگر آپ ظالم وجابر سے مقابلہ نہیں کر سکتے تو پھر آپ کیلئے یہ بھی جائز نہیں کہ اس کے مظالم کو برداشت کرتے ہوئے وہیں پڑے رہو بلکہ فوراً ہجرت کو اختیار کرو۔ (هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا)

(۳) ہجرت صبر اور توکل بر خدا کا نام ہے اور دشمن کے مقابلے میں کامیابی کی علامت ہے۔ (هَاجَرُوْا .... صَبَرُوْا ... يَتَوَكَّلُوْنَ)

(۴) ستم پیشہ افراد کے مقابلے میں اپنے ایمان، توکل اور اپنی استقامت پر بھروسہ کیجئے نہ کہ اجنبی اور خارجی طاقت پر (صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ)

(۵) آرام وسکون اور امن وآسایش ہجرت کی سختیوں کے بغیر حاصل نہیں ہوتے (هَاجَرُوْا ... لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً)

آیت نمبر 43

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

تَعْلَمُوْنَ○

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مردان (حق) رسول بنا کر بھیجے ہیں جن پر ہم وحی بھیجا کرتے ہیں اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

نکات

(الف) یہ آیت کریمہ ایک ایسے بنیادی کلیے کی توضیح فرما رہی ہے۔ جسے ہر انسانی عقل قبول کرتی ہے اور وہ کلیہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ کے حل کیلئے اہل علم اور اہل خُبرہ کی طرف رجوع کیا جائے یعنی جب تمہیں کسی بات کا علم نہیں تو اس علم کے ماہرین کی طرف رخ کرو لیکن جب دین کے مسائل کی بات ہو تو ''اَھْلِ ذِکْر'' کا بہترین مصداق رسول اکرمؐ کے اہل بیتؑ ہیں۔ چاہے روایات کا تعلق اہل تشیع سے ہو یا اہل سنت سے ان سب نے یہی نقل کیا ہے مزید تفصیلات کیلئے کتاب احقاق الحق جلد ۳ ص ۲۸۲ کی طرف رجوع فرمائیں۔

(ب) طبری ہو یا ابن کثیر یا علامہ آلوسی ان سب نے اپنی اپنی تفاسیر میں اسی آیت کے ذیل میں ''اھل الذکر'' کا مصداق رسول اللہؐ کے اہل بیت کو ٹھہرایا ہے۔

(ج) بحار الانوار ج ۲۳ صفحہ ۱۷۲ کے بعد تقریباً ۶۰ روایات اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔ جن میں سے بعض روایات میں آئمہ معصومین کا فرمان ہے ''نحن و اللہ اھل الذکر المسؤلون'' بخدا ہم ہی وہی اہل ذکر ہیں کہ جن سے لوگوں کو سوال کرنا چاہئے۔

پیام

(۱) حضرات انبیاء علیہم السلام انسانی جنس سے تھے نہ کہ وہ فرشتوں سے تھے (وَمَآ اَرْسَلْنَا ... اِلَّا رِجَالًا)

(۲) تمام انبیاء علیہم السلام مرد تھے وہ کامل بالغ بھی تھے اور راشد بھی تھے۔ (رِجَالًا) حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰؑ بچپن ہی سے عہدہ نبوت پر فائز تھے۔

(۳) کسی کامل انسان پر وحی کا نزول کسی کیلئے مقام تعجب نہیں ہونا چاہئے ہدایت بشر کیلئے یہ الٰہی سنت چلی آ رہی ہے۔ (رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ)

(۴) جہالت ایسا عذر نہیں ہے جو قابل قبول ہو پوچھنا اور جاننا انسان کا وظیفہ شرعی ہے۔ (فَسْئَلُوْٓا ...)

(۵) دین کے مسائل دین کے ماہرین سے پوچھنا چاہئے نہ کہ ان سے جن کو مہارت حاصل نہیں ہے۔ (فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ)

(۶) جن باتوں کا انسان کو علم ہے ان کے بارے میں سوال کرنا بے معنیٰ سی بات ہے (فَسْئَلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ)

(۷) اگر اہل ذکر سے سوال کرنا ضروری ہے تو پھر ان کے جواب کو قبول کرنا بھی ضروری ہے ورنہ سوال لغو ہوگا۔ (فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ)

(۸) سوال وہاں پر کرنا چاہئے جہاں ہمارے لئے اس کا جاننا مشکل ہو جائے ایسا نہیں ہے کہ جو کچھ نہیں جانتے اس کے بارے میں سوالات کرتے پھریں بلکہ اس میں خود بھی غور و فکر کریں۔ آیت یہ نہیں فرماتی (فَسْئَلُوْٓا ... اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ) یعنی اگر

نہیں جانتے تو پھر سوال کرو بلکہ یہ فرمایا ہے (فَسْئَلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ) یعنی اگر تمہارے لئے کوئی مسئلہ مشکل ہو جائے اور تم اُسے حل نہ کر سکو تو پھر اس کے حل کیلئے سوال کرو۔

آیت نمبر 44

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ○

پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور اب یہ ذکر آپ پر نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی وضاحت کرتے جائیں جو ان کیلئے اتاری گئی ہے تا کہ لوگ ان میں غور و فکر کریں۔

نکات

(الف) ''بینات'' کا معنیٰ ہے نبوت کے روشن دلائل اور معجزات اور ''زُّبُرِ'' ''زبور'' کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں ''آسمانی کتاب''

(ب) یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت کا دو طرح کی وحی کی طرف اشارہ ہو ایک وحی تو قرآن کریم ہے جس کے مخاطب تمام لوگ ہیں۔ اور دوسری وحی سے مراد قرآن کریم کی تفسیر اور اس کا بیان ہے جو صرف اور صرف پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو اب حالات میں آیت کا معنیٰ کچھ یوں ہوتا ہے۔ ''ہم نے آپؐ کی طرف ذکر کو بھیجا ہے تا کہ جو قرآن لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے آپ اس کی تفسیر بیان کریں۔

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام کے پاس معجزے بھی تھے اور کتاب بھی تھی تا کہ لوگوں کو حق و باطل کی شناخت میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ (بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ)

(۲) انبیاء کے پاس تمام عقلی دلائل موجود تھے معجزات بطور گواہ موجود تھے اور کتاب بطور سند کے تھی۔ (بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ)

(۳) اگر چہ قرآن کریم رسول اکرمؐ کی ذات اقدس پر نازل ہوا ہے لیکن اس کے مخاطب تمام لوگ ہیں (اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ ... اُنُزِّلَ اِلَيْهِمْ)

(۴) قرآن کریم پہلی مرتبہ یکجا صورت میں رسول اکرمؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوا اور دوسری مرتبہ تدریجاً نازل ہوتا رہا۔ جس سے لوگ آگاہ ہوتے رہے۔ (وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ ... مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ) عربی زبان میں انزال کا معنیٰ ہے یکبارگی نازل ہونا اور تنزیل کا معنیٰ ہے تدریجی نزول۔

(۵) قرآن مجید کیلئے پیغمبر اکرمؐ کے بیان اور تفسیر کی ضرورت ہے لہذا قرآن اور سنت کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ (لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ)

(۶) پیغمبر اکرمؐ کا کام صرف قرآن بیان کرنا ہے اور لوگوں کا کام ہے کہ وہ غور و فکر کریں اور اس بنیاد پر اس کو قبول کریں (لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ... يَتَفَكَّرُوْنَ)

(۷) قرآن ذکر ہے تمام انسانیت کیلئے سرمایہ غور وفکر ہے۔ انسان کو اس سے وعظ ونصیحت حاصل ہوتی ہے، غفلت اور نسیان کا خاتمہ ہوتا ہے۔ (اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ)

آیت نمبر 45

اَفَاَمِنَ الَّذِیۡنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّخۡسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ یَاۡتِیَهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ○

پھر کیا وہ لوگ جو (بدترین مکاریاں کر رہے ہیں اس بات سے بالکل ہی بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ایسی طرف سے ان پر عذاب آئے جدھر سے ان کے آنے کا ان کو وہم وگمان تک نہ ہو۔

آیت نمبر 46

اَوۡ یَاۡخُذَهُمۡ فِیۡ تَقَلُّبِهِمۡ فَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ○

یا انہیں آتے جاتے ہوئے (عذاب الٰہی) پکڑ لے پس وہ اللہ کو تو عاجز کر نہیں سکے۔

آیت نمبر 47

اَوۡ یَاۡخُذَهُمۡ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ○

یا انہیں خوف وہراس میں رکھ کر گھیر لیا جائے؟ پس تمہارا رب یقیناً بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

نکات

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں اس کے دین کے خلاف سازش کرنے والوں کیلئے چار قسم کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے

(۱) زمینی عذاب ''یَّخۡسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الۡاَرۡضَ'' اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے۔

(۲) آسمانی عذاب ''یَاۡتِیَهُمُ الۡعَذَابُ'' ان کے پاس عذاب آجائے۔

(۳) ناگہانی عذاب ''یَاۡخُذَهُمۡ فِیۡ تَقَلُّبِهِمۡ'' انہیں اچانک اس حال میں آلے کہ وہ چل پھر رہے ہوں۔

(۴) روحانی عذاب ''یَاۡخُذَهُمۡ فِیۡ تَخَوُّفٍ'' یا ان کے خوف کی حالت میں انہیں اپنی گرفت میں لے لے۔

پیام

(۱) عذاب خداوندی اتمام حجت کے بعد آتا ہے (سابقہ آیات میں نبوت کے موضوع کے تذکرے میں اس آیت کو بیان کیا گیا ہے

جس میں مخالفین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

(۲) عذاب خداوندی اور اس کی سزاؤں کا احتمال سازشوں سے باز آجانے کیلئے کافی ہے۔(اَفَاَمِنَ)

(۳) اللہ کے دین کے خلاف سازش کرنے والوں کو جان لینا چاہئے کہ ان کی عیاریوں و مکاریوں کی اللہ کے علم و قدرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔(اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ)

(۴) اس دنیا میں عذاب خداوندی کے بارے میں پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی کہ وہ کب اور کہاں آجائے تاکہ از راہ فرار اس سے بچا جاسکے(یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ)

(۵) کوئی بھی فرد یا کوئی عامل اللہ کے عذاب کو نہیں روک سکتا۔(فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ)

(۶) نزول عذاب اچانک اور ہر حال میں ممکن ہے (فِیْ تَقَلُّبِهِمْ) چاہے انسان سفر میں ہو یا حضر میں ہو سو رہا ہو یا جاگ رہا ہو کھڑا ہو یا بیٹھا ہو۔

(۷) کبھی خوف اور ہیبت پروردگار تباہی کا سبب بن جاتے ہیں۔(یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ)

(۸) اللہ تعالیٰ عذاب کو موخر کر دیتا ہے اور گناہگاروں کو ڈھیل دے دیتا ہے تو یہ اس کا لطف و کرم ہے تاکہ وہ توبہ کرلیں۔(فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ)

(۹) قہر و غضب خداوندی اور اس کی تنبیہ اس کی رحمت اور تربیت کی بنیادوں پر استوار ہے۔(یَاْخُذَهُمْ ۔۔۔۔فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ)

آیت نمبر 48

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ○

کیا انہوں نے اللہ کی پیدا کردہ چیزوں میں ایسی چیز نہیں دیکھی جس کے سائے دائیں اور بائیں طرف سے عاجز ہو کر اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے جھکتے ہیں؟

نکات

(الف) لفظ ''شَیْئ'' بعد از ظہر کے سائے کو کہا جاتا ہے جو پلٹنے کی حالت میں ہوتا ہے ''ظِلّ'' ہر سائے کو کہا جاتا ہے

(ب) ''دٰخِرُ'' کا معنیٰ ہے خشوع و خضوع کرنے والا، آیت میں یمین و شمال کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں ان سے مراد دن کے دونوں کنارے یعنی صبح اور شام ہیں۔

(ج) چونکہ سایہ ہمیشہ زمین پر پڑا رہتا ہے اس لئے اسے سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ از راہ تکوین کائنات کی ہر چیز اللہ کے

آگے سجدہ ریز ہے۔

پیام

(۱) نہ صرف اشیاء بلکہ ان کے آثار، لوازمات اور خصوصیات جیسے ان کا سایہ ہے سب اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں۔(ظِلٰلُهٗ...سُجَّدًا)

(۲) تخلیقات خداوندی اور ان میں تغیر وتبدل میں غور وفکر کے بارے میں قرآن کریم نے بھرپور انداز میں دعوت دی ہے۔(اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ...)

(۳) اگر تمام موجودات حتیٰ کہ ان کے سائے بھی بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہیں تو پھر انسان کو کیا ہے کہ سر بسجود نہ ہو؟ (سُجَّدًا...دٰخِرُوْنَ)

(۴) تمام موجودات کا سجدہ اور ان کی تسبیح از راہ شعور ہے ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے (هُمْ دٰخِرُوْنَ) فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ ''دٰخِرُوْنَ'' کا لفظ باشعور مخلوق کیلئے استعمال ہوتا ہے تو معلوم ہوا تمام مخلوق اور ان کا سایہ باشعور ہے۔

آیت نمبر 49

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ○

زمین اور آسمانوں میں جس قدر جان دار مخلوقات ہیں اور جتنے ملائکہ ہیں سب اللہ کے آگے سر بسجود ہیں وہ ہرگز سرکشی نہیں کرتے۔

آیت نمبر 50

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ○

اور وہ اپنے رب سے جو ان پر بالا دست ہے ڈرتے ہیں اور جو حکم دیا جاتا ہے اسی کے مطابق کرتے ہیں۔

نکات

(الف) ''دَآبَّةٍ'' کا لفظ ہر اس جاندار کیلئے استعمال ہوتا ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرے یہ لفظ، انسان، حیوان اور جنات کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن فرشتوں کیلئے استعمال نہیں ہوتا۔

(ب) تمام زمینی اور آسمانی موجودات کے سجدہ سے مراد قوانین ہستی کے آگے ان کا تکوینی سجدہ ہے یا شعور وادراک کی بنا پر ان کا سجدہ ہے آیت کا ظاہر دوسرے معنیٰ کی سفارش کرتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس کا شعور وادراک نہیں رکھتے۔ جب موجودات ہستی

اس کی بارگاہ میں جھکی ہوئی ہیں تو پھر ہم انسانوں کو کیا ہے کہ اس کا سجدہ نہ کریں۔ اور تکبر بھی نہ کریں۔!!

بقول شاعر:

همه از بهر تو سر گشته و فرمان بردار شرط انصاف نباشد که تو فرمان بری

اس کی پوری کائنات تیرے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے یہ انصاف نہیں ہوگا کہ تم اس ذات کی فرمانبرداری نہ کرو۔

پیام

(۱) یہ کائنات یہ ہست و بود صرف اور صرف خدائے واحد کی مطیع اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ (لِلّٰهِ يَسْجُدُ)

(۲) آسمانوں میں بھی زندہ اور متحرک مخلوق آباد ہے (مَا فِي السَّمٰوٰتِ ... مِنْ دَآبَّةٍ) جو متحرک اور جاندار اس نے آسمانوں اور زمین میں پھیلا رکھے ہیں۔

(۳) ملائکہ بارگاہ خداوندی میں تسلیم و رضا کے پیکر ہیں۔ (هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ)

(۴) ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے خدا سے خوفزدہ ہوتے ہیں جبکہ فرشتے پروردگار کی عزت و عظمت اور ارفع و اعلیٰ مقام کی وجہ سے خوفزدہ ہوتے ہیں (يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ) اللہ نے مومنین کے خوف کو بھی بیان کیا ہے۔ ''وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ'' جو اپنے پروردگار کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے خوفزدہ ہوتے ہیں (نازعات ۴۰)

(۵) ملائکہ اللہ کی وہ عظیم مخلوق ہیں نہ وہ اپنی ذات پر تکبر کرتے ہیں اور نہ اپنے عمل پر تکبر کرتے ہیں (لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ .. وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ)

(۶) قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کی بنیاد استکبار ہے اگر یہ نابود ہو جائے تو عمل صالح سے مربوط حیات انسانی اپنے سفر پر گامزن ہو جائے (لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ .. وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ)

(۷) ملائکہ بھی مکلف ہیں امر ربی کے پابند ہیں (وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ)

آیت نمبر 51

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○

اللہ کا فرمان ہے ''دو خدا نہ بنالو'' خدا تو بس ایک ہی ہے پس تم صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

نکات

(الف) آیت میں آیا ہے ''دو خدا نہ بناؤ'' اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ دو خدا بنانے ممنوع ہیں اور تین خدا بنانے جائز ہیں۔ تو اس بات سے دو مقصد سامنے آتے ہیں ''ایک مقصد تو یہ ہے کہ ''تھوڑی چیز کی نفی'' زیادہ کی بھی نفی ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے شاید آیت کا مقصد مشرکین کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک خدا خلق کرتا ہے اور دوسرا خدا رب ڈبر ہے تو وہ خدائے رب مدبر کی پوجا کرتے تھے (تفسیر المیزان)

(ب) گزشتہ آیات میں بتایا گیا ہے کہ ''مشرکین کہتے تھے'' اگر خدا چاہتا تو ہم مشرک نہ ہوتے۔ یہ آیت کہہ رہی ہے کہ خدا نے تمہیں شرک سے روکا ہے جب اس نے روکا ہے تو پھر کیوں کہے گا کہ تم مشرک بن جاؤ۔

پیام

(۱) جب تربیتی ماحول کا آغاز ہوا چاہتا ہو تو سب سے پہلے ان عقائد کا خاتمہ کیا جائے جو خرافات پر مبنی ہیں پھر عقائد حقہ کو بیان کرنا چاہئے تا کہ بات موثر ہو جائے (لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ ... اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ)

(۲) جب دو معبودوں کی پرستش باطل ہے تو کئی خداؤں کی کیسے باطل نہ ہوگی (لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ)

(۳) کائنات کو چلانے کیلئے دو خداؤں کا عقیدہ باطل ہے یعنی ایک خیر کا خدا (یزدان) اور دوسرا شر کا خدا (اھریمن) (لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ)

(۴) باطل کی نفی کیلئے اور حق کے اثبات کیلئے تاکید ضروری ہے (الھین) اگرچہ آیت میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ لفظ اثنین کو بطور تاکید لایا گیا ہے ''اِلٰهٌ'' مفرد کا صیغہ ہے اس کے ساتھ واحد کو بطور تاکید لایا گیا ہے۔

(۵) غیر اللہ سے خوفزدہ ہونا شرک ہے (هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ)

آیت نمبر 52

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ○

اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے اور خالصاً اسی کا دین وساری کائنات میں) چل رہا ہے تو پھر کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرتے ہو؟

نکات

(الف) اس آیت کریمہ میں کلمہ ''دِیْن'' سے مراد عبادت اور بندگی ہے جو دین اور مکتب حق کی قبولیت کیلئے ضروری ہے۔

''وَاصِب'' کا معنیٰ ہے ''دائم اور شدید'' سورہ صافات کی آیت نمبر ۹ میں آیا ہے ''وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ'' اور ان کفار کیلئے مسلسل اور شدید عذاب ہے۔

پیام

(۱) مشرکین کے انحرافی عقائد کہ وہ ہر نوع کیلئے ایک علیحدہ رب فرض کرنے کے برعکس عقیدہ حق یہ ہے کہ تمام موجودات کا خدا ایک ہے خواہ وہ آسمانوں میں ہیں یا زمین میں (وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)

(۲) عبادت اور بندگی صرف خالق یکتا کیلئے جائز ہے (وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا)

(۳) شرعی امور کا تقرر اور قانون سازی صرف اسی ہستی کا کام ہے جس کے قبضہ قدرت میں تکوین و آفرینش ہے (وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ... وَلَهُ الدِّيْنُ) کائنات کا خالق ہی اپنی مخلوقات کیلئے قوانین وضع کرسکتا ہے۔

(۴) شرک کے پاس نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی توجیہ (وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ... وَلَهُ الدِّيْنُ .. اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ)

آیت نمبر 53

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ○

اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کی طرف دوڑتے ہو۔

آیت نمبر 54

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ○

پھر جب اللہ اسے ٹال دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔

نکات

(الف) کلمہ ''ضُر'' ایسی پریشانی اور مصیبت کا معنیٰ دیتا ہے جو نعمتوں کے فقدان کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے اور ''تَجْـَٔرُوْنَ'' کا لفظ ''جؤار'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے ''نالہ وفریاد''

(ب) اس آیت کا پیغام قرآن کی دوسری آیات میں بھی دُھرایا گیا ہے جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۶۷ میں ہے (وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا○ جب تم سمندر کے درمیان کسی خطرے کا سامنا کرتے ہو تو اس کے علاوہ جن جن کو تم پکارتے تھے وہ سب ناپید ہو جاتے ہیں جب اللہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑنے لگے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ثابت ہوا ہے۔

(ج) رسول اکرمؐ فرماتے ہیں ''من لم یعلم ان للہ علیہ نعمۃً الا فی مطعم او ملبس فقد قصر عملہ و دنی عذابہ'' جو شخص خدا کی نعمت کو صرف خوراک اور لباس ہی میں محدود سمجھے وہ ایک تو اپنے عمل میں کوتاہی کا مرتکب ہوا اور دوسرا عذاب الٰہی کے قریب ہوا (تفسیر نور الثقلین، ج ۳ ص ۶۱)

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اپنی سعی وکوشش یا صلاحیتوں یا اتفاق کا نتیجہ نہ سمجھو (وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ)

(۲) تمام نعمتیں اس کی طرف سے ہیں حتی کہ وہ جنہیں تم حقیر خیال کرتے ہو وہ بھی ارادہ خداوندی سے تم تک پہنچتی ہیں۔ (مِّنْ نِّعْمَةٍ)

(۳) صرف یہ نعمات اس کی طرف سے نہیں بلکہ خطرات کے موقع پر واحد پناہ گاہ وہی ہے۔ (فَمِنَ اللّٰهِ ... فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ)

(۴) مصائب وآلام فطری خدا پرستی کو زندہ کرتی ہیں (اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ)

(۵) انسان کس قدر کمزور وناتوان ہے کہ معمولی مصیبت کو دیکھ کر بھی چیخنا چلانا شروع کر دیتا ہے۔ (اِذَا مَسَّكُمُ ....)

(۶) نعمتوں کا نزول اس کی طرف سے ہے مصائب وآلام کا سبب ہم خود ہیں (نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ .. اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ)

(۷) بارگاہ خداوندی میں نالہ وفریاد وقتی اور عارضی نہیں ہونا چاہئے۔ (ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ ... فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ ... يُشْرِكُوْنَ)

(۸) مال ودولت وعیش پرستی اور آرام طلبی یاد خدا سے غفلت اور شرک کے میلان کا سبب بن سکتے ہیں (كَشَفَ الضُّرَّ .. يُشْرِكُوْنَ)

(۹) اللہ کی طرف توجہ ایک فطری اور طبعی امر ہے (الیہ تجئرون) شرک صرف بعض صورتوں میں لاحق ہوتا ہے۔ (فَرِيْقٌ ، يُشْرِكُوْنَ)

(۱۰) مشکلات ومصائب سے چھٹکارا اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے سمجھنا شرک ہے (كَشَفَ الضُّرَّ .. يُشْرِكُوْنَ)

آیت نمبر 55

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○

اسی طرح وہ اللہ کے احسان کی ناشکری کرنے لگتے ہیں جو ہم نے ان پر کیا ہے۔ اچھا مزے کر لو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

نکات

(الف) گزشتہ آیات سے لیکر اس زیر بحث آیت تک کا خلاصہ اور جائزہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت اور تربیت کی یوں نشاندگی کی گئی ہے کہ وہ خدا واحد ہے ''انما هو اله واحد'' وہ ہر چیز کا مالک ہے ''له ما فی السموات و الارض'' وہ تربیت کرنے والا ہے ''له الدین'' وہی نعمتیں عطا فرماتا ہے ''ما بکم من نعمة فمن الله'' وہ فریادرسی کرنے والا ہے ''اذا مسکم الضر فالیه تجئرون'' ان تمام عزتوں اور عظمتوں کے باوجود پھر بھی ہم غیر اللہ کی پرستش کریں؟

پیام

(۱) شرک کا نتیجہ یہ ہے کہ مشرک، خدا اور اس کی نعمات کا منکر ہو جاتا ہے۔ (يُشْرِكُوْنَ ... لِيَكْفُرُوْا)

(۲) غیر اللہ کی طرف میلان اس کی نعمتوں کا کفران ہے (یُشْرِکُوْنَ ... لِیَکْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰھُمْ)
(۳) اکثر دیکھنے میں آتا ہے لوگ مسلسل کفران نعمت کرتے رہتے ہیں لیکن اللہ اپنی نعمات کو نہیں روکتا۔ (لِیَکْفُرُوْا ... فَتَمَتَّعُوْا)
(۴) کفر آلود کامیابیوں کا انجام قہر الٰہی ہے (فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ)
(۵) جیسا کہ سورہ ابراھیم کی آیت نمبر ۳۰ میں آیا ہے (قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ) کہ دو فائدہ اٹھا لو تحقیق تمھارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

آیت نمبر 56

وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰھُمْ ؕ تَاللّٰہِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ○

اور یہ لوگ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے ان کیلئے حصے معین کرتے ہیں جنہیں یہ جانتے تک بھی نہیں اللہ کی قسم اس افترأ کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔

آیت نمبر 57

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ ۙ وَلَھُمْ مَّا یَشْتَھُوْنَ○

اور انہوں نے اللہ کیلئے بیٹیاں تجویز کر رکھی ہیں جس سے وہ پاک و پاکیزہ ہے اور یہ لوگ اپنے لئے وہ (پسند کرتے ہیں جن کو یہ چاہتے ہیں (لڑکے)

نکات

(الف) ممکن ہے کہ یہ آیت سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۳۶ کے پیغام کی طرف اشارہ کر رہی ہو کہ جس میں آیا ہے کہ بت پرست اپنی زراعت اور مال مویشیوں میں سے ایک حصہ اپنے بتوں کیلئے مقرر کر دیا کرتے تھے۔ ''وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعْمِھِمْ وَھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا'' اور یہ لوگ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں، مثلاً کھیتی اور چوپاؤں میں اللہ کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے زعم میں کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے''
یہاں ایک اور احتمال ہے جسے استاذ علامہ طباطبائیؒ نے اختیار فرمایا ہے وہ یہ کہ لوگ نعمتوں کے حصول کے بعد اور مصائب کے ختم ہونے کے موقع پر خدا کا کوئی تعلق نہیں سمجھتے اور یہ سب کچھ غیر اللہ کی طرف سے جانتے ہیں۔

(ب) مشرک لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ سورہ زخرف کی آیت نمبر ۱۹ میں فرمایا ہے ''وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا''، ان کے اس عقیدے میں تین طرح کی انحرافیاں تھیں۔

(۱) وہ اللہ کیلئے اولاد کا عقیدہ رکھتے تھے حالانکہ وہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے۔

(۲) وہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے حالانکہ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی۔

(۳) خود اپنی بیٹیوں کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے تھے اور خدا کیلئے بیٹیوں کے قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا ''اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا'' کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں تو چن چن کر بیٹے دیے ہیں اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے (بنی اسرائیل ۴۰)

پیام

(۱) ہم جو کچھ رکھتے ہیں اسی کا دیا ہوا ہے اسی کے علاوہ کسی اور کے لئے حصہ مقرر نہ کریں کہ کہیں جواب دہ ہونا پڑے (وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا ... تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ)

(۲) اللہ کا اس دنیا سے مربوط لطف و کرم گمراہ لوگوں کے شامل حال بھی رہتا ہے۔ (مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ)

(۳) جن اسباب ظاہری اور بشری کے ساتھ تم نے دل لگا رکھا ہے ان کے پاس نہ تو روزی اور نعمت دینے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی کسی مصیبت کو ٹال سکتے ہیں (وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا)

(۴) کسی ایک نعمت کو بھی غیر اللہ کی طرف سے خیال کرنا بھی شرک ہے (نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ)

آیت نمبر 58

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔

آیت نمبر 59

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

اس بری خبر کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ (اور خیال کرتا ہے) کیا اسے ذلت کے ساتھ زندہ رہنے دے یا اسے مٹی میں

دبا دے؟ دیکھو کیسا برا فیصلہ ہے جو یہ کر رہے ہیں؟

نکات

(الف) جاہل عربوں کی اپنی بیٹیوں سے نفرت کی چند وجوہات تھیں۔

(۱) وہ سمجھتے تھے کہ لڑکیوں کا اقتصادی و معاشی امور میں کوئی کردار نہیں ہوتا بلکہ وہ سراپا بوجھ ہوتی ہیں۔

(۲) قبائلی لوگوں کی سرنوشت جنگ و جدل سے مربوط تھی لڑکیوں میں عسکری صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے۔

(۳) دوران جنگ لڑکیوں کو قیدی بنالیا جاتا تھا اور وہ دشمن کی زیادتیوں کا شکار ہو جاتی تھیں۔

(ب) جاہلی سوچ کے برعکس اسلام نے عورت کو عزت و عظمت کا مقام عطا فرمایا اس کی وضاحت کیلئے چند ایک یہ ہیں

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''نِعْمَ الوَلَدِ الْبَنَات'' بیٹیاں کیا ہی اچھی اولاد ہیں (بحار الانوار، ج ۱۰۴، ص ۹۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نسل ان کی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ میں قرار دی۔

ایک آدمی اپنی بیٹی کی پیدائش پر سخت پریشان دکھائی دے رہا تھا، حضرت امام صادقؑ نے یہ دیکھ کر فرمایا ''ارے تم بہتر سمجھتے ہو یا اللہ! امام نے فرمایا ''اللہ نے جو تمہارے لئے بہتر سمجھا وہ تمہیں عطا کیا'' (وسائل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۱۰۳)

پیام

(۱) بیٹی کو حقیر اور پست سمجھنا زمانہ جاہلیت کی سوچ ہے (وَاِذَا بُشِّرَ ... بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ)

(۲) اولاد کی پیدائش بذات خود ایک خوشخبری ہے لیکن خرافاتی سوچ اس خوشخبری کو ذلت سمجھتی ہے (بُشِّرَ ... بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ)

(۳) غم و غصے سے پیچ تاب کھانا کہ جس کی وجہ سے چہرے پر سیاہی پھیل جائے تو اس کا کیا فائدہ؟ (ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ)

(۴) خرافات اور عقائد باطلہ قبائل اور خاندانوں کی دھمکیوں کا سبب بنتے ہیں۔ (ظَلَّ وَجْهُهٗ ... يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ)

(۵) بعض اوقات بدترین جرائم مقدس ترین نعروں کی آڑ میں انجام پاتے ہیں (اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ) جھوٹی عزت کے تحفظ کیلئے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا ہے۔

(۶) ادیان آسمانی لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کے خرافاتی عقیدے کی سخت مذمت کرتے ہیں (سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ)

آیت نمبر 60

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے تو وہ بری صفات سے متصف کئے جانے کے لائق ہیں اللہ کیلئے تو ارفع و اعلیٰ صفات ہیں اور وہ

سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

نکات

سوال: اس سورت کی آیت نمبر ۷۴ میں ہے۔ ''فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ'' خدا کیلئے مثال بیان نہ کیا کرو تو پھر اس زیر بحث آیت میں کیوں فرمایا ہے ''لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی''

جواب: اللہ کیلئے مثال بیان نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے مشابہ نہ سمجھو یہاں مثل اعلیٰ سے مراد اس کی بہترین صفات ہیں۔

پیام

(۱) تمام برائیوں کا سرچشمہ قیامت کا انکار ہے (لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ)

(۲) ارفع و اعلیٰ کمالات اللہ ہی کیلئے ہیں۔ (وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی)

(۳) انسان کی زینت اور اس کا حسن و جمال ایمان کے ساتھ ہے جب ایمان رخصت ہو جاتا ہے تو انسان برائیوں اور گندگی کا ڈھیر بن جاتا ہے (لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ)

(۴) اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت اور طاقت و قدرت اس کی حکمت کے ساتھ ہے (وَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ)

آیت نمبر 61

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

اگر کہیں اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے فوراً ہی پکڑ لیا کرتا تو روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتا لیکن وہ سب کو ایک معین وقت تک مہلت دیتا ہے جن کا معین وقت آجاتا ہے تو وہ نہ ایک لمحہ کیلئے پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

نکات

(الف) اللہ تعالیٰ کا قانون کلی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتے ہوئے عذاب کو موخر کر دیتا ہے لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ ظالموں کی گوشمالی کیلئے فوراً عذاب بھیج دیتا ہے۔ تاکہ دوسرے لوگوں کیلئے وہ نشان عبرت بن سکیں جس طرح حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی کو قوموں کو عذاب دیا گیا یا قوم ثمود کو معذب کیا گیا۔

سوال: آیت اپنے پیغام میں یہ کیوں کہتی ہے کہ انسان کے گناہ کی وجہ سے تمام متحرک جاندار تباہ ہو جاتے ہیں؟

جواب: اس آیت میں ''دابۃ'' سے مراد انسان ہے جس طرح کہ یہ آیت ہے (اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ) (انفال ۲۲) اور یہ بھی ہے کہ نسل انسانی کی نابودی کے ساتھ وہ بھی نابود ہو جائیں گے کیونکہ ان کو انسانوں کیلئے پیدا کیا گیا تھا۔

(ب) امام معصوم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ'' آخر کیا وجہ ہے کہ بعض مُردوں کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور بعض کی کھلی ہوئی ہوتی ہیں؟ آپ نے فرمایا'' جب ان میں سے کسی ایک پر موت آتی ہے تو بوقت موت اس کی آنکھیں کھلی تھیں اس لئے وہ کھلی رہ گئیں اسے بند کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی اور جن کی آنکھیں بند تھیں انہیں کھولنے کی فرصت ہی نہیں ملی (لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ)

(ج) بعض مظالم ایسے ہیں کہ جن کے خطرات اور اثرات وسیع تر ہوتے ہیں کہ جن کی لپیٹ میں تمام انسان اور حیوان آجاتے ہیں ارشاد خداوندی ہے'' واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة'' ان گناہوں سے بچو جن کے اثرات صرف ظالموں تک محدود نہیں رہتے۔

پیام

(۱) عذاب خداوندی کی بنیاد خود ہمارا اپنا کردار ہوتا ہے (یُؤَاخِذُ اللّٰهُ ... بِظُلْمِهِمْ)

(۲) ظلم وہ جرم ہے جو آبادیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے اور نسل انسانی کی واہی وتباہی کیلئے شدید ترین خطرہ ہے۔ (بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ)

(۳) یہ خدائی طریقہ کار ہے کہ وہ مہلت دے دیتا ہے اور عذاب کو مؤخر کر دیتا ہے۔ (یُؤَخِّرُهُمْ) خدا کے کاموں میں اِمہال ہے اہمال نہیں ہے وہ مہلت دیتا ہے چھوڑتا نہیں ہے۔

(۴) خدائی مہلت کا وقت معین ہے۔ (یُؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

(۵) الٰہی مہلت اس کے لطف وکرم پر مبنی ہے یہ صرف گناہوں سے توبہ اور ان کی تلافی کیلئے ہے لہذا اس پر اپنے آپ کو دھوکے میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ (وَلَوْ يُؤَاخِذُ ... مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ)

(۶) ظالموں کو ان کے مظالم پر ڈھیل ملنا ان کی حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔ (یُؤَخِّرُهُمْ)

(۷) انسانی اجل قابل تغیر نہیں۔ (لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ)

آیت نمبر 62

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ○

اور یہ لوگ اللہ کیلئے وہ چیزیں مقرر کرتے ہیں جو خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کیلئے بہتری ہے۔ جبکہ ان کیلئے یقیناً دوزخ کی آگ ہے اور یہ لوگ سب سے پہلے پہنچائے جائیں گے۔

نکات

یہ آیت کریمہ بھی اس خرافاتی سوچ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس سوچ کا ذکر گزشتہ آیات میں آیا ہے اور مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ حالانکہ اپنے لئے بیٹیوں کو ننگ و عار سمجھتے تھے اور اولاد نرینہ پر فخر کرتے تھے اور انہیں بیٹیوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ (وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى)

پیام

(۱) جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ اللہ کیلئے بھی پسند نہ کرو۔ (يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ)

(۲) بعض اوقات انسان اس قدر اپنے خیالات کی دنیا میں گم ہوتا ہے کہ خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتا ہے (تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى) ایسے افراد کا دوسری آیات میں یوں ذکر ہوا ہے۔ (یحسبون انهم یحسنون صنعا) ایک دوسری آیت میں آیا ہے (لئن رجعت الی ربی ان لی عنده للحسنیٰ)

آیت نمبر 63

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

خدا کی قسم! آپ سے قبل بہت سی قوموں میں ہم رسول بھیج چکے ہیں لیکن شیطان نے ان کے اعمال انہیں خوشنما بنا کر دکھائے پس آج وہی ان لوگوں کا سرپرست ہے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

نکات

(الف) اس آیت کے ذریعے پیغمبر اسلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اے پیغمبرؐ! آپ ان لوگوں کی بے التفاتی سے پریشان نہ ہوں کیونکہ تمام پیغمبروں کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔

پیام

(۱) گزشتہ اقوام کی تاریخ سے صبر اور تحمل کا درس ملتا ہے (اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ)

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے اسم مبارک کی قسم بھی کھاتا ہے (تاللّٰه)

(۳) انبیاء کی بعثت تاریخی تسلسل ہے اور الٰہی طریقہ کار ہے (اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ)

(۴) شیطان بدترین کاموں کو حسن و جمال سے آراستہ کر کے پیش کرتا ہے اور انحرافی کاموں کی توجیہ کر کے انسان کے اندر نفوذ کر لیتا ہے (زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ)

(۵) شیطانی جلووں کا استقبال اس کے تسلط کا مقدمہ ہوتا ہے (زَيَّنَ لَهُمُ ... فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ)
(۶) شیطانی ولایت کوئی لمحہ بھر کیلئے نہیں ہوتی وہ ہر آئے دن اپنے تسلط کیلئے لوگوں کے پیچھے دوڑتا رہتا ہے (فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ)
(۷) شیطانی ولایت کا دائرہ اس دنیا تک محدود ہے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ (فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ)

آیت نمبر 64

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لئے نازل کی ہے کہ آپ ان اختلافات کی حقیقت ان پر کھول دیں جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں اور ایمان لانے والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ثابت ہو۔

پیام

(۱) قرآن کے نزول کا مقصد حق کو باطل سے جُدا کرنا ہے (وَمَآ اَنْزَلْنَا ... اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ)
(۲) سرچشمہ اختلافات انبیاء کی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے (اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ)
(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنی حجت تمام فرمادی ہے (لِتُبَيِّنَ لَهُمُ)
(۴) قرآن کریم حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے، ہدایت وارشاد کا وسیلہ ہے اور رحمت خداوندی ہے۔ (لِتُبَيِّنَ، هُدًى، رَحْمَةً)
(۵) ہدایت اور رحمت خداوندی کے حصول کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی اندرونی سعادت کی راہوں کو مسدود نہ کرے۔ (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

آیت نمبر 65

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○

اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا سننے والوں کیلئے یقیناً اس میں نشانی ہے۔

نکات

(الف) اس سے پہلی آیت میں آسمانی کتاب کے نزول کا ذکر ہے جو قلوب کے زندہ کرنے کا سبب ہے اور اس آیت کریمہ میں

باران رحمت کے نزول کا ذکر ہے۔ جو مردہ زمینوں کے زندہ کرنے کا سبب ہوتی ہے۔

پیام

(۱) قدرتی اور طبعی طور پر پیدا ہونے والی اشیاء (بارش و بادل وغیرہ) کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہیں الٰہی ارادے سے معرض وجود میں آتی ہیں۔ (وَاللّٰهُ اَنْزَلَ)

(۲) زمین بھی انسان کی طرح موت وحیات سے دوچار ہوتی رہتی ہے (فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا)

(۳) برنامہ ہائے الٰہیٰ کا اجرا طبعی اور عمومی ذرائع سے ہوتا ہے۔ (فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ)

(۴) پانی زمین اور اہل زمین کیلئے سرمایہ حیات ہے۔ (فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ)

(۵) عالم فطرت میں تدبیر خداوندی اس کی وحدانیت کی عظیم نشانی ہے (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً)

(۶) خدا شناسی کا بہترین راستہ یہ ہے کہ انسان آیات خداوندی کو غور سے سنے اور پھر ان سے نصیحت حاصل کرے (لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ)

آیت نمبر 66

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○

اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے ان کے شکم میں موجود گوبر اور خون کے درمیان ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے نہایت خوشگوار ہے۔

نکات

(الف) خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا احاطہ کتنا وسیع ہے جہاں وہ آسمانی بادلوں سے بارش نازل کرتا ہے جو سرمایہ حیات ہے وہاں حیوانات کے شکموں سے صاف وشفاف دودھ کو بھی جاری کرتا ہے جو لازمہ حیات ہے۔

(ب) ''فرث'' کا معنیٰ ہے ''معدے میں ہضم شدہ غذا'' ''عبرۃ'' اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے جہالت سے عبور کر کے علم تک رسائی حاصل کی جائے۔

(ج) اگرچہ کلمہ ''انعام'' جمع ہے لیکن جو ''بطونہ'' میں ضمیر ہے وہ واحد ہے یہ اس لئے ہے کہ یہاں چوپاؤں کی صرف ایک اکائی مراد ہے نہ کہ تمام جانور۔

(د) دودھ ایک مکمل غذا ہے جہاں مشروب کے طور پر استعمال ہوتا ہے وہاں بطور غذا بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور تمام جسمانی

ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ روایات میں آیا ہے'' دودھ حافظے کو تیز کرتا ہے۔ ذہن کو جلا بخشتا ہے آنکھوں کو روشن کرتا ہے، دل کو طاقت دیتا ہے۔ کمر کو مضبوط کرتا ہے۔ اور نسیان کو کم کرتا ہے۔

(ذ) جانور صرف ہماری مادی ضروریات کو پورا نہیں کرتے بلکہ ہماری ایمانی ترقی اور روحانی ارتقاء کا سبب بھی بن سکتے ہیں یعنی جو خدا اپنی قدرت سے گھاس چارے کے اندرون سے دودھ نکال سکتا ہے تو کیا وہ قیامت کے دن انسان کو مٹی کے اندر سے باہر نہیں نکال سکتا۔ جو خدا خالص اور صاف و شفاف دودھ کو ہضم شدہ غذا (گوبر) اور خون کے درمیان سے باہر نکال سکتا ہے تو کیا وہ ہمارے اعمال صالحہ کو دوسرے کاموں سے علیحدہ نہیں کر سکتا ؟

(ر) جانور گھاس چارہ کھاتا ہے تو اس کے جسم کے اندر سے دودھ بنتا ہے اس کارخانے میں ضرورت کی ہر شئے موجود ہے دودھ کشید کرنے کی مشینری صاف و شفاف رکھنے کی مشینری، جراثیم کش مشینری، مٹھاس پیدا کرنے والی، گرم رکھنے والی اور رنگ دینے والی مشینری حتیٰ کہ دودھ کو اپنے مرکز میں پہنچانے کا خودکار نظام بھی رکھ دیا گیا ہے۔ جب ہم اس کارخانہ قدرت کو دیکھتے ہیں تو ہماری نگاہ تیل صاف کرنے والے کارخانے پر جا پڑتی ہے تو اس کارخانے کو چلانے کیلئے ایک ماہر انجینئر کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس کے بغیر کارخانہ نہیں چل سکتا۔ تو کیا یہ دودھ کا ،کارخانہ بغیر خالق کے چل سکتا ہے ؟اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :(وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً)

(س) خالص ومخلص انسان وہ ہوتے ہیں جو زندگی کا سفر طے کرتے ہوئے ہر نشیب و فراز سے سیاسی و معاشرتی مسائل سے اور مختلف الطبع دوستوں کے ماحول سے کچھ اس طرح گزر جاتے ہیں کہ نہ تو ان پر اُن کا رنگ چڑھتا ہے اور نہ کوئی دوسرا اثر لیتے ہیں (مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا)

(ش) کسی مشروب کے خوش گوار ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ خالص ہو پینے کا پانی بھی اس وقت اچھا لگتا ہے جب وہ ہر قسم کی آلودگی سے پاک وصاف ہو(خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ)

(ص) کسی چیز کی اچھائی تو اُس وقت ہے کہ اس کا استعمال ہر ایک کیلئے پسندیدہ ہو صرف انسان کیلئے نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا'' سَآئِغًا لَكُمْ '' بلکہ فرمایا ہے'' سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ '' موجودہ دور کی نام نہاد مھذب دنیا میں یہ سنا اور دیکھا جا رہا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں جن اشیاء کے مصرف کی تاریخ ختم ہو جاتی ہے تو اُسے مہاجرین، پناہ گزینوں اور دیگر ضرورت مند لوگوں کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔

(ض) انسانی ذرایع سے دودھ کا استعمال اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس ذات نے جانوروں کو خلق فرمایا ہے اور ان کے اندر دودھ پیدا فرمایا ہے وہ وہی ذات ہے جس نے ہمیں پیدا کیا اور پھر اسے ہماری ضروریات کا علم بھی ہے (نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ)

(ط) نہج البلاغہ میں امام علیؑ کا مکتوب ۲۵ ملاحظہ کیجئے آپ نے یہ خط زکوٰۃ وصول کرنے والے کے نام جاری فرمایا تھا۔ آپ نے لکھا

تھا'' جب تم زکوٰۃ کی وصولی کیلئے جاؤ تو چند اصولوں پر نظر رکھو جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ کچھ دودھ جانوروں کے تھنوں میں باقی رہنے دینا تا کہ اس کا شیر خوار بچہ بھوکا نہ رہ جائے۔ جانور اور اس کے شیر خوار بچے کے درمیان جدائی نہ ڈالنا دوران سفر تھکے ماندہ جانوروں کو آرام کرنے دینا اور انہیں گھاس اور پانی سے محروم نہ کرنا۔

(ظ) جانوروں کو مارنا، لمبے ناخنوں سے ان کے دودھ دوھنا، ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا، اس کے علاوہ کوئی اور ظلم کرنا ممنوع ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی عزت وعظمت کو کون نہیں جانتا کہ جن وانس، جن کے تابع فرمان تھے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانوروں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر دست شفقت پھرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ''فطفق مسحا بالسوق و الاعناق'' ص ۳۳۔

پیام

جانوروں کے شکم میں گوبر خون اور دوسرے فضلہ جات کے ماحول میں دودھ کا پیدا ہونا اور پھر صاف وشفاف صورت میں باہر آنا انسان کیلئے درس عبرت ہے (لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا۔۔۔۔)

آیت نمبر 67

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○

اور اس طرح کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی تم ایک نشے کی چیزیں بناتے ہو اور پاک رزق بھی بنا لیتے ہو عقل سے کام لینے والوں کے لئے اس میں ایک نشانی ہے۔

نکات

(الف) کلمہ ''سُکر'' کا معنیٰ ہے ''عقل کا ضائع کر دینا'' اور کلمہ ''سَکر'' کا معنیٰ ہے جن اشیاء کی وجہ سے عقل ضائع ہو جاتی ہے۔

(ب) گزشتہ دو آیات میں ''پانی اور دودھ'' کا ذکر تھا جو پینے کیلئے طبعی طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن زیر بحث آیت میں ان مشروبات کا ذکر ہے جنہیں ہم پھلوں کو نچوڑ کر اپنے ہاتھوں سے مشروبات بناتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ جو چیزیں قدرت کے عظیم الشان کارخانے میں بنتی ہیں وہ اپنی لطافت اور پاکیزگی کے اعتبار سے منفرد ہوتی ہیں۔ بارش کے پانی اور دودھ کی طرف نظر کر لیجئے لیکن جہاں تک انسانی مصنوعات کا تعلق ہے کبھی تو اُس سے جو رزق حاصل ہوتا ہے وہ بہترین ہوتا ہے لیکن جب اس کے ہاتھ سے ''ام الخبائث'' جیسی چیز بنتی ہے تو فساد اور واہی تباہی کا موجب بنتی ہے۔

پیام

(۱) جو چیز مستی اور نشے کا سبب ہو وہ اچھا رزق نہیں کہلاتی۔(سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا)

(۲) جو چیز خدا نے پیدا کی ہے وہ ہر اعتبار سے اچھی ہے۔لیکن پھر یہ انسان ہے جو ان نعمتوں کو اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے اور اس میں تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔(تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا)

(۳) ان تمام پھلوں اور میوہ جات کی تخلیق میں خالق کائنات کی طرف متوجہ ہونے کی علامات موجود ہیں ان کے مختلف رنگ مختلف ذائقے مختلف خواص کسی کی مدت لمبی کسی کی مدت کوتاہ۔ان سے انسانی ضروریات کی کفالت ان کی پیداواری مقدار انسان کی ان تک رسائی یہ وہ تمام عوامل ہیں جن میں غور وفکر کر کے انسان اپنے خالق تک پہنچ سکتا ہے۔(اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً)

آیت نمبر 68

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ○

اور دیکھیں آپ کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں اپنا گھر (چھتے) بنا۔

نکات

''وحی'' کا معنیٰ ہے''اِشارہ اور ایسا انتقال جو جلدی ہو اور مخفی ہو''اس لفظ کا اطلاق اللہ کے نبیوں کی طرف الٰہی پیغام پر ہوتا ہے اِس کے علاوہ وحی کا اطلاق فطری الہام پر بھی ہوتا ہے۔اس پر دلیل زیر بحث آیت کے علاوہ سورہ قصص کی آیت ہے (و اوحینا الی ام موسیٰ) ہم نے موسیٰؑ کی ماں کی طرف وحی کی۔اس طرح شیطانی وسوسوں کو بھی وحی کا نام دیا گیا ہے۔''ان الشیطان لیوحون الی اولیائھم ''شیطان اپنے دوستوں کو پڑھاتے ہیں۔''(انعام ۱۲۱)

پیام

(۱) جانوروں کی نقل وحرکت اور دوڑ دھوپ اور گھر بنانے کی کوششیں اس غریزے کی بنیاد پر ہوتی ہے جسے خدا نے ان کے اندر پیدا فرمایا ہے۔(وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ)

(۲) شہد کی بہترین قسم وہ ہے جو پہاڑوں میں شہد کی مکھیاں بناتی ہیں۔وہ پہاڑی پھولوں اور نباتات سے استفادہ کرتی ہیں اور نہ وہ مصنوعی میٹھا مواد جو شہد کے چھتہ کے پاس رکھا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں اسے اپنی غذا بنا کر شہد تیار کرتی ہیں (اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ ۔۔ وَّمِنَ الشَّجَرِ ۔۔۔)

آیت نمبر 69

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

پھر ہر (قسم کے) پھل (کا رس) چُوس لے اور اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر چلتی رہ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفاء ہے لوگوں کیلئے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

نکات

(الف) اس آیت میں اور اس آیت سے پہلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے پیٹ سے باہر آنے والے دو قسم کے مواد کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو انسانی زندگی کیلئے سرمایہ حیات ہیں جن کو پینے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ان میں سے ایک دودھ ہے اور دوسری شہد ہے۔

(ب) گزشتہ دو آیات میں ہم نے پڑھا ہے کہ انسان میوہ جات سے نشہ آور چیزیں بناتا ہے (تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا) لیکن جانور ان میوہ جات سے شہد بناتے ہیں جس میں شفاء ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے اپنی دانش وحکمت سے بھرپور اپنے بامقصد نظام میں غفلت و بیکاری اور کاہلی کو قابل نفرت شمار کیا ہے۔ لہذا قرآن مجید میں جہاں بھی خورد ونوش کی بات آئی ہے تو وہاں پر کچھ ذمہ داریوں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ مثلاً

"كُلُوْا .. وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" اور نیک اعمال بجالاؤ (مومنون ۵۱)

"فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا ...○ خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ (حج ۲۸)

"كُلُوْا .. وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ ...○ کھاؤ اور خدا کا شکر بجالاؤ۔ (بقرہ ۱۷۲)

"كُلُوْا ... وَلَا تُسْرِفُوْا ...○ کھاؤ اور اسراف نہ کرو۔ (انعام ۱۴۱)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں شہد کی مکھی کو کھانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس حکم کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس مقصد اور ہدف کیلئے تجھے خلق کیا گیا ہے اس کے مطابق خوراک کھانا۔

(د) ''اولیاء اللہ'' نحل کی مانند ہیں اور زندگی کے سفر میں پستیوں اور ذلتوں سے دور رہتے ہیں روحانی بلندیوں کو اپناتے ہیں معارف الٰہیہ سے استفادہ کرتے ہیں اپنے رب کے مقرر کردہ راستوں کو نہایت ہی تواضع اور انکساری سے طے کرتے ہیں ان کے دَھن اقدس سے علم وحکمت اور حلاوت معنوی کے صاف وشفاف چشمے جاری ہوتے ہیں۔

پیام

(۱) جانوروں کی نقل وحرکت فرمان الٰہی کے مطابق ہوتی ہے جو غریزے کی صورت میں ان کے خمیر میں داخل ہے (ثُمَّ كُلِيْ)

(۲) شہد مختلف قسم کے ثمرات کا جوہر ہے۔ (كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ)

(۳) جانوروں کی صرف جائے رہائش اور خوراک کا انتخاب الٰہی ہدایت کے مطابق نہیں بلکہ ان کی زندگی کے تمام امور اسی کی رضا

کے مطابق ہیں۔ (سُبُلَ رَبِّكِ)

(۴) جس راہ کو اللہ نے جانوروں کیلئے منتخب فرمایا تو وہ اس راہ پر عاجزانہ انداز میں چل رہے ہیں۔ (سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا)

(۵) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا عظیم الشان معجزہ کہ ایک ننھے منے جانور کے پیٹ کے اندر ''شہد سازی'' کا عظیم کارخانہ ہے۔ (يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا)

(۶) قدرتی طور پر شہد کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ (مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ) کسی کا رنگ سفید ہے تو کسی کا سرخ اور کسی کا زرد شاید یہ اختلاف پھولوں کے مختلف رنگوں کی وجہ سے ہو۔

(۷) نباتات اور پھولوں میں علاج کیلئے طبی خواص موجود ہیں۔ شہد کے ذریعے ہمارے امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ (فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ) یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ شہد تمام بیماریوں کا علاج نہیں ہے اس لئے اسم نکرہ کی صورت میں ''شفاء'' کہا گیا ہے۔

(۸) شہد کی مکھی ایک ننھا منا سا جانور ہے جب ہم غور کرتے ہیں تو اس کا ذمہ یہ کام بہت زیادہ نظر آتا ہے وہ گھر بناتا ہے وہ موم بناتا ہے وہ دفاع کیلئے زہر بھی بناتا ہے شہد بھی پیدا کرتا ہے اس جانور میں اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔ (لَاٰيَةً)

(۹) یہ تمام درس اور عبرتیں ان افراد کیلئے ہیں جو فکر و نظر رکھتے ہیں (لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ) اور نہ ایسے لوگ کثرت کے ساتھ ہیں جو ساری زندگی اللہ کی اس نعمت شہد کو استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن لمحہ بھر کیلئے بھی اس میں غور و فکر نہیں کرتے۔

آیت نمبر 70

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○

اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا پھر وہ تمھیں موت دیتا ہے اور تم میں سے بعض انتہائی لمبی عمر تک پہنچائے جاتے ہیں یہاں تک کہ دانائی کے بعد ایسے ہو جاتے ہیں کہ کچھ جانتے سمجھتے نہیں اور حق یہ ہے کہ اللہ ہی علم میں بھی کامل ہے اور قدرت میں بھی۔

نکات

(الف) ''اَرْذَل،، کا لفظ ''رَذْل'' سے لیا گیا ہے جس کے معنیٰ ہیں ''پست اور بے قیمت''

زندگی کا پست ترین دور وہ ہوتا ہے جس میں انسان کو کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اور اُس کی فراموشی اپنی آخری حدود کو چھونے لگتی ہے۔ سورہ حج کی آیت ۲۰ بھی اس آیت سے مشابہت رکھتی ہے۔

(ب) بڑھاپے کی عمر میں فراموشی اور نسیان عام افراد کو لاحق ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ جیسے حضرت نوحؑ اور حضرت امام محمد مہدیؑ ہیں اتنی طویل عمر کے باوجود غفلت، سستی اور فراموشی، ان کے نزدیک نہیں آسکتی۔

پیام

(۱) موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ)

(۲) انسان کی قیمتی ترین اور فائدہ مند عمر وہ ہوتی ہے جس میں وہ علم وآگاہی سے وابستہ ہوتا ہے جس عمر میں فراموشی اور غفلت ہو وہ عمر بے کار ہوتی ہے۔ (اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ)

(۳) طولانی عمر ہر ایک کے مقدر میں نہیں ہے۔ (وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ)

(۴) انسانی زندگی میں تغیر وتبدل پیدا ہوتے رہتے ہیں کبھی انسان شہ زور ہوتا ہے اور کبھی کمزور، کبھی وہ صاحب علم ہوتا ہے اور کبھی اس سے یہ نعمت لے لی جاتی ہے کبھی وہ بھرپور حافظہ رکھتا ہے اور کبھی اس پر نسیان کا غلبہ ہو جاتا ہے یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کاملہ کے مطابق ہوتا ہے۔ (اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ)

آیت نمبر 71

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ○

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے پھر جنہیں فضیلت دی گئی ہے تو وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دیا کرتے ہوں تاکہ دونوں اس رزق میں برابر ہو جائیں تو کیا اللہ ہی کا احسان ماننے سے ان لوگوں کو انکار ہے۔

نکات

(الف) ہر موقع ومحل پر مختلف سلوک کے مختلف نتائج ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر رحم کرنا اچھی بات ہے لیکن کبھی اچھا نہیں ہے۔ بقول شاعر

ترحم بر پلنگاں تیز دنداں ستم کاری بود بر گوسفنداں

خونخوار چیتے پر رحم کرنا بھیڑ بکریوں پر ظلم ہی ظلم ہے۔

کسی کو زیور علم سے آراستہ کرنا ایک قابل تعریف کام ہے لیکن بعض لوگوں کو تعلیم دینا ایسے ہے جیسے بدمست زنگی کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ لیکن ایک صفت عدل ہے جس کا اپنانا ہر جگہ قابل تعریف ہے۔ عدل وانصاف کرنا ہمیشہ اور ہر جگہ پسندیدہ ہے۔ لیکن عدالت کا یہ مقصد بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک ہی درجہ کی استعداد دے دے کیونکہ اگر دنیا کے تمام لوگ مال ودولت میں برابر ہو جائیں۔ تو پھر تعاون وہمکاری ایک دوسرے کی خدمت گذاری کا نظام نیست ونابود ہو جائے جو کہ معاشرتی زندگی کی اہم ترین

ضرورت ہے۔ خداوند تعالیٰ نے سورہ زخرف کی آیت ۳۲ میں فرمایا ہے: (وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا) ہم نے بعض انسانوں کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے تا کہ اس طریقے سے ایک دوسرے سے کام لے سکو۔ کلمہ ''سُخْرِيًّا'' کا معنی ہے تسخیر اور خدمت کرنا اور کلمہ ''سِخریا'' کا معنیٰ ہے ٹھٹھہ مذاق کرنا۔

(ب) مال و رزق کے لحاظ سے انسانوں کے درمیان تفاوت اللہ تعالیٰ کا ایک حکیمانہ نظام ہے کیونکہ اگر تمام لوگ معاشی طور پر یکساں ہوتے تو ان سے معنوی کمالات ظاہر نہ ہو سکتے مثلاً سخاوت، صبر، ایثار، حمایت، شفقت اور تواضع جیسی عظیم الشان صفات ان کا اظہار تو اس وقت ممکن ہے جب لوگوں کے درمیان تفاوت موجود ہو۔

(ج) ممکن ہے آیت کا معنیٰ کچھ اس طرح ہو'' کہ خداوند تعالیٰ لوگوں کے بخل پر تنقید کر رہا ہو کہ تم مالدار لوگ کس بنا پر اپنے ماتحت افراد کو اپنی آسانیوں اور سہولتوں میں کیوں شریک نہیں کرتے؟''

یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا معنی یہ ہو'' کہ بعض نعمتیں ایسی ہیں جو ایک دوسرے کو منتقل نہیں کی جا سکتیں مثلاً چہرے کا حسن و جمال، آواز کی شیرینی، عقل کی بلندی، نابغہ بننے کی صلاحیت، لوگوں کے دلوں میں ہر دلعزیزیت، تاثیر کلام ایسی نعمتیں ہیں جو منتقل نہیں کی جا سکتیں۔ یہ تفاوت تکامل کی علامت ہے اور الٰہی نعمات میں سے ایک نعمت ہے۔ تم اس کا کیوں انکار کرتے ہو؟''

(د) بعض اوقات کچھ کامیابیاں ظلم، حق کُشی اور استثمار سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسلام نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔

بعض اوقات رزق کی وسعت سو فیصد حلال ذرائع سے قدرتی طور پر ہوتی ہے اس امر کو مثال کے ذریعے سمجھایا جا سکتا ہے کہ دو آدمی مچھلی پکڑنے کیلئے دریا میں جال ڈالتے ہیں جب وہ دونوں اپنا اپنا جال کھینچتے ہیں تو ایک کا جال مچھلیوں سے بھرا ہوا نکلتا ہے جبکہ دوسرے کا بالکل خالی یا اس میں چند ایک مچھلیاں ہوتی ہیں۔ ایسے مقام پر فقر و غنا اللہ کی طرف سے ہے جو امیر اور غریب کی آزمائش اور ان کی صلاحیتوں کے اظہار کیلئے ہوتا ہے اور اس میں کوئی منفی پہلو نہیں ہوتا اور یہ آیت اس قسم کی صورتوں کو بیان کر رہی ہے۔ (و اللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق) اللہ نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔

(ذ) حضرت ابوذر غفاری نے رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تم اپنے غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ مساوات کا سلوک کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جو لباس تم خود پہنتے ہو انہیں بھی پہناؤ اور جو کھانا خود تم کھاتے ہو انہیں بھی کھلاؤ (انما ھو اخواتکم فاکسوھم مما تکسون و اطعموھم مما تطعمون) (تفسیر کنز الدقایق)

پیام

(۱) انسان کو ہمیشہ رزق اپنی کوششوں اور ذاتی صلاحیتوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ (و اللہ فضل بعضکم) ایک اور مقام پر فرمایا (نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ) ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کر دی) سورہ زخرف ۳۲)

(۲) جب انسان اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا کہ اپنی معاش میں اپنے ماتحتوں کو شریک کرے۔ تو پھر وہ بتوں کو خدا کا شریک قرار دینے پر کیسے آمادہ ہو جاتا ہے۔ (فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا ... فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ)

(۳) لوگوں سے بے غوری اور ان کی مدد نہ کرنا کفران نعمت خداوندی ہے (اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ)

آیت نمبر 72

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ○

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور اُس نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے پوتے عطا کئے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کیلئے دیں پھر کیا یہ لوگ یہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی باطل پر ایمان لائیں گے اور اللہ کی نعمت کا انکار کریں گے؟

نکات

(الف) تفسیر طبری میں لفظ ''حَفَدَةً'' کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ اس لفظ کے بہت سے معانی ہیں اور وہ یہ ہیں داماد، اولاد، پوتے، نواسے حتیٰ کہ معاونین اور خدمت گاروں اور بیوی کے پہلے شوہر کی اولاد پر بھی بولا جاتا ہے۔

تفسیر المیزان میں ہے ''حَفَدَةً'' ''حافدٌ'' کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے کام میں تیزی ''کیونکہ انسان کے قریبی رشتہ دار جلدی کے ساتھ تعاون کیلئے پہنچتے ہیں اس لیے انہیں ''حَفَدَةً'' کہا جاتا ہے۔

(ب) سوال: اس آیت میں بیٹوں کا ذکر آیا ہے بیٹیوں کا ذکر نہیں آیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ بھی تو ممکن ہے کہ لفظ ''بنون'' میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں بھی شریک ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آیت میں لفظ ''طیبات'' سے بیٹیاں مراد ہوں۔ جیسا کہ سورہ نور کی آیت ۲۶ میں ہے ''الطیبات للطیبین'' اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ ''حَفَدَةً'' کے ہوتے ہوئے بیٹیوں کے نام لینے کی ضرورت بھی نہ ہو کیونکہ نواسوں کے ذکر سے بیٹیوں کا ذکر خود بخود آجاتا ہے۔

پیام

(۱) بیوی اور اولاد اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ بیوی باعث سکون اور اولاد سرمایہ اُمید ہے (وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ ... اَزْوَاجًا ... بَنِيْنَ)

(۲) بیوی اور شوہر کا ہم جنس ہونا اللہ کی مہربانی اور حکمت ہے۔ (وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ)

(۳) ازدواجی زندگی خدا کا ایک مدبرانہ نظام ہے۔ (وَاللّٰهُ جَعَلَ ... اَزْوَاجًا)

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے روحانی اور نفسیاتی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ (مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ... حَفَدَةً) اور مادی ضروریات بھی عطا فرماتا ہے۔ (وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ)

(۵) رزق کی مرغوبیت اور اس کا لذت سے بھرپور ہونا یہ بھی اللہ کی مہربانیوں میں سے ہے۔ (وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ)

(۶) ازدواجی زندگی نہ اپنانا اولاد نہ ہونے دینا اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے استفادہ نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے اور حق سے دُوری ہے۔ (جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ... اَزْوَاجِكُمْ ... وَّرَزَقَكُمْ ... اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ)

(۷) شوہر یا بیوی کی موجودگی میں زنا کاری اور رزق حلال کی موجودگی میں حرام خواری کفرانِ نعمت ہے۔ (وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ)

(۸) انسان کو اپنی بقا سے یا اپنی یادگار کی بقاء سے شدید محبت ہوتی ہے۔ (جَعَلَ لَكُمْ ... مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ... بَنِيْنَ وَحَفَدَةً)

(۹) سب سے پہلے اپنے مخاطب کو اللہ کی نعمتوں اور اُس کے لطف و کرم کے ذکر کے سننے پر آمادہ کیا جائے پھر اُس پر تنقید کی جائے۔ (جَعَلَ لَكُمْ ... مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ... وَّرَزَقَكُمْ ... اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ)

آیت نمبر 73

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ○

اور اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ ان کو پُوجتے ہیں جن کے ہاتھ میں نہ آسمانوں سے انہیں کچھ بھی رزق دیتا ہے نہ زمین سے اور نہ ہی وُہ اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔

آیت نمبر 74

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○

پس اللہ کیلئے مثالیں نہ بنایا کرو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

نکات

(۱) مشرکین اللہ تعالیٰ کو بادشاہ سمجھتے تھے اور بتوں کو اُس کا وزیر خیال کرتے تھے۔ یہ آیت اس طرح کی تشبیہات کی نفی کرتی ہے۔ فارسی شاعر قاآنی نے کیا خوب کہا ہے۔

لے ہمہ ہستی تو پیدا شدہ خاک ضعیف از تو توانا شدہ

زیر نشینت ہمہ ی کائنات ما بہ تو قائم چہ تو قائم بہ ذات
ہستی تو ہستی پیوند، نہ تو بہ کس و کس بہ تو مانند، نہ

اے وہ عظیم ذات کہ تو نے پوری کائنات کو خلق فرمایا اس کمزور و بے توانا مٹی کو تو نے ہی توانائی عطا فرمائی۔
تمام کائنات تیرے زیر نگین ہے۔ ہمارا وجود تیری وجہ سے ہے اور تو اپنے ہونے میں کسی کا محتاج نہیں تو کسی کے مشابہ نہیں ہے اور نہ تیرے کوئی مشابہ ہے۔

پیام

(۱) معبود کو رازق اور قادر ہونا چاہئے لیکن مشرکین نے جو معبود بنائے ہوئے ہیں اور جنہیں وہ خدا کا شریک سمجھتے ہیں وہ ان صفات سے عاری ہیں (وَيَعْبُدُوْنَ ... مَا لَا يَمْلِكُ ...)
(۲) بت اور ان کے خود ساختہ معبود نہ تو اس وقت رزق دے سکتے ہیں اور نہ آیندہ اس پر قدرت مند ہیں (لا یستطیعون)
(۳) تمہارے خیالی معبود نہ تو آسمان سے بارش برسانے پر قادر ہیں اور نہ ہی زمین سے نباتات اگانے پر۔ (رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)
(۴) خود ساختہ معبود نہ صرف بڑے بڑے کام ہی انجام دے سکتے ہیں بلکہ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتے۔ (رِزْقًا ... شَيْـًٔا)
(۵) اللہ کے ساتھ تشبیہ دینے کا اصل سبب جہالت ہے (فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ... وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ)

آیت نمبر 75

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے ایک شخص غلام ہے جو دوسرے کی ملکیت ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا دوسرا (شخص) ایسا ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دے رکھا ہے پس وہ اس رزق میں سے پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ تعریف کامل تو اللہ کیلئے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

آیت نمبر 76

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

اللہ ایک اور مثال دیتا ہے دو شخص ہیں ایک گونگا بہرا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے جدھر بھی وہ اسے روانہ کرے کوئی بھلائی کا کام اس سے بن نہ آئے دوسرا شخص ایسا ہے کہ انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود صراط مستقیم پر قائم ہے بتاؤ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟

پیام

(۱) جب تم لوگ دو انسانوں (آقا و غلام) کو برابر نہیں سمجھتے تو پھر خالق اور مخلوق کو کیسے برابر سمجھتے ہو؟ (هَلْ يَسْتَوِيْ)

(۲) سوال و مثال کے ذریعے لوگوں کے ضمیروں کو بیدار کیا جائے اور انہیں غور و فکر پر آمادہ کیا جائے (ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ... هَلْ يَسْتَوٗنَ)

(۳) لوگوں کے شرک کی بنیاد جہالت ہے۔ (بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)

(۴) آزادی خدا کی ایک نعمت ہے (لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ)

(۵) ''رزق حسن'' اس وقت خوبصورت ہے اور قابل قدر ہے جب اسے خرچ بھی کیا جائے (رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ)

(۶) بولنے والی زبان بھی اس وقت قابل تعریف ہے جب عدالت سے کام لے (وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ)

(۷) چھپا کر خرچ کرنا اعلانیہ خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ لفظ ''سر'' لفظ ''جھر'' سے پہلے ہے۔

(۸) زبان روزی کی چابی ہے۔ (لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ... لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ)

(۹) امر بالمعروف اس وقت موثر ہوتا ہے جب وہ صراط مستقیم کیلئے ہو۔ (يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)

(۱۰) جو لوگ دوسرے لوگوں کے آقا و مالک ہیں وہ اپنی طرف سے کسی چیز کے بھی مالک نہیں یہ سب رزق الٰہی ہے (آیت میں لفظ ''مملوك'' کے مقابلے میں لفظ ''مالك'' نہیں بلکہ ''رزقناہ'' آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں ''ہم نے اُسے رزق دیا ہے''

آیت نمبر 77

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اور زمین و آسمان کے سربستہ حقائق کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور قیامت کے برپا ہونے کا معاملہ تو ایسا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی قریب تر یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نکات

(الف) ''غیب'' کا لفظ ''شھود'' کے مقابلے میں ہے اور ایک نسبتی امر ہے۔ ممکن ہے کہ ایک چیز کسی کیلئے غیب ہو مگر وہی چیز کسی دوسرے کیلئے ظاہر اور حاضر ہو۔

(ب) ''امر الساعۃ'' کا معنیٰ ہے ''قیامت کا واقع ہونا'' جو ''غیب'' کے اہم ترین مصداقوں میں سے ہے اور یہ بھی اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے قیامت کے معاملے کو ہم سے مخفی رکھا ہوا ہے۔

(ج) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت مشرکین کی ان تشبیہات کا جواب ہو جن کا ذکر سابقہ آیات میں ہے یعنی اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو وہ اسے ضرور جانتا کیونکہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(د) انسانی بدن موت کے بعد منتشر ہو جاتا ہے اور اس کے ذرات زمین پر بکھر جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں اور اللہ غیب کو جانتا ہے لہذا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ نہ صرف عالم غیب ہے بلکہ مالک غیب بھی ہے (وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)

(۲) اُس پر کوئی کام سخت نہیں ہے، حتیٰ کہ قیام قیامت بھی (وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ)

(۳) امور باطنی اور غیبی قیامت کے دن ظاہر ہو جائیں گے۔ (وَلِلّٰهِ غَيْبُ ... عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)

(۴) قیامت کا وقوع حتمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور وہ دوبارہ اُٹھانے پر بھی قادر ہے (وَلِلّٰهِ غَيْبُ ... عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)

(۵) اللہ تعالیٰ ہر کام کے مقدمات کو حذف بھی کر سکتا ہے اور اسے مختصر بھی اور اسے تیز بھی کر سکتا ہے۔ (كَلَمْحِ الْبَصَرِ)

(مقدمات حذف کرنے کی مثال حضرت عیسیٰ کا گہوارہ میں کلام کرنا مقدمات میں تیزی کی مثال حضرت سلیمان کے پاس ملکہ بلقیس کے تخت کا پلک جھپکنے میں آنا۔)

آیت نمبر 78

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اس نے تمہیں تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے اس لئے کہ تم شکر گزار بنو۔

نکات

(الف) لفظ ''اُمھات'' ''اُم'' کی جمع ہے ''اُمات'' کو ''اُمھات'' کہا جاتا ہے حرف ''ھا'' جمع میں زائد ہے۔

پیام

(۱) بچے کا ماں کے پیٹ سے باہر آنا اللہ کے حکم کے تحت ہوتا ہے (وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ)

(۲) انسان کے اندرونی نقائص اور گزشتہ چیزوں کے فقدان کی یاد اس کے دل میں شکر گزاری کے جذبات کو بیدار کرتی ہے۔ (لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)

(۳) یہ الٰہی حکمت وسنت ہے کہ ہر کام وسیلہ سے طے ہو اس لئے علم کے حصول کیلئے آنکھ، کان اور دل کو خلق فرمایا (جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ ...)

(۴) آنکھ سے قبل کان اپنا کام شروع کرتے ہیں (کان ماں کے پیٹ میں بھی اپنا کام اپنی تخلیق کے ساتھ شروع کر دیتے ہیں جبکہ آنکھیں ولادت کے بعد بھی کچھ دیر تک بند رہتی ہیں۔ شاید اسی بنا پر آیت میں کان کا ذکر پہلے ہے اور آنکھ کا بعد میں ہے۔ (جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ)

(۵) ہر نعمت کا شکر یہ ہے کہ اسے الٰہی حدود کے اندر استعمال کیا جائے کیونکہ قرآن کریم نے ان لوگوں پر شدید نکتہ چینی کی ہے جو آنکھیں رکھتے ہیں اور حقائق کو نہیں دیکھتے کان بھی رکھتے ہیں لیکن حق بات نہیں سنتے۔ (جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ .... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)

(۶) آنکھ اور کان جیسی عظیم نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ ان کے ذریعے تحصیل علم کیا جائے کیونکہ آیت کا ابتدائی پیغام یہ ہے کہ ''تم نہیں جانتے تھے ہم نے تمہیں آنکھ، کان دیئے تا کہ تم شکر ادا کرو یعنی تحصیل علم کرو۔ (جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ .... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)

آیت نمبر 79

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں اللہ کے سوا کس نے انہیں تھام رکھا ہے اہل ایمان کیلئے یقیناً ان میں نشانیاں ہیں۔

نکات

(الف) اس سورت کی جھلک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں اللہ کی نعمات کا ذکر ہے اور ان نعمتوں کے ذریعے ان کے خالق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مثلاً آب باران، جانوروں کا دودھ، ثمرات، شہد، ازدواجی زندگی اور اولاد جیسی نعمات کا تذکرہ گزشتہ

آیات میں ہو چکا ہے اب اس آیت اور بعد کی آیات میں پرندوں، چوپاؤں کی کھال، اون اور پشم جیسی نعمات کا ذکر ہے علاوہ ازیں پہاڑوں سے فوائد حاصل کرنے کا تذکرہ بھی ہے۔

(ب) کبھی پرندے اکیلے اکیلے اڑتے ہیں اور کبھی اجتماعی صورت میں اڑتے ہیں کبھی منظم ہو کر اڑتے ہیں اور کبھی غیر منظم ہو کر کبھی بھاگنے کیلئے اور کبھی خوراک سے حصول کیلئے اڑتے ہیں ہر پرندہ اپنے مناسب پروں اور مخصوص وزن اور اپنی ضرورت کے مطابق پرواز کرتا ہے یہ تمام اُمور صاحبان عقل کیلئے خالق کی طرف توجہ کا سبب بنتے ہیں۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور جو لوگ غور و فکر نہیں کرتے ان پر تنقید فرماتا ہے۔ (اَلَمْ یَرَوْا)

(۲) پرندے ہر حالت اور ہر جگہ میں اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ (مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ)

(۳) یہ سائنسی آلات و وسائل کی موجودگی ہمیں الٰہی طاقت سے غافل نہ کر دے یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ (مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ)

(میں ایک دن ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا کہ دوران سفر کیپٹن نے اعلان کیا کہ ہم چند منٹوں میں ائرپورٹ پر اترنے والے ہیں میں نے اس سے کہا کہ آپ نے انشاءاللہ کیوں نہیں کہا، اس نے کہا، جہاز کے کمپیوٹر نے ہمیں وقت، سفر اور فاصلے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے اب انشاءاللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا: یہ جو آئے دن جہاز گرتے رہتے ہیں کیا ان میں کمپیوٹر نہیں ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے کمپیوٹروں کا محتاج نہیں ہے۔ اُس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اعلان کیا۔ ہم انشاءاللہ تھوڑی دیر بعد ائرپورٹ پر اترنے والے ہیں'' اس پر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا)

(۴) پرندوں کی حیران کن پرواز میں ایک دو نشانیاں نہیں ہیں بلکہ کئی نشانیاں ہیں (لَاٰیٰتٍ) لیکن ان آیات سے فائدہ اٹھانا صرف اہل ایمان کا کام ہے۔

آیت نمبر 80

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○

اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا ہے اور اُس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لئے ایسے گھر بنائے جنہیں تم سفر اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو اس نے جانوروں کی اُون صوف اور بالوں سے تمہارے لئے پہننے اور برتنے

کی بہت سی چیزیں پیدا کیں جو ایک مدت تک تمہارے کام آتی ہیں۔

نکات

لفظ ''بیت'' ''بُیُوْتِکُمْ '' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے ایسا مقام استراحت جہاں پر انسان رات بسر کرے ''ظَعْنِکُمْ '' کا معنیٰ ہے ''کوچ کرنا اور چلنا'' ''اَثَاثًا'' کا معنیٰ ہے ''گھر کا اضافی سامان'' ''تَسْتَخِفُّوْنَهَا'' سے مراد ایسے خیمے جن کی نقل وحمل آسان ہوتی ہے۔

پیام

(۱) گھر ''سکھ اور چین کی جگہ ہے۔(بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا)

(۲) جانوروں کے فوائد یعنی ان کی کھال، پشم، اون اور بالوں سے غافل نہیں رہنا چاہیے یہ تمام چیزیں زندگی کے اسباب ہیں اور ان سے خیمے بھی بنائے جاتے ہیں۔(مَتَاعًا)

(۳) نعمتوں سے استفادہ کرنے کا زمانہ محدود ہے۔(اِلٰی حِیْنٍ)

(۴) انسانی ضروریات اور نعمات خداوندی میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے انسانی جسم کی جانوروں کی کھالوں، پشم اور اون وغیرہ سے مناسبت الٰہی تدابیر میں سے ایک اہم تدبیر ہے۔(جَعَلَ لَکُمْ ، جَعَلَ لَکُمْ)

(۵) جانوروں کی کھال ہو یا ان کی پشم اور اون کتنے نرم و نازک ہوتے ہیں ان کی نزاکت اور نرمی بھی الٰہی نعمت ہے۔(تَسْتَخِفُّوْنَهَا)

آیت نمبر 81

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ○

اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ بہت سی چیزوں سے تمہارے لئے سائے کا انتظام کیا پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ گاہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسی پوشاکیں بنائیں تاکہ وہ تمہیں گرمی سے محفوظ رکھیں اور ایسی پوشاکیں جو تمہیں جنگ سے بچائیں اس طرح اللہ تم پر اپنی نعمات کی تکمیل کرتا ہے شاید تم فرمان بردار بن جاؤ۔

نکات

(الف) لفظ ''اَکْنَانًا'' ''کن'' کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے ''چھپنے کا وسیلہ'' اس آیت کریمہ میں اس سے مراد ''پہاڑوں کے اندر

موجود غار اور سرنگیں ہیں''۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت کے اندر شہر میں بسنے والے لوگوں کیلئے گھر کی نعمت کو بیان فرمایا ہے۔(جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا) اور خانہ بدوشوں کیلئے خیمے کی نعمت کو بیان فرمایا (وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا) اور اس آیت میں غار میں رہنے والوں کیلئے غار کی نعمت کو بیان فرمایا(وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا)

(ج) ویسے تو لباس کی مختلف قسمیں ہیں ان میں صرف ''سرابیل (قمیص) کا ذکر آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرد وزن اور بوڑھے جوان سب کیلئے ہر حال میں ضروری ہوتا ہے اور تمام بدن کو چھپائے رکھتا ہے۔

(د) صاحب تفسیر المیزان نے فرمایا ہے کہ یہ عربوں کی عادت رہی ہے کہ وہ دو متضاد چیزوں میں سے صرف ایک کا نام لیتے ہیں حالانکہ ان کی مراد دونوں چیزیں ہوتی ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی ''تَقِيْكُمُ الْحَرَّ'' سے مراد وہ لباس ہے جو انسان کو سردی اور گرمی دونوں سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ آیت میں تذکرہ صرف گرمی کا ہے۔

پیام

(۱) جب انسان نعمتوں کا ذکر کرتا ہے اور ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کا دل نعمت کے ساتھ تعلق بڑھ جاتا ہے اور اس کے اندر تسلیم ورضا اور بندگی وعبادت کی روح زندہ ہو جاتی ہے۔(کلّ آیہ)

(۲) سائے کی اہمیت وافادیت روشنی اور نور سے کچھ کم نہیں ہے (جَعَلَ لَكُمْ ... ظِلٰلًا)

(۳) نعمتوں سے استفادہ ان کے خالق سے ہمیں غافل نہ کر دے۔(اس آیت میں ''جَعَلَ'' کا لفظ تین بار آیا ہے اور ''خَلَقَ'' کا لفظ ایک بار آیا ہے۔)

(۴) ''زرہ اور جنگی دفاع'' کا لفظ جو لوہے کا نرم ہو جانے کے ساتھ اور تکنیک سے تیار کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں سے ہے (جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ .... تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ)

(۵) لوگوں کی نعمتوں کی طرف اور ان کے خالق کی طرف متوجہ کرنا سرکشی اور غرور وتکبر سے بچانے کا بہترین راستہ ہے۔(يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ)

(۶) گفتگو کرتے وقت مخاطب کی نفسیات اور اس کے ماحول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، ہوتا ہے۔(اگرچہ لباس سردی سے بچاتا ہے حسن اور جمال میں اضافہ بھی کرتا ہے لیکن حجاز کے علاقہ کی سب سے بڑی مشکلات وہاں کی گرمی اور جنگ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیت میں ان دو فوائد گرمی سے بچاؤ اور جنگ میں محفوظ رہنے کی طرف اشارہ فرمایا (سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ .... تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ)

آیت نمبر 82

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ○

اب اگر یہ منہ موڑتے ہیں تو (اے رسول) تم پر واضح انداز میں پیغام حق پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

پیام

(۱) انسان مکتب اور عقیدے کے انتخاب میں خود مختار ہے جس کی دلیل انبیاء کی دعوت کے مقابلے میں انسانی سرکشی اور روگردانی ہے۔(فَاِنۡ تَوَلَّوۡا ...)

(۲) انبیاء کا وظیفہ ابلاغ ہے اجبار نہیں ہے۔(فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ)

(۳) تبلیغ ہمیشہ روشن اور واضح ہونا چاہئے اس میں کسی قسم کا شک وابہام نہ ہو۔(الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ)

(۴) اگر انسان کے اندر روح سلیم نہ ہو تو واضح ترین تبلیغ (الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ) اور انبیاء جیسے پاکیزہ ترین افراد کی تعلیم بھی اثر نہیں کر سکتی (فَاِنۡ تَوَلَّوۡا ...)

آیت نمبر 83

يَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنۡكِرُوۡنَهَا وَاَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ○

یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچان لیتے ہیں، پھر اس کا انکار کر دیتے ہیں ان میں سے اکثر تو کافر ہیں۔

نکات

(الف) قرآن مجید نے اس امر کا بار بار ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ سب کچھ جاننے کے باوجود حق سے انکاری ہیں اور ہمیشہ ہٹ دھرمی کو اپنانے والے ہیں۔اس لئے ایک مقام پر فرمایا: (وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ) اندر سے یقین رکھتے ہیں پھر بھی انکار کرتے ہیں (نمل ۱۴)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: یہ لوگ پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں، پھر بھی انکار کرتے ہیں۔(يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ) (بقرہ ۱۴۶) کبھی کہا: ''يَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ'' حق کو جانتے ہیں پھر بھی اسے چھپاتے ہیں (بقرہ ۱۴۶) اور کبھی فرمایا: (فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ) بات کو سمجھتے ہیں لیکن اسے چھپاتے ہیں۔(بقرہ ۱۸۹)

(ب) حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں ''کہ جب امام علیؑ نے مسجد نبوی میں حالت رکوع میں سائل کو انگوٹھی دی تھی تو اس پر سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۵ آیت ولایت نازل ہوئی'' کہ تمہارا ولی صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ ہیں جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں'' اس واقعہ کے بعد لوگوں نے اپنے آقا و مولا (امام علیؑ) کو پہچان لیا تھا لیکن بعد میں منکر ہو گئے تھے۔تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی (یعرفون نعمت اللہ ثم ینکرونہا) (تفسیر کنز الدقائق)

(ج) حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں ''نحن واللہ نعمت اللہ التی انعم بہا علی عبادہ و بنا یفوز من فاز'' خدا کی

قسم ہم ہی وہی نعمت ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کو بطور انعام عطا کی ہے اور صرف ہماری وجہ سے لوگوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ (بحار الانوار، ج ۸، ص ۲۴۵)

پیام

(۱) صرف علم وشناخت رکھنا ہی کافی نہیں اسے قبول کرنا اور عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ (یَعْرِفُوْنَ ... یُنْکِرُوْنَهَا)

(۲) کفر کے بنیادی اسباب جہالت کے علاوہ ملی تعصب ہٹ دھرمی اور مادی مفادات کا تحفظ ہیں۔ (یَعْرِفُوْنَ ... یُنْکِرُوْنَ ... الْکٰفِرُوْنَ)

(۳) حق کی شناخت کے بعد ایک عرصہ اندرونی کشمکش جاری وساری رہتی ہے بالآخر بدبختی غالب آجاتی ہے اور انسان کفر کی وادی میں گم ہوجاتا ہے۔ (ثُمَّ یُنْکِرُوْنَهَا) کا پیغام دیا ہے (فینکرونها) کی بات نہیں کی۔

آیت نمبر 84

وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ○

اور اس روز ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے پھر کافروں کو نہ حجتیں پیش کرنے کا موقع دیا جائیگا اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

نکات

(الف) قرآن مجید نے متعدد مقامات پر قیامت کے گواہوں کی بات کی ہے کہ اس دن انبیاء، فرشتے، اولیاء اللہ، زمین اور آسمان گواہ ہوں گے۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: ہر امت اور ہر زمانے کا ایک گواہ ہوتا ہے جس کے ساتھ لوگوں کو محشور کیا جائے گا۔ (تفسیر مجمع البیان)

حضرت امام محمد باقرؑ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''نحن الشهود علی هذه الامة'' ہم اس امت کے گواہ ہیں۔

(ب) اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے اور وہ ہر چیز سے آگاہ وباخبر ہے لیکن متعدد گواہوں کا ہونا اہل ایمان کیلئے حیا اور تقویٰ کے پیدا ہونے اور مجرمین کی مزید رسوائی کا سبب ہے۔

(ج) گواہی اور شہادت کیلئے جہاں علم اور آگاہی کی ضرورت ہے وہاں عدالت بھی ضروری ہے اس لئے جو اولیاء اللہ قیامت کے دن ہم پر گواہ ہونگے انہیں اس دنیا میں ہمارے اعمال کا ناظر ہونا چاہئے اور ہمارے اعمال ان کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔ یہ ہمارا وہی عقیدہ ہے جو متعدد روایات اور آیات میں بیان ہوا ہے جیسے یہ آیت مبارکہ ہے۔ (فَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ) عنقریب اللہ اور اس کا رسول اور مومنین دیکھیں گے'' (سورہ توبہ ۱۰۵) انہیں روایات کی رو سے ہمارے اعمال ہر ہفتے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ کے حضور پیش ہوتے ہیں اور اس عقیدے کے بغیر شہادت (گواہی) کی آیات کی کوئی اور توجیہ نہیں

ہوسکتی جو شخص ہمارے اعمال سے بے خبر ہے اور صفت عدالت سے بھی عاری ہے وہ قیامت کے دن کیسے گواہ بن سکتا ہے؟

(د) لفظ ''استعتاب'' ''عتاب'' سے لیا گیا ہے اس کا معنیٰ ہے ایک مجرم صاحب حق سے عتاب اور سرزنش کا خواہاں ہوتا ہے۔ تا کہ اس طریقے سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو اور وہ راضی ہو جائے۔

(ر) اس دنیا میں توبہ بھی کی جاسکتی ہے اور معذرت بھی علاوہ ازیں جرم کی تلافی بھی ممکن ہے لیکن قیامت کے دن نہ تو توجیہہ و تاویل سے کام لیا جائے گا اور نہ معذرت و تلافی ممکن ہوگی۔ توجیہہ اس لئے ناممکن ہوگی کیونکہ جب کچھ جہنمی اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہیں گے (لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ) اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔ (سبأ ۳۱) تو انہیں جواب میں کہا جائے گا۔ (بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ) بلکہ تم خود مومن نہیں تھے (صافات ۲۹)

گناہ کی تلافی اس لئے ناممکن ہوگی کہ جب گناہ گار خدا سے درخواست کریں گے۔ (فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا) ہمیں دنیا میں پلٹا دے تا کہ ہم نیک عمل بجالائیں۔ (سجدہ ۱۲) تو جواب میں کہا جائے گا (كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا) یہ سب زبانی باتیں ہیں۔ (مومنون ۱۰۰)

پھر اس مضمون پر مشتمل سورہ سجدہ کی آیت ۱۴ میں ہے (فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ) اب اپنے کئے کا مزہ چکھتے رہو۔

معذرت اس لئے ناممکن ہوگی کیونکہ قرآن نے اس بارے میں فرما دیا ہے (وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ) انہیں معذرت کی اجازت نہیں ہوگی۔ (مرسلات ۳۶)

پیام

(۱) ہر قوم پر گواہی دینے والا اسی قوم سے ہونا چاہئے تا کہ اس پر حجت تمام ہو جائے (مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا)

(۲) اللہ کی طرف سے ہر قوم میں اور ہر زمانے میں لوگوں پر ایک حجت اور گواہ کا ہونا لازم ہے (مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا)

(۳) عدالت الٰہیہ کیلئے حساب و کتاب اور گواہ اور شہادت لازمی اُمور ہیں۔ (شَهِيْدًا)

(۴) جب گواہ اور حجت موجود ہوں تو پھر توجیہہ و تاویل یا معذرت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ (لَا يُؤْذَنُ ... لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ)

آیت نمبر 85

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ○

اور ظالم لوگ جب ایک مرتبہ عذاب دیکھ لیں گے تو اس کے بعد نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ انہیں ایک لمحہ بھر کی مہلت دی جائے گی۔

نکات

(الف) ہم نے اس سے قبل والی آیت میں پڑھا ہے کہ قیامت کے دن نہ تو توجیہہ و تاویل کی اجازت ہوگی اور نہ رضا طلبی کی اجازت ہوگی۔ اور اس آیت کا پیغام ہے کہ اس دن نہ تو عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ہی کسی قسم کی تاخیر ہوگی۔

پیام

(۱) سزا اور اس کی نوعیت گناہ سے دور رکھنے کا موثر عامل ہے (رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ)

(۲) اللہ کے عذاب حقیقی کا سبب انسان کا اپنا ظلم ہے۔ (اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا)

(۳) قیامت کے دن ظالموں کی سزا میں نہ تو کمی ہوگی اور نہ تاخیر ہوگی۔ (الَّذِیْنَ ظَلَمُوا ... فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ ...)

آیت نمبر 86

وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ○

اور جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شرک کیا تھا اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے پروردگار! یہی ہیں وہ ہمارے شریک جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے اس پر ان کے وہ معبود انہیں صاف جواب دیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔

نکات

(الف) روایات کے مطابق قیامت کے مختلف مواقف ہیں۔ کسی مقام پر جہنمیوں کو روک کر ان کے لبوں پر مہر لگا دی جائے گی اس وقت ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ دوسرے مقام پر وہ چیخیں گے اور چلائیں گے آہ و فریاد بلند کریں گے۔ کسی اور مقام پر انسان کی یہ کوشش ہوگی کہ اپنے گناہ دوسروں کی گردن پر ڈالے مثلاً وہ شیطان سے کہے گا: تو نے ہی مجھے کفر و شرک اختیار کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ لیکن شیطان اُس کے جواب میں کہے گا: میں تو پہلے ہی دن سے تمہارے شرک کا مخالف تھا (اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ) (ابراھیم ۲۲) کسی مقام پر بتوں کو قصوروار ٹھہرایا جائے گا۔ لیکن وہ بھی اس بات سے اظہار برات کریں گے۔ (وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ) (فاطر ۱۴) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے خطاب فرمائے گا۔ ''کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ تمہیں اور تمہاری والدہ کو معبود بنائیں'' تو وہ جواب میں عرض کریں گے۔

''تو ہر شریک سے پاک و پاکیزہ ہے'' میں نے ہرگز کسی کو تیرے علاوہ عبادت کی دعوت نہیں دی (قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ) (مائدہ ۱۱۶)

زیر بحث آیت میں بھی موجودات کا تذکرہ ہے جنہیں اللہ کا شریک قرار دیا گیا ہوگا اور وہ مشرکین سے اظہار برات کریں گے اور انہیں جھوٹا قرار دیں گے۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے مشرکین اس کیلئے شریک قرار دیتے ہیں۔(شُرَكَآءَهُمْ) کہا ہے۔(شُرَكَآءَاللہ)نہیں فرمایا۔

(۲) قیامت کی وحشت کچھ اس طرح ہوگی کہ انسان اپنے بچاؤ کیلئے اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ (هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا)

(۳) جھوٹے معبود بھی قیامت کے دن محشور کئے جائیں گے۔(هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا)

(۴) قیامت کے دن بت بھی اپنے دفاع کیلئے بولیں گے۔(فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ)

(۵) بت اپنی معبودیت کی صلاحیت کی خود نفی کریں گے۔اور بت پرستوں سے کہیں گے۔''درحقیقت تم اپنے خیالات کی پوجا کرتے تھے۔(اَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ)

آیت نمبر 87

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ○

اُس وقت یہ سب اللہ کے حضور جھک جائیں گے اوران کی وہ ساری افترا بازیاں ختم ہوجائیں گی جو یہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔

پیام

(۱) اگر آج اس کی بارگاہ میں سرِتسلیم خم نہیں کرتے تو کل بروز قیامت ہر حال میں اس کے حضور جھکنا پڑے گا۔لیکن اُس وقت کیا فائدہ ۔(وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ)

(۲) قیامت کے دن تصوراتی نظریئے مٹ جائیں گے۔(غیر اللہ۔۔۔۔شفاعت)

(۳) تقرب وعزت ونصرت سب اُمیدیں خاک میں مل جائیں گی۔(ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ)

آیت نمبر 88

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ○

جن لوگوں نے خود راہ کفر کو اختیار کیا اور دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا انہیں ہم عذاب پر عذاب دیں گے اس فساد کے عوض جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔

نکات

(الف) الٰہی راستے کے بارے میں لوگوں کا ردِعمل مختلف ہوتا ہے کسی کا ردِعمل مثبت اور کسی کا منفی ہوتا ہے۔ ہر ایک کے لئے مختلف درجات و مراحل ہیں۔

مثبت ردِعمل

(۱) کچھ لوگ وہ ہیں جو الٰہی راستے کو سمجھنے اور اُس پر چلنے کے منتظر ہیں۔(عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ)

(۲) کچھ لوگ وہ ہیں جو خدا کیلئے ہجرت کرتے ہیں۔(وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)

(۳) کچھ لوگ وہ ہیں جن کا محاصرہ صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ الٰہی راستے پر قائم ہیں۔ (احصروا فی سبیل اللہ)

(۴) کچھ لوگ وہ ہیں جو راہ خدا میں مشکلات برداشت کرتے ہیں۔(اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ)

(۵) کچھ لوگ وہ ہیں جو دوسروں کو راہ خدا میں دعوت دیتے ہیں۔(اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ)

(۶) کچھ لوگ وہ ہیں جو راہ خدا میں ہرگز سستی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔(فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)

(۷) کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں (يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)

(۸) کچھ لوگ وہ ہیں جو راہ خدا میں قتل ہو جاتے ہیں۔(قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)

منفی ردِعمل

(۱) کچھ لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ الٰہی راستے پر قائم ہیں۔(وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ) (اعراف ۳۰)

(۲) کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے راستے میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔(يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا) (اعراف ۴۵)

(۳) کچھ لوگ وہ ہیں جو دوسروں کیلئے اللہ کے راستے کو بند کر دیتے ہی۔(صُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ) (اعراف ۴۵)

(۴) کچھ لوگ وہ ہیں جو الٰہی راستے کو بند کرنے کیلئے اپنا مال بھی خرچ کرتے ہیں۔(يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) (انفال ۳۶)

پیام

(۱) کفر ''فساد'' کا مقدمہ ہے (كَفَرُوْا وَصَدُّوْا ... يُفْسِدُوْنَ) اور اسی طرح ایمان، عمل صالح کا مقدمہ ہے (امنوا و عملوا الصالحات) جو متعدد آیات میں مذکور ہے۔

(۲) کفر کے وہ وڈیرے جو اپنے قلم، بیان اور دوسرے ذرائع سے اللہ کے راستے کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا حساب و کتاب عام لوگوں سے جداگانہ ہے۔(زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ)

(۳) صرف وہی لوگ زمین میں فساد پھیلانے والے نہیں ہیں جو معاشرے کے امن و امان کو نہس نہس کر دیتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی کر دیتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی مفسد ہیں جو کسی صورت میں معاشرے کی معنوی ترقی میں مانع ہوتے ہیں (اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا ... بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ)

آیت نمبر 89

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ○

(اے رسول! انہیں اس دن کے بارے میں بتا دو) جب کہ ہم ہر اُمت میں خود اُسی کے اندر سے ایک گواہ کھڑا کریں گے جو اس پر شہادت دے گا اور ان لوگوں کے مقابلے میں گواہی دینے کے لئے ہم تمہیں لائیں گے۔ اس لئے ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے تسلیم کیا ہے۔

نکات

(الف) اس آیت سے قبل جو پانچ آیات گزری ہیں ان میں اُمتوں پر گواہ کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ اور یہ ہمارے قطعی عقائد میں شامل ہے کہ قیامت کے دن ہر امت کیلئے ایک گواہ اور شاہد ہے۔ رسول اکرمؐ اس اُمت کے اور دوسری امت کے گواہوں پر شاہد ہیں۔ یہاں پر جو اہم نکتہ قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ جو گواہی اولیاء اللہ کی ہے وہ حسی ہو اور آنکھوں سے دیکھی گئی ہو اور علم کے ساتھ ہو اور جو گواہ ہیں وہ ہر طرح کے گناہ اور کذب سے معصوم ہوں۔ تا کہ ان کی گواہی قیامت جیسے حساس دن میں تمام لوگوں کیلئے ایک طرح کی اتمام حجت کا کام دے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ لوگوں کے حاضر و غائب اور باطنی اعمال سے جو لوگ آگاہ ہو سکتے ہیں اور قیامت کے دن جن کی بات اللہ اور امت کیلئے قابل قبول ہو سکتی ہے وہ یا تو انبیاء ہو سکتے ہیں یا آئمہ معصوم، جو غیبی امداد کے ذریعے انسانوں کے چال چلن اور ان کے باطن سے واقف ہوتے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

(ب) تفسیر صافی میں امام صادقؑ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! جو کچھ آسمانوں اور زمین اور اس کے درمیان میں ہے اور جو کچھ جنت اور جہنم میں ہے ہم اس کو بخوبی جانتے ہیں۔'' پھر آپ نے اس آیت کی تین دفعہ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر کنز الدقائق)

(ج) حضرت امام محمد باقرؑ کا فرمان ہے: ''اُمت کو جس چیز کی بھی ضرورت درپیش ہوتی ہے اس کا بیان قرآن کریم میں موجود ہے اور تم لوگ مجھ سے جو بات سنتے ہو اگر تم اس کا قرآن سے ثبوت چاہتے ہو تو میں پیش کر سکتا ہوں۔ (تفسیر کنز الدقائق)

(د) امام علیؑ فرماتے ہیں: ''تم لوگوں کے تمام احوال، اس دنیا سے چلے جانے والے اور آنے والے لوگوں کے حالات، آسمان اور زمین کے مفصل احوال قرآن مجید میں موجود ہیں۔'' (تفسیر کنز الدقائق)

(ر) مختلف ادیان کی ایک سربراہی مجلس میں امام رضاؑ نے فرمایا تھا ''رسول اکرمؐ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپؐ ایک غریب اور یتیم فرد تھے۔ انہوں نے کسی سے کچھ بھی نہیں پڑھا تھا۔ باوجود اس کے ان کے پاس ایک ایسی کتاب ہے جو

''تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ'' ''ہے اور زمانہ ماضی اور قیامت تک آنے والے کی خبریں اس میں موجود ہیں۔''

(ز) امام صادقؑ فرماتے ہیں: ''جس کسی مسئلے میں دو آدمیوں کے درمیان اختلاف ہو تو کتاب اللہ میں وہ اصل موجود ہے جو مسئلے کا حل ہے۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ لوگوں کی عقلیں وہاں تک رسائی حاصل کر سکیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

(س) قرآن کریم میں ہر چیز کا ذکر ہے لیکن ہر شخص کو یہ رسائی حاصل نہیں جو وہاں تک پہنچ سکے۔ امام علیؑ کا فرمان ہے ''کہ قرآن کی ظاہری عبارت عوام کیلئے ہے جو خواص ہیں ان کیلئے اس میں رموز و اشارے موجود ہیں۔ جو اولیاء اللہ ہیں ان کیلئے لطائف الٰہی اور جو انبیاء ہیں ان کیلئے اس میں حقائق موجود ہیں۔ (تفسیر فرقان)

(ش) ہر چیز کا ''تِبْیَانًا'' ہونا یا تو براہ راست ہے یا پھر ان آیات کے ذریعے ہے جن میں اس کے اصول بیان کئے گئے ہیں اور وہ اصول ہمارے لئے مفید ہیں مثلاً یہ آیت کریمہ ''مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' جو چیز پیغمبر اکرمؐ تمہارے پاس لے آئیں ہیں اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکا گیا ہے اس سے رک جاؤ۔ (حشر ۷)

اس طرح سورہ نحل کی آیت ۴۴ میں کہا گیا ہے ''لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ'' جو چیز لوگوں کیلئے نازل ہوتی ہے آپؐ، اُسے وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔

پیام

(۱) اولیاء اللہ کی ہمارے اعمال پر دائمی نظارت قرآنی مسلمات میں سے ہے۔ (شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ)

(۲) قیامت کے دن گواہوں کا سلسلہ مراتب ہے ہر امت کا امام اس امت کا شاہد ہوتا ہے۔ اور پیغمبر اکرمؐ ان تمام گواہوں پر شاہد ہیں۔ (جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ)

(۳) رسول اکرمؐ تمام انبیاء پر شاہد ہیں اور ان کی کتاب تبیان کل شیء ہے۔ (نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ)

(۴) قرآن کریم تمام معاشرتی ضروریات کی جامع کتاب ہے۔ (تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ)

(۵) جب انسان منزل تسلیم پر آجائے تو ہدایت اس کیلئے لازم ہو جاتی ہے۔ (هُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ)

آیت نمبر 90

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور برائی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔

نکات

(الف) یہ آیت کریمہ ایک عالمی منشور پر مکمل طور پر محیط ہے اس آیت کو حضرت امام محمد باقرؑ نماز جمعہ کے خطبے میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ علامہ فیض کاشانی نے تفسیر صافی میں لکھا ہے ''اگر قرآن مجید میں صرف یہی آیت ہوتی تو ہمارے لئے کافی تھی کہ قرآن (تبیان لکل شیئٍ) ہے'' اس آیت کے اوامر اور نواہی تمام ادیان میں موجود چلے آرہے ہیں اور کسی زمانے میں منسوخ نہیں ہوئے۔

ولید بن مغیرہ اس آیت پر اس قدر فریفتہ ہوگیا کہ کہنے لگا: اس آیت کی شیرینی، جاذبیت، حسن و جمال اور اس کے مضامین اتنی وسعت رکھتے ہیں کہ انسان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر)

جناب عثمان بن مظعون کا بیان ہے کہ جب میں نے اس آیت کو سنا تو اسلام میری رگ رگ میں اتر گیا اور میرے دل میں گھر کر گیا۔

(ب) ''عدل'' ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی برابری بصیرت سے محسوس کی جاسکتی ہے۔ اور عدل ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی برابری کو بصارت سے بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ عدل جزأ کے علاوہ پیش کی جائے۔ (مفردات راغب)

''عدل'' نظام تکوین میں اس کے پائیدار ہونے کی دلیل ہے " بالعدل قامت السموات و الارض" عدل کے ذریعے کائنات کا نظام باقی ہے اور نظام تشریع میں تمام انبیاء کی دعوت کا سرنامہ ہے۔

(ج) ''احسان'' ایک ایسا مبارک کلمہ ہے جو تمام اقتصادی، فکری، ذہنی، علمی اور ثقافتی خدمات پر محیط ہے۔

''فحشا'' ایسے گناہ کو کہا جاتا ہے جو بڑا بھی ہو اور رُسوا کن بھی ہو۔

''منکر'' ایسے کام کو کہا جاتا ہے کہ جس کا عقل، شریعت اور فطرت انکار کریں۔

(د) تفسیر ظلال القرآن میں ہے ''جب طاغوت اپنے غلط پروپیگنڈے گناہ کی برائیوں کو لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا کر کے پیش کرے اور لوگوں کے نزدیک گناہ کی حیثیت کو بالکل کم کردے تو یہیں سے معروف اور منکر کا آغاز ہوجاتا ہے۔

پیام

(۱) کیا وہ خدا جو اپنے بندوں کو عدل و احسان کی دعوت دیتا ہے وہ خود عادل نہیں ہوگا۔ (اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ)

(۲) عدل و احسان جب باہم ملتے ہیں تو پرکشش بن جاتے ہیں۔ ورنہ خشک قوانین دلوں کو جذب نہیں کر سکتے (یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ) عدل واجب ہے اور احسان مستحب ہے۔

(۳) سب سے اولین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا خود خدا ہے (اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ ... وَ یَنۡہٰی)

(۴) احسان کی صورت میں قریبی رشتہ داری اور صلہ رحمی کو اولویت حاصل ہے۔ (الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی)

(۵) امر بالمعروف نہی عن المنکر پر مقدم ہے اور دل احسان پر مقدم ہے۔ (یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ ... وَ یَنۡہٰی)

(۶) امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ صدق و صفا محبت و الفت کے ماحول میں اور وعظ و نصیحت اور خیر خواہی کے قالب میں ادا ہونا چاہیئے۔ (یَاۡمُرُ ..... وَ یَنۡہٰی .... یَعِظُکُمۡ)

(۷) امر بالمعروف کا فریضہ انجام دینے والوں کو لوگوں سے یہ توقع نہیں رکھنا چاہیئے کہ وہ ان سے سو فیصد متاثر ہوں گے (لَعَلَّکُمۡ

تَذَكَّرُوْنَ)

(۸) لوگ فطری طور پر عدل و احسان کی طرف میلان رکھتے ہیں اور فحشاء اور منکر سے نفرت رکھتے ہیں۔ لیکن وسوسے اور غرایز غفلت کا موجب بن جاتے ہیں لہذا انہیں وعظ و نصیحت سے بیدار کرنا چاہیئے (لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ)

(۹) نہی عن المنکر کرتے وقت پہلے رسوا کرنے والے گناہوں سے روکنا چاہیئے اسی طرح امر بالمعروف کے موقع پر پہلے واجبات کی ادائیگی کی نصیحت کی جانی چاہیئے (يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ... وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ)

(۱۰) عدل کا حکم دینا اور فحشاء سے روکنا اللہ تعالیٰ کا ابدی طریقہ ہے (يَأْمُرُ ... وَيَنْهٰى ... يَعِظُكُمْ) تینوں فعل مضارع کے صیغے ہیں جو استمرار پر دلالت کرتے ہیں۔

آیت نمبر 91

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○

اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد انہیں توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تمھارے تمام افعال سے باخبر ہے۔

نکات

(الف) روایات کے مطابق اس آیت کریمہ میں اللہ کے ساتھ جس عہد و پیمان کا ذکر ہوا ہے اُس سے مراد الٰہی رہبروں کے ساتھ عہد و پیمان ہے (تفسیر صافی، تفسیر دُرمنثور)

(ب) اگر لوگ اپنے عہد و پیمان کو ادا کریں تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے لطف و کرم کے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ (وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ)

پیام

(۱) الٰہی وعدوں اور قسموں کو پورا کرنا لازمی ہے۔ (وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ)

(۲) اس قسم اور عہد کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے جن کا قصد سنجیدگی کے ساتھ کیا گیا ہو۔ (بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا) کیونکہ ہم نے سورہ مائدہ کی آیت ۸۹ میں پڑھا ہے کہ خداوند تعالیٰ تمہاری لغو قسموں سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ)

(۳) تمہاری عہد شکنی کو خدا بخوبی جانتا ہے وہ اس کی سزا ضرور دے گا تم خواہ اسے سمجھو یا نہ سمجھو۔ (اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ)

آیت نمبر 92

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ○

تمہاری حالت اُس عورت کی طرح نہ ہوجائے جس نے محنت سے سوت کا تا پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔تم اپنی قسموں کو۔آپس کے معاملات میں مکروفریب کا ہتھیار بناتے ہوتا کہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کرفوائد حاصل کرے حالانکہ اللہ اس عہد کے ذریعہ سے تم کو آزماتا ہے اور وہ ضرور قیامت کے دن تمہارے تمام اختلافات کی حقیقت تم پر واضح کردیگا۔

نکات

(الف) تاریخ میں ایک پاگل عورت آدھے دن تک سوت یا اُون کا تا کرتی تھی۔اور دن کے باقی آدھے حصے میں اپنے کاتے ہوئے کوٹکڑے ٹکڑے کردیتی تھی۔اس کا یہ کام ضرب المثل بن گیا۔قرآن مجید نے بھی اس ضرب المثل کو بیان کیا ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنی محنتوں کو ضائع کردیتے ہیں اور عہد و پیمان کو توڑ ڈالتے ہیں۔

(ب) حضرت فاطمہ زہراؑ نے مسجد مدینہ میں حکام وقت کے خلاف اپنے خطبہ میں اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''غدیرخم میں تم نے علی بن ابطالبؑ کے ساتھ جو بیعت کا عہد باندھا تھا اب اُسے توڑ ڈالا ہے۔تم اس عورت کی مثل ہوگئے ہو جو اپنے کاتے ہوئے کوٹکڑے ٹکڑے کردیتی تھی۔(تفسیر فرقان)

(ج) قرآنی مثالیں اور ضرب الامثال ہر زمان اور ہر مکان میں تر و تازہ میں کیونکہ وہ فطرت کے عین مطابق ہیں اس لئے ایک پرائمری کلاس کے بچے سے لیکر ایک فلاسفر تک کے لوگوں کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔

(د) ما(اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ) کی دوطرح سے تفسیر کی جاسکتی ہے۔

(۱) جب تم ایک چھوٹے سے گروہ کے ساتھ عہد باندھ چکے ہو۔تو ایک بڑے گروہ کی خاطر عہد مت توڑو۔

(۲) جب تم ایک چھوٹے گروہ سے عہد باندھ چکے ہو تو طاقت ور گروہ کیلئے عہد مت توڑو۔

پیام

(۱) عہد شکنی اپنی ساری محنت کو برباد کرنے کے مترادف ہے (نَقَضَتْ غَزْلَهَا)

(۲) عہد و پیمان جتنا محکم و مضبوط ہوگا اس کا توڑنا بھی اس قدر معیوب ہوگا۔(مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ)

(۳) مسلسل عہد توڑتے رہنا انتہاء درجے کا ننگ و عار ہے (اَنْكَاثًا) ''نکث'' کی جمع ہے۔

(۴) ہمیں اللہ تعالیٰ کے مقدسات سے نہیں کھیلنا چاہئے (ان مقدسات کو اپنے مکر وفریب اور دھوکہ بازی کا وسیلہ نہیں بنانا چاہئے (تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًۢا)

(۵) اقتدار، افرادی طاقت، سیاسی اور اقتصادی غلبہ عہد شکنی کا سبب بنتے ہیں۔ (اَنْ تَکُوْنَ اُمَّۃٌ ھِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّۃٍ)

(۶) الٰہی آزمائش کا ایک اور وسیلہ معاہدے کی پابندی ہے۔ (یَبْلُوْکُمُ اللّٰہُ بِہٖ)

(۷) قیامت کی یاد تقویٰ کی سبب ہے اور معاہدوں کی پابندی کا موجب ہے۔ (وَلَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ)

آیت نمبر 93

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○

اگر اللہ چاہتا کہ (تم میں کوئی اختلاف نہ ہو) تو وہ تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ جسے چاہتا ہے، گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

نکات

(الف) خداوند تعالیٰ تمام لوگوں کو فطری طور پر ہدایت فرماتا ہے لیکن لوگ اپنی آزادی اور اختیار کی بنا پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ ان راستوں پر چل نکلتا ہے جو عقل و فطرت کے خلاف ہے اور توبہ بھی نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

لیکن دوسرا گروہ راہ فطرت و اطاعت کو اختیار کرتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ بھی انکی مدد فرماتا ہے۔ اور انہیں ہدایت بھی کرتا ہے۔ بنابرین اللہ کا گمراہ کرنا یا ہدایت کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ وہ جس راہ کو اپنائے گا اسی کے مطابق نتائج کو پائے گا۔ مثلاً جب استاد اپنے شاگردوں کی تعلیم کا آغاز کرتا ہے تو وہ پہلے دن جو درس دیتا ہے اور جو شاگرد اس کے درس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو استاد انہیں خصوصی وقت بھی دیتا ہے اور جو شاگرد نالائق ہوتے ہیں، استاد انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وہ سبب ہے کہ اگر انسان کا ہدایت پانا یا گمراہ ہونا اس کے اختیار میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آیت کے آخر میں یہ نہ فرماتا ''تم سے ضرور پوچھا جائیگا'' اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ہم سے سوال کرنا ہی ہماری آزادی کی دلیل ہے کیونکہ ایک مجبور انسان سے سوال نہیں کیا جاتا۔

پیام

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مجبور نہیں کرتا اس نے لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ (وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ)

(۲) انسان اپنے عقیدے اور مکتب کے انتخاب میں آزاد ہے۔ (لَتُسْـَٔلُنَّ)

(۳) روز قیامت کے سوال و جواب کو نہایت ہی سنجیدگی سے لینا چاہئے۔ (وَلَتُسْـَٔلُنَّ)

(۴) انسان سے اس کے تمام کوموں کے بارے میں سوال ہوگا۔ (عَمَّا كُنْتُمْ)

آیت نمبر 94

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

تم اپنی قسموں کو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کا ذریعہ نہ بنالینا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی قدم مضبوط ہونے کے بعد اُکھڑ جائیں اور تم اس جرم کی پاداش میں برا نتیجہ دیکھو کیونکہ تم نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے۔

نکات

(الف) بقول راغب اصفہانی ''صَدَدْتُّمْ'' کے معنیٰ ہیں خود بھی رکنا اور دوسروں کو بھی روکنا'' کلمہ ''دخل'' ''دغل'' کے وزن پر ہے اور اسی کے معنیٰ میں ہے یعنی ''فریب اور دھوکہ''

پیام

(۱) جب خطرہ ہر اعتبار سے یقینی ہو جائے تو پھر وعظ و نصیحت کے عمل کا تکرار کرو۔ (اسی مضمون پر مشتمل ۱۹ ویں آیت میں بھی قسم سے ناجایز مفاد اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔)

(۲) عہد شکنی اور مقدسات سے ناجایز فایدہ اٹھانے کا انجام برا ہوتا ہے۔ (فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا)

(۳) کبھی ایک گناہ دوسرے گناہوں کا مقدمہ بن جاتا ہے (عہد شکنی بدترین انجام کا سبب بن جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اپنے آپ کو اور دوسروں کو راہ خدا سے روکنے کا سبب بن جاتی ہے۔ (صدوتم عن سبیل اللہ)

آیت نمبر 95

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اور اللہ کے عہد کو معمولی فائدے کے بدلے میں نہ بیچ ڈالو جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔

نکات

(الف) آیت ۹۱ سے ۹۵ تک پیمان شکنی اور اس کی سزا کے بارے میں اہم باتیں بیان ہوئی ہیں۔ وہ بذات خود اس گناہ کے خطرناک ہونے کی علامات ہیں۔ لوگوں کی کثرت یا تمہاری لوگوں کے مقابلے میں قدرت مندی عہد شکنی کا سبب نہ بنے۔ (اُمۃ

ھی اربیٰ) اللہ تعالیٰ تمہاری آزمایش کرتا ہے (انما یبلو کم) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے گا۔ (لتسئلن) عہد شکنی ''بہت سے گناہوں کا سبب بن سکتی ہے۔ (فتزل قدم) اور اس آیت میں فرمایا ہے: ''معمولی قیمت میں الٰہی معاہدوں کو نہ توڑو۔ (ثمناً قلیلاً)

پیام

(۱) عہد شکنی حصول زر کا موجب بن جاتی ہے۔ (لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا)

(۲) چاہے کسی چیز کی قیمت کتنی ہی زیادہ ہو پھر بھی عہد شکنی کے مقابلے میں اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ (ثَمَنًا قَلِيْلًا)

(۳) معمولی سے فایدے کیلئے الٰہی معاہدوں کو توڑنا اور الٰہی لطف و کرم سے محروم ہو جانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ (هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ)

آیت نمبر 96

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے اور ہم ضرور صابرین کو ان کے اجران کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔

پیام

(۱) خدا کے علاوہ کسی فرد کو اور کسی چیز کو بقا حاصل نہیں (مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ.....)

(۲) مادیات سے انقطاع، ہمیشہ یاد خدا میں محو رہنا، الٰہی معاہدوں سے وابستگی، وعدوں کو پورا کرنا، صبر کو اپنائے رکھنا، اور نفس کی خواہشات کی مخالفت کرنا، یہ تمام صفات لازمہ حیات ہیں (وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا)

(۳) دنیا سے دوری محرومی نہیں کامیابی ہے۔ (وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا)

(۴) خدا سے بہتر اور کوئی خریدار نہیں کیونکہ وہ معمولی قیمت کی جنس کو بھی بھاری قیمت میں خریدتا ہے۔ (بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

آیت نمبر 97

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

جو شخص بھی نیک عمل بجالائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں اس طرح کے لوگوں کو ان کی جزا ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔

نکات

''حیات طیبہ'' کی تعریف یہ ہے کہ انسانی دل مطمئن اور پرسکون ہو اور اس کی روح مومن ہو'' کیونکہ مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ ملائکہ کی دعائیں اس کے شامل حال ہوتی ہیں تائید خداوندی اسے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے لوگ خوف و ہراس میں حیران و پریشان نہیں ہوتے۔

پیام

(۱) میعار جزا سن وسال، جنس، معاشرتی اور سیاسی مقام و منزلت نہیں ہے۔ (مَنْ عَمِلَ)

(۲) معنوی کمالات کے حصول میں زن و مرد برابر ہیں (مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى)

(۳) عمل صالح کی قبولیت کی شرط ایمان ہے (وَهُوَ مُؤْمِنٌ)

(۴) عمل صالح چاہے جتنا کم ہو اس کی جزا ضرور ملے گی۔ (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا)

(۵) جس جاہل معاشرے میں عورت کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے وہاں عورت کا نام اور مقام وضاحت کے ساتھ مذکور ہونے چاہئیں۔ (مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى)

(۶) صرف اچھے کام ہی کفایت نہیں کرتے بلکہ انسان کو خود بھی اچھا ہونا چاہئے (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا ... وَهُوَ مُؤْمِنٌ)

(۷) انسان ایمان اور عمل صالح کے بغیر گویا مردہ ہے۔ (فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً)

آیت نمبر 98

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

پس جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔

آیت نمبر 99

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○

اسے ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہے جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

نکات

(الف) ممکن ہے کہ ہر کار خیر کی کوئی نہ کوئی آفت ہو جس طرح کہ عزت کی آفت غرور و تکبر ہے۔ خدمت خلق کی آفت لوگوں پر احسان جتانا ہے۔ ممکن ہے اس طرح قرأت قرآن کی بھی آفت ہو مثلاً خودنمائی، کسب زر، منفی رقابت لوگوں کو دھوکہ دینا، قرآن کا غلط سمجھنا تفسیر بالرائے کرنا وغیرہ وغیرہ انسان کو چاہئے کہ دوران تلاوت قرآن ان تمام آفات سے بچنے کیلئے خدا کی پناہ طلب کرے۔

(ب) حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں۔ تلاوت قرآن کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ خشوع و خضوع رکھنے والا دل، فارغ بدن اور خالی ذہن یعنی ایسی حالت کہ جس میں پہلے سے فیصلہ نہ کیا ہوا ہو۔ (تفسیر فرقان)

(ج) اگر قرآن مجید آئمہ معصومینؑ کی تفسیر اور نظریات کے ہمراہ (کتاب اللہ و عترتی لن یفترقا) اور ایسے دل کے ساتھ جو پاک اور متقی ہو۔ (ھدیً للمتقین) پڑھا جائے تو رُشد و ہدایت اور ایمان و عمل کے اضافے کا سبب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرآن میں فرماتا ہے ''اے پیغمبرؐ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہو تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دیتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے (سورہ بنی اسرائیل ۴۵)

(د) روایات میں آیا ہے جب رسول اکرمؐ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھا کرتے تھے (تفسیر کنز الدقائق)

پیام

(۱) کائنات کے مقدس ترین اور بہترین افراد کو مقدس کاموں میں شیطانی خطرات سے غافل نہیں رہنا چاہئے (کیونکہ رسول اکرمؐ جیسی ذات کو بھی دوران تلاوت قرآن استفادہ کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) شیطان ہر ایک کے پیچھے جاتا ہے پر اس کا بس ہر ایک پر نہیں چلتا۔ (لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا)

(۳) ایمان اور توکل بر خدا ایسے قلعہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھتا ہو۔ (لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ)

(۴) اللہ تعالیٰ کی پناہ کا حصول اس پر ایمان اور بھروسے کی علامت ہے۔ (فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۔۔۔۔ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ)

(۵) آپ کا پناہ کا مطالبہ خدا کی پناہ دینے کے ساتھ مربوط ہے۔ آپ کا کام پناہ کا مطالبہ ہے۔ (فَاسْتَعِذْ) تاکہ وہ تمہیں پناہ دے اگر وہ پناہ نہ دے تو تمہارا پناہ مانگنا بے فائدہ ہے۔

(۶) اس کی پناہ کے علاوہ کوئی اور راستہ ہے ہی نہیں (فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ)

آیت نمبر 100

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○

اس کا زور تو انہی لوگوں پر ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے اور اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔

نکات

(الف) شیطان نے اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ اپنے حزب اور قبیلے کے ساتھ راستے کو بنا سجا کر، جھوٹے وعدوں کے ساتھ غلط پروپیگنڈے اور وسوسے ڈال کر گمراہ افراد کے ذریعے، انسان کو اپنا شکار بنانے کیلئے ہر طرف سے حملے کرے گا۔

افراد کی اقسام

(۱) انبیاء علیہم السلام کہ شیطان ان بزرگواروں کے اہداف و مقاصد اور خواہشات کے آگے بند باندھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ان کی ذات پر اُس کا بس نہیں چلتا (اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ) یعنی شیطان پیغمبر اکرمؐ کی آرزوں اور اہداف میں کسی چیز کا القأ کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اُس کی سازشوں کو ناکام کر دیتا ہے (حج ۵۲)

(۲) مومنین کو شیطان اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنے اللہ کو یاد کر کے اس کے پھندوں سے بچ نکلتے ہیں۔ (اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا) جب انہیں شیطانی خیال عارض ہوتے ہیں تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اعراف ۲۰۱۔

(۳) عوام الناس کہ شیطان ان کی روح میں داخل ہو کر وسوسے ڈالتا ہے۔ (يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ) لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ (سورہ الناس ۵)

(۴) فاسق و فاجر لوگ، کہ شیطان ان کے قلوب کی گہرائیوں میں داخل ہو جاتا ہے اور باہر نہیں نکلتا اور ان کے اعضاء و جوارح اور افکار و قلوب پر مسلط ہو جاتا ہے (فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ) پس وہ ان کا ہمیشہ کا ساتھی ہوتا ہے۔ (زخرف ۳۶)

پیام

(۱) شیطان کے تسلط کے مقدمات ہم خود فراہم کرتے ہیں (اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ) جب تک لوگ منحرفین کی ولایت تسلیم نہیں کرتے اس وقت تک وہ کوئی کام نہیں کر سکتے۔

(۲) حقیقی موحدین اللہ کی یقینی حفاظت کے حصار میں ہوتے ہیں اور جو لوگ غیر اللہ کے پیچھے جاتے ہیں وہ ان کے رگ و ریشے میں رچ بس جاتا ہے۔ (اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ ... هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ)

آیت نمبر 101

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور جب ہم ایک آیت کو کسی اور آیت سے تبدیل کرتے ہیں تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے تو یہ لوگ کہتے ہیں تم تو یہ قرآن خود ہی گھڑ لاتے ہو اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نکات

(الف) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر مریض کے حالات کی تبدیلی سے وہ اپنے نسخے تبدیل کرتا رہتا ہے اور یہی صورت آیات واحکام کی ہے۔اسی صورت کو ''نسخ'' کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جب کوئی حکم تبدیل ہوتا تو پیغمبرؐ کے مخالفین آپ سے کہنے لگتے ''تم نے اپنے دوستوں سے مذاق بنا رکھا ہے۔اور آئے دن نیا قانون پیش کرتے رہتے ہو اور جھوٹ گھڑ لاتے ہو اور سابقہ حکم کو تبدیل کر دیتے ہو۔''

پیام

(۱) دین خداوندی کے قوانین کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ثابت، ۲۔متغیر اور ان کی تبدیلی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔(بَدَّلْنَآ)

(۲) تمام احکام الٰہی کی اپنے اپنے زمانے اور حالات کے مطابق اہمیت مسلم ہے۔(اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ)

(۳) لوگ احکام الٰہیہ کے اسرار کو نہیں جانتے (وَّاللّٰہُ اَعْلَمُ ... اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ)

(۴) جب احکام الٰہیہ میں تبدیلی ہوتی ہے تو یہ تبدیلی کسی شک، پشیمانی علمی ترقی یا تجرباتی نتائج یا قانون سازی میں غلطی کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ تدبیر وحکمت اور حالات کے تقاضوں کی وجہ سے عمل میں لائی جاتی ہے۔(وَّاللّٰہُ اَعْلَمُ)

(۵) دشمن ہر فرصت سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کرتا رہتا ہے اور ہر چیز کو سند قرار دیتا ہے (بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ وَّاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا ...)

(۶) بہت سی نکتہ چینیوں اور تہمتوں کا سرچشمہ جہالت ہے (بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ)

آیت نمبر 102

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ○

ان سے کہہ دیجئے اسے تو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے برحق نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو مستحکم کرے اور اطاعت گزاروں کیلئے ہدایت اور بشارت (ثابت) ہو۔

نکات

(الف) ''رُوْحُ الْقُدُسِ'' سے مراد روح الامین اور حضرت جبرائیل ہیں۔ جو ہر قسم کی خطا اور انحراف سے پاک و پاکیزہ ہونے کی وجہ سے ''رُوْحُ الْقُدُسِ'' کہلاتے ہیں۔

پیام

(۱) تہمتوں کا جواب دینا چاہئے (قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ) یہ سابقہ آیت میں ذکر ہونے والی تہمت کا جواب ہے۔

(۲) آیات الٰہیہ بتدریج نازل ہوتی رہی ہیں (نَزَّلَهٗ)

قرآن مجید کے نزول کے بارے میں لفظ ''انزلنا'' کو استعمال کیا گیا جیسے (انا انزلناہ فی لیلۃ القدر) اور جملہ ''انزلہ'' بھی آیا ہے۔ یہ اس لئے آیا ہے کیونکہ قرآن کے دو نزول ہیں ایک دفعہ پیغمبر اکرمؐ کے قلب مبارک پر شب قدر میں دفعۃً نازل ہوا اور دوسری بار تئیس سال کے عرصے میں تدریجاً نازل ہوا۔

(۳) قرآن مجید کے تمام مطالب اور خاص حالات میں ان میں تغیر و تبدل حق ہے۔ (بِالْحَقِّ)

(۴) نزول وحی اللہ کی ربوبیت کی شان ہے اور تربیت الٰہی کا خاصہ ہے (نَزَّلَهٗ ... مِنْ رَّبِّكَ)

(۵) نزول وحی مسلمانوں کی پائیداری کیلئے ایک موثر عامل ہے۔ (نَزَّلَهٗ ... لِيُثَبِّتَ)

(۶) پائیداری و استحکام کی توفیق اور اس کے عوامل کی اللہ سے درخواست کرنی چاہئے۔ (نَزَّلَهٗ لِيُثَبِّتَ)

(۷) جو چیز ایمان کو جلا دے اور اسے پر عظمت بنا دے اس پر پابندی سے قائم رہنا ضروری ہے۔ (لِيُثَبِّتَ)

(۸) ہدایتوں اور بشارتوں کے حصول کی شرط یہ ہے کہ روح صحیح و سالم ہو اور سر مو انحراف نہ ہو۔ (لِلْمُسْلِمِيْنَ)

آیت نمبر 103

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ○

اور بتحقیق ہمیں معلوم ہے یہ لوگ (آپ کے بارے میں) کہتے ہیں اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ ان کا اشارہ جس شخص کی طرف ہے اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) تو صاف عربی زبان ہے۔

نکات

(الف) گویا کہ مکہ میں ایک غیر عربی شخص (عجمی) رہتا تھا مکہ کے کفار رسول اکرمؐ کو یہ الزام دیتے تھے کہ آنحضرت قرآن اس سے حاصل کر کے اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دیتے ہیں۔

حالانکہ:

(۱) یہ کیسے ممکن ہے کہ دو آدمی ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف ہوں پھر وہ ایک دوسرے کو کس چیز کی تعلیم دیں گے؟
(۲) اُس زمانے میں کسی فرد نے اس بات کا دعویٰ کیوں نہیں کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا استاد اور معلم ہے؟
(۳) جو باتیں تیس سال کے عرصے میں مختلف حالات کے تحت نازل ہوتی رہیں۔ ان کا آپس میں اختلاف کیوں نہیں ہے؟
(۴) اُس معلم نے خود نبوت کا دعویٰ کیوں نہ کیا؟
(۵) آج تک قرآن مجید کے اس چیلنج کا جواب کسی نے کیوں نہیں دیا تھا کہ جب اس نے کہا تھا اگر اس کی ایک سورت کی مثل بھی لے آئیں تو وہ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو جائے گا۔
(۶) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایسی باتیں کہی جائیں کہ آج تک کے دانشور اس کے سربستہ رازوں کی ایک جز تک بھی نہیں پہنچ پائے؟
(۷) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اکرمؐ کے تمام مخالفین مل کر بھی ایک سورت کی مثل بنا کر پیش نہیں کر سکے تو ایک عجمی شخص یہ سارا قرآن لے آئے اور پیغمبر اکرمؐ کو اس کی تعلیم بھی دے یہ کیسے ممکن ہے؟

پیام

(۱) مخالفین کی گفتار کو اس کے جواب کے ساتھ ذکر کرنے سے اہل ایمان کے اذہان کا روشن ہونا یہ قرآنی کارنامہ ہے۔ (یقولون ... لسان الذی یلحدون)
(۲) یہ استدلال کہ جب تک لوگ کسی امر کو تسلیم نہ کریں اس وقت وہ امر نہیں بنتا درست نہیں ہے (یقولون انما یعلمه بشر)

آیت نمبر 104

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَہۡدِیۡہِمُ اللّٰہُ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ○

جو لوگ اللہ کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے یہ حقیقت ہے اللہ ان کی ہدایت نہیں فرماتا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

نکات

(الف) شاید یہ آیت گزشتہ آیت کے جواب کے سلسلے میں ہے یعنی پیغمبر اکرمؐ کو تعلیم دینے سے مراد ''زبان کی تعلیم'' ہے تو جس معلم کی بات کی گئی ہے وہ خود عرب نہیں تھا جو خود عرب نہیں وہ ایک عرب کو کیسے تعلیم دے سکتا ہے؟
لیکن اگر اس سے مراد قرآن مجید کے مضامین و مطالب ہیں تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بے دین لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا جو معلم اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتا تو ایسے آدمی کو اس قدر بلند و بالا اور برحق معارف پر کیسے رسائی حاصل ہو سکتی ہے جب اس کو رسائی حاصل نہیں تو وہ کسی اور کو ان کی تعلیم کس طرح دے سکتا ہے۔ (تفسیر المیزان)
البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کیلئے خطرے کی علامت ہو جو رسول اکرمؐ کیلئے کوئی معلم فرض کرتے ہیں تو اللہ ایسے لوگوں کو

ہرگز ہدایت نہیں دے گا۔

پیام

جھوٹے لوگ دوسروں کو بھی جھوٹا سمجھتے ہیں (انما یفتری الکذب ... هم الکاذبون)

آیت نمبر 105

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○

جھوٹ تو صرف وہ لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

نکات

(الف) گزشتہ آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ کفار نے پیغمبر اکرمؐ پر تہمت لگائی تھی کہ وہ ایک عجمی آدمی سے یہ آیات سیکھتا ہے اور ان کی آیات کی جھوٹی نسبت خدا کی طرف دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے ''جس معلم کی یہ لوگ بات کرتے ہیں وہ تو عرب ہی نہیں ہے۔ علاوہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے اتنے ارفع و اعلیٰ معارف کسی غیر مسلم کو نہیں دیتا۔ اس زیر بحث آیت میں فرماتا ہے'' میرا پیغمبرؐ ایسا نہیں ہے کہ لوگوں کی باتوں کو خدا کی طرف منسوب کرے بلکہ یہ ایسے لوگوں کا کام ہے جو دولت ایمان سے خالی ہیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ''اگر وہ کسی بھی کلام کو ہماری طرف جھوٹ کے ساتھ منسوب کریں گے تو ہم ان کی رگ حیات کاٹ ڈالیں گے۔ (حاقہ ۴۶)

(ج) تفسیر درمنثور اور المیز ان میں ہے کہ رسول اللہؐ کا فرمان ہے ''ممکن ہے کہ مومن زنا کرے یا چوری کا ارتکاب کرے لیکن وہ جھوٹ نہیں بولتا اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

آیت نمبر 106

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے (اس کیلئے دردناک عذاب ہے) سوائے اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں) لیکن جنہوں نے واضح طور پر کفر اختیار کیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

نکات

(الف) اسلام کے ابتدائی ایام میں کفار مکہ نے حضرت عمار یاسر کے والدین کو اسلام لانے کی وجہ سے شہید کر دیا تھا بعد ازیں

انہوں نے حضرت عمار کو گرفتار کرلیا اور انہیں بھی اذیتیں دینا شروع کر دیا اور بزور کفریہ کلمات ان کی زبان پر جاری کروائے۔ جان تو ان کی بچ گئی لیکن لوگوں نے ان کی سرزنش شروع کر دی کہ عمار کافر ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر عمار رسول اللہؐ کی بارگاہ میں آئے روتے ہوئے پیش ہوئے اور رسول اللہؐ نے ان کے سر پر دست شفقت و نوازش پھیرا اور فرمایا: ''اگر پھر کبھی تمہاری جان خطرے میں ہو تو اس طریقے سے اپنی جان بچا سکتے ہو کیونکہ تم سراپا ایمان ہو۔''

شرعی اصطلاح میں اس عمل کو ''تقیہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام میں اس کے متعلق بہت سے احکام موجود ہیں البتہ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ تقیہ کے مواقع مختلف ہوتے ہیں بعض اوقات واجب ہو جاتا ہے اور بعض اوقات آخری دم تک استقامت اختیار کرنی پڑتی ہے۔

اس وقت اظہار حق واجب ہو جاتا ہے جس طرح فرعونی دربار میں اس کے جادوگروں نے کارنامہ انجام دیا تھا۔ انہوں نے جب حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھا تھا۔ تو انہوں نے سر تسلیم خم کرلیا تھا اور دل و جان سے ایمان لے آئے تھے۔ انہوں نے فرعونی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی تھی بلکہ اس کی طرف سے دی جانے والی سزا کی بھی پرواہ نہ کی تھی۔ انہوں نے اعلان کر دیا تھا۔ ''جو چاہو کرلو ہم اپنے ایمان سے دستبردار نہیں ہونگے۔'' فرعون نے انہیں شہید کرا دیا تھا۔ قرآن مجید نے ان کی اس استقامت کو قابل تعریف ٹھہرایا ہے۔

تقیہ، ارتداد یا ضعف اور خوف و ہراس یا اپنے موقف سے دستبرداری یا فریق مخالف کو تسلیم کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ دین اسلام کی ایک حکمت عملی ہے تاکہ اس کے ذریعے وقتی طور پر اپنے منصوبوں یا اپنی جان یا کسی دوسرے کی جان کو بچایا جا سکے اس امر پر کثرت کے ساتھ روایات موجود ہیں جن میں اسے ''سپر'' ڈھال سے تشبیہ دی گئی ہے۔

پیام

(۱) مرتد کی سزا دنیا اور آخرت میں قہر الٰہی ہے (من کفر باللہ من بعد ایمانہ... غضب من اللہ و لھم عذاب عظیم)

(۲) انسان کو ہمیشہ خطرات لاحق ہیں اور انجام بد سے دوچار ہونے کا خطرہ بھی لاحق ہے (کفر باللہ من بعد ایمانہ)

(۳) اسلام میں اضطراری حالات میں استثنائی احکام موجود ہیں (الا من اکرہ)

(۴) اضطراری حالات میں انسانی فرائض بدل جاتے ہیں۔ (الا من اکرہ)

(۵) جبر و اکراہ کی صورت میں اقرار و اعتراف کی کوئی حیثیت نہیں (و قلبہ مطمئن)

(۶) روح اسلام قلب سے مربوط ہے (و قلبہ مطمئن)

(۷) جبر و اکراہ جسم سے مربوط ہے نہ کہ دل سے (اکراہ و قلبہ مطمئن)

(۸) کفر کی بدترین قسم مسلمانوں سے جدائی اختیار کر کے کفر کیلئے کام کرنا ہے (شرح بالکفر صدرا)

(۹) ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی جس کے ساتھ انسان کا قلبی و روحانی تعلق ہے (قلبہ مطمئن بالایمان) ایک وہ جو عارضی

ہوتا ہے۔(کفر ... بعد ایمانہ)

آیت نمبر 107

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ○

یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور اللہ کافروں کی ہدایت نہیں فرماتا۔

پیام

(۱) دنیا کی طرف میلان رکھنا اور اسے آخرت پر ترجیح دینا، ایمان کو چھوڑ دینے، ارتداد کو اختیار کرنے اور غضب خداوندی میں گرفتار ہونے کا سبب بنتا ہے۔ (استحبوا ...) مادیت پرستی کی طرف رغبت کا ایک سبب آرام طلبی اور اسلامی حدود سے فرار کے مترادف ہے۔(استحبوا الحیواۃ الدنیا)

(۲) دنیا سے محبت انسانی روح کو کفر کے قبول کرنے کیلئے آمادہ کر دیتی ہے۔(ذلك بانهم)

آیت نمبر 108

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ○

یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، یہ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

پیام

دنیا پرستی اور اسے آخرت سے برتر سمجھنا آخرت سے غفلت اور حقائق کو نہ سننے اور نہ سمجھنے کا سبب ہے۔

آیت نمبر 109

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ○

یہ لازمی امر ہے کہ آخرت میں بھی یہی خسارے میں رہیں گے۔

پیام

جس کسی نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تو اس کی اخروی زندگی تباہ و برباد ہوگئی اور اس نے سرمایہ رشد و ہدایت کو ضائع کر دیا۔ (ھم الخاسرون)

آیت نمبر 110

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

برعکس ان کے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب (ایمان لانے کی وجہ سے) ستائے گئے تو انہوں نے اپنے گھر بار چھوڑ دیئے ہجرت کی اور راہ خدا میں سختیاں جھیلیں اور صبر سے کام لیا ان کیلئے یقیناً تیرا رب غفور و رحیم ہے۔

نکات

(الف) گزشتہ آیات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کئی حصوں میں تقسیم ہیں۔

(۱) ایک قسم وہ ہے جو کفار کے تشدد اور اذیتوں کے باوجود اپنی زبان پر کسی قسم کا کوئی کفر آمیز جملہ نہیں لاتے خواہ ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے جیسے حضرت عمار کے والدین۔

(۲) ایک وہ ہیں جو دل میں ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اپنی جان بچانے کیلئے تقیہ سے کام لیتے ہیں جیسے حضرت عمار یاسرؓ۔

(۳) ایک وہ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتے ہیں یعنی مرتد ہو جاتے ہیں۔

(۴) ایک وہ جو آزمائشی مراحل میں پڑتے ہیں اور انحرافی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ پھر ہجرت و جہاد اور صبر کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو کر ایمان کی طرف لوٹ آتے ہیں اور توبہ کر کے اپنے دین کو بچا لیتے ہیں۔ (تفسیر اطیب البیان)

پیام

(۱) وہ ہجرت قدر و قیمت رکھتی ہے جس کے ساتھ جہاد اور صبر و استقامت بھی ہو بصورت دیگر فرار ہے ہجرت نہیں۔ (ھاجروا ... جاھدوا ... صبروا)

(۲) رحمت اور مغفرت الٰہی کے حصول کی شرط جہاد اور استقامت ہے۔ (ھاجروا ... صبروا ... من بعدھا لغفور رحیم)

(۳) اسلام نے ہمیشہ اپنے دروازے کھلے چھوڑے ہیں وہ انحراف اور فتنے کا سدباب کر سکتا ہے۔ (لہذا ایک مرتد ایمان لا سکتا ہے اور توبہ کر سکتا ہے)

آیت نمبر 111

الجزء ۱۴ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

يُظْلَمُوْنَ○

(ان سب لوگوں کا فیصلہ اس دن ہوگا) جبکہ ہر آدمی اپنے ہی بچاؤ کی فکر میں لگا ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔

نکات

(الف) عرصہ محشر اس قدر ہیبت ناک اور پر ہول ہوگا کہ گناہگار اپنے بچاؤ کیلئے ہر لحہ نت نئی بات کہے گا۔ کبھی تو وہ کہے گا (و اللہ ربنا ما کنا مشرکین) خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے (انعام ۱۲۳) کبھی وہ کہے گے (ھؤلاء اضلونا) ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے۔ (اعراف ۳۸) کبھی وہ کہے گا (لو لا انتم لکنا مومنین) اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے (سبا ۳۱)

پیام

(۱) قیامت اپنے دامن میں عالمگیریت رکھتی ہے اس دن تمام انسان حاضر کئے جائیں گے۔ (کل نفس)

(۲) قیامت کے دن انسان ہر چیز اور ہر شخص کو بھول چکا ہوگا اسے صرف اپنی نجات کی فکر ہوگی۔ (تجادل عن نفسھا)

(۳) ہمارے اعمال اس دنیا میں نابود نہیں ہوجاتے وہ خود بھی باقی رہتے ہیں اور ان کے آثار بھی باقی رہتے ہیں۔ (توفی ... ما علمت)

(۴) قیامت کی سزائیں انسانی اعمال کا نتیجہ ہیں یہ نہ تو ظلم ہے اور نہ انتقام۔ (ما عملت و ھم لا یظلمون)

آیت نمبر 112

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ○

اور اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو امن وسکون سے تھی اور ہر طرف سے اس کو وافر رزق مل رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا تو اللہ نے ان کی حرکتوں کی وجہ سے انہیں بھوک اور خوف کا ذائقہ چکھایا۔

نکات

(الف) بھوک اور خوف کو ''لباس'' کا نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں نے تمام انسانوں کے وجود اور زندگی کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ جس طرح لباس جسم انسانی کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہوتا ہے۔

مزہ چکھانے کی تعبیر اس لئے استعمال کی گئی ہے کیونکہ بھوک اور خوف انسانی وجود کی گہرائیوں میں اتر کر انہیں حیران و پریشان کر دیتے ہیں۔

پیام

(۱) تاریخ بشیریت اپنے دامن میں قوانین وضوابط رکھتی ہے اور اس کی عمارت سنت الٰہیہ کی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ (ضرب اللہ مثلا)

(۲) اسلاف کی تاریخ جو قرآنی مثالیں بیان ہوئی ہیں ان سے درس عبرت حاصل کرنا چاہئے (ضرب اللہ مثلا)

(۳) امن وسکون تمام نعمتوں کی بنیاد ہے اگر یہ نعمت ہے تو پھر معاشرے کے اقتصادیات ومعاشیات میں توسیع ہوتی رہتی ہے۔ (امنته مطمئنة یاتیها رزقها)

(۴) ضروری نہیں ہے کہ صرف ایک علاقہ ہی اپنی تمام ضروریات کو پورا کرے بلکہ دوسرے مقامات سے بھی اس کی ضروریات آتی رہتی ہیں۔ (فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ)

(۵) دنیوی عذاب کی نسبت اخروی عذاب سے اس طرح ہے جس طرح چکھنے کو پینے سے نسبت ہے۔ کہاں چکھنا اور کہاں پینا؟ (فاذاقها الله)

(۶) کفران نعمت کی سزا اس دنیا میں مل جاتی ہے۔ (فکفرت ... فاذاقها الله)

(۷) کفران نعمت باعث زوال نعمت ہے۔ (فکفرت بانعم الله فاذاقها الله لباس الجوع)

(۸) اقتصادی بحران اور معاشرتی بدامنی دین سے دوری کے نتائج ہیں۔ (فکفرت ... فاذاقها الله لباس الجوع و الخوف)

(۹) کفران نعمت کا جسمانی عذاب بھی ہے (بھوک وافلاس) روحانی اور نفسانی عذاب بھی ہے (خوف اور بدامنی) (فکفرت ... فاذاقها الله لباس الجوع والخوف)

آیت نمبر 113

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ○

اور بتحقیق ان کے پاس خود انہیں میں سے ایک رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی بس انہیں عذاب نے اس صورت میں آلیا کہ وہ ظالم تھے۔

نکات

(الف) یہ آیت سابقہ آیت کے تسلسل میں یہ پیغام دے رہی ہے کہ ناشکرے لوگوں نے نہ صرف مادی نعمات کا کفران کیا بلکہ انہوں نے بزرگ ترین معنوی نعمات کا بھی انکار کیا انہوں نے پیغمبران الٰہی کی تکذیب کی اس جرم کی پاداش میں عذاب خداوندی میں گرفتار ہو گئے۔

پیام

(۱) پیغمبران گرامی الٰہی لوگوں میں سے ہی تھے انہیں کے فرد تھے کفار انہیں اچھی طرح سے جانتے تھے مگر اپنی ضد پر ڈٹے رہے (رسول منھم)

(۲) عذاب الٰہی اتمام حجت کے بعد آتا ہے۔(جأھم رسول ... فکذبوہ فاخذھم العذاب)

(۳) انبیاء علیھم السلام کی تکذیب اپنے اوپر ظلم ہے، مذہب پر ظلم ہے اور رہبر پر ظلم ہے۔(فکذبوہ .... ھم ظالمون)

آیت نمبر 114

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○

پس اے لوگو! اللہ نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تم کو عطا کیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر ادا کرو اگر واقعی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو۔

نکات

(الف) اسلام نے ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دی ہے جو طیب و طاہر ہوں اور حلال بھی ہوں۔ شراب اور خنزیر کا گوشت کھانا منع ہے کیونکہ یہ ذاتی طور پر نجس و ناپاک ہیں اور وہ اشیاء جو غصبی رقم سے خریدی جائیں اگرچہ وہ پاک ہیں مگر حرام ہونے کی وجہ سے ان کا کھانا حرام ہے۔

اب جب کہ کفران نعمت اور تکذیب انبیاء قہر الٰہی کا سبب ہیں تو تمہیں چاہئے کہ کفر اور کفران نعمت کی بجائے حلال نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے انہیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

پیام

(۱) اسلام میں ریاضت اور رہبانیت کی نفی کی گئی ہے۔(فکلوا مما رزقکم اللہ)

(۲) حلال کے دائرہ میں رہتے ہوئے جو چاہو استعمال کرو یہ جائز نہیں ہے کہ جو ہاتھ لگے اسے کھا جاؤ۔(فکلوا .. حلالاً طیباً)

(۳) دین کے احکام فطرت کے عین مطابق ہیں جو خوردنی اشیاء انسانی طبعیت سے سازگار ہیں ان کا کھانا جائز ہے (فکلوا ... طیباً)

(۴) دین خداوندی ایک جامع دین ہے اس کے احکام بھی جامعیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کھانے کیلئے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی شرط بھی ہے (طیباً) اور قانونی و باطنی طہارت کی شرط بھی ہے۔(حلالاً)

(۵) رزق اور روزی کو نعمت اور ہدیہ الٰہی سمجھیں نہ کہ اپنی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ (رزقکم اللہ ... نعمت اللہ)

(۶) خوردن برائے خوردن نہیں ہے خوردن برائے انجام وظایف ہے۔(فکلوا ... و اشکروا ... تعبدون)

(۷) نعمتوں کے شکر کی ادائیگی کے بغیر حق عبادت و بندگی ادا نہیں ہوتا۔(و اشکروا ... ان کنتم ایاہ تعبدون)

آیت نمبر 115

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے وہ ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ پس اگر کوئی مجبور ہو کر ان چیزوں کو کھا لے بغیر اس کے کہ وہ قانون الٰہی کی خلاف ورزی کا خواہشمند ہو اور نہ (ضرورت) سے تجاوز کا مرتکب ہو تو اللہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

نکات

(الف) آیت کا یہ حکم معمولی سے فرق کے ساتھ سورہ انعام اور نحل جو مکی سورتیں ہیں میں اور سورہ بقرہ اور مائدہ جو مدنی سورتیں ہیں میں آیا ہے۔

(ب) کلمہ ''اُھلّ'' کو ''اھلال'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے پہلی رات کا چاند دیکھنے کے موقع پر آواز کو بلند کرنا۔ مشرکین جب جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو بتوں کا نام بلند آواز سے لیتے تھے اس لئے اس مقصد کو ''اھلال'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔(تفسیر نمونہ)

(ج) اگرچہ اس آیت میں کھائی جانے والی حرام چیزوں کا ذکر آیا ہے لیکن حرام چیزیں صرف انہیں تک محدود نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی رسول اللہؐ نے ان کی تفصیلات بیان کی ہیں جن کو نص قرآنی کے مطابق قبول کرنا ضروری ہے۔(ما اتاکم الرسول فخذوہ و مانھاکم منہ فانتھوا) جو کچھ رسول تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ (سورہ حشر ۷)

پیام

(۱) کسی چیز کا حرام کرنا الٰہی حکم سے مربوط ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ از خود یا خرافات کی بنیاد پر کسی چیز کو حلال کر دے یا حرام کر دے (انما حرم ..)

(۲) کھائی جانے والی بعض اشیاء کے حرام ہونے کی دلیل اور فلسفہ صرف طبی اور مادی اسباب ہی نہیں بلکہ معنوی نجاستوں مثلاً شرک سے دوری بھی ایک معیار ہے۔(حرم علیکم المیتۃ ... و ما اھل لغیر اللہ)

(۳) ماکولات و مشروبات میں بھی توحید کو مدنظر رکھنا چاہئے (حرم ... و ما اھل لغیر اللہ)

(۴) الٰہی قوانین اور اس کے تبصروں سے سوء استفادہ نہیں کرنا چاہئے (فمن اضطر غیر باغ ولا عاد)

(۵) اسلام نے ہمیشہ اپنے دروازے کھلے چھوڑے ہیں۔ اضطراری صورت میں اس کے احکام بدل جاتے ہیں۔ (فمن اضطر ... فان اللہ غفور رحیم)

آیت نمبر 116

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝

اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگاتی ہیں ان کے بارے میں نہ کہو کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام، تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت نہ دیا کرو جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت دیتے ہیں وہ یقیناً فلاح نہیں پاتے۔

آیت نمبر 117

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

دنیا کا عیش چند روزہ ہے آخر کار ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

نکات

یہ دونوں آیات الٰہی قوانین کو اساس بنائے بغیر اپنی طرف سے کسی چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کی مذمت کر رہی ہیں اور اس اقدام کو دنیا کی بے قیمت متاع تک رسائی کیلئے اللہ پر افتراء پردازی قرار دے رہی ہیں۔

پیام

(۱) حلال و حرام کے موارد میں ہمیں بے جا اور بغیر کسی دلیل کے اپنی طرف سے رائے نہیں دینا چاہئے یا تو ہم خود مجتہد ہوں یا کسی مجتہد کے مقلد ہوں۔ (لا تقولوا ... هذا حلال و هذا حرام)

(۲) دین اور اُس کے احکام میں بدعت ممنوع ہے۔ (ولا تقولوا ... هذا حلال و هذا حرام)

(۳) جھوٹا آدمی کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ (ان الذین یفترون ... لا یفلحون)

(۴) دین میں بدعات کی ترویج کا مقصد دولت کا حصول ہے (متاع قلیل)

(۵) حلال وحرام کی حدود کو توڑنا دنیاوی بدبختی کا موجب ہے اور اخروی عذاب الٰہی کا ذریعہ (لا یفلحون ... لھم عذاب الیم)

آیت نمبر 118

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ○

اور وہ اشیاء ہم نے خصوصاً یہودیوں پر حرام کی تھیں جن کا ذکر ہم نے اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں یہ ان پر ہمارا ظلم نہ تھا بلکہ ان کا اپنا ہی ظلم تھا جو وہ اپنے اوپر کر رہے تھے۔

نکات

(الف) اس سے قبل ہم چند آیات ''انما حرم'' کے جملے کے ساتھ پڑھ چکے ہیں کہ مسلمانوں پر چار، چیزیں حرام کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ ۱۔ مردار، ۲۔ خون، ۳۔ سور کا گوشت، ۴۔ وہ ذبیحہ جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اگر حرام غذا صرف چار چیزیں ہیں تو پھر سورہ انعام کی آیت ۱۴۶ جو کہ سورہ نحل سے پہلے نازل ہوئی ہے اس میں ہر ناخن والا جانور اور گائے بھیڑ بکری کی چربی یہودیوں پر کیوں حرام ہوئی ہیں؟ یہ آیت گویا اس سوال کا جواب دے رہی ہے کہ جو چیزیں یہودیوں پر حرام کی گئیں تھیں۔ وہ صرف ان کے اقتصادی محاصرے وتنبیہ اور گوشمالی کیلئے تھیں ان پر یہ اشیاء مطلقاً حرام نہیں کی گئی تھیں۔

(ب) اسلام میں کسی چیز کو حرام کیا جاتا ہے یا اُس کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں ایک دائمی جو تمام لوگوں کیلئے ہوتا ہے اور دوسرا عارضی ہوتا ہے جو خاص لوگوں کیلئے ہوتا ہے (حرمنا .. کانوا انفسھم یظلمون)

پیام

خوردنی اشیاء پر اقتصادی رکاوٹیں از راہ تحریم اُمم سابقہ پر الٰہی سزاؤں میں سے ایک سزا تھی (حرمنا ... کانوا انفسھم یظلمون)

آیت نمبر 119

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

البتہ جن لوگوں نے نادانی کی بنا پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو یقیناً توبہ واصلاح کے بعد تیرا رب ان کیلئے

غفور اور رحیم ہے۔

نکات

''جھل'' کا معنیٰ ہے ''نہ جاننا'' جبکہ ''جھالت'' کا اطلاق وہاں ہر ہوتا ہے۔جس مقام پر انسان جانتا ہے لیکن اس پر ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے وہ جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔سورہ انعام کی آیت ۵۴ ہے (کتب ربکم علی نفسه الرحمة انه من عمل منکم سؤ بجهالة ثم تاب من بعده و اصلح۔۔۔) تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ تم میں سے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے۔۔۔ (انعام ۵۴) اور سورہ نساء میں بھی جھالت سے یہی مراد ہے (انما التوبة علی الله للذین یعملون السؤ بجهالة ثم یتوبون من قریب) اللہ کے ذمے صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے جو نادانی میں گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔(نساء ۱۷)

پیام

(۱) اسلام نے اپنے دروازوں کو بند نہیں رکھا بلکہ انسانی تعمیر کیلئے اس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔(ثم تابوا)

(۲) توبہ کا قبول کرنا شان ربوبیت الٰہیہ ہے اور انداز تربیت ہے (ربك۔۔۔)

(۳) حقیقی توبہ وہ ہے جو اصلاح احوال کیلئے ہو اور جس کے ذریعے خلاف ورزیوں کی تلافی ہو جائے۔(تابوا ۔۔۔ و اصلحوا)

(۴) توبہ کا دروازہ سب پر کھلا ہوا ہے۔(للذین)

(۵) جو گناہ نفسانی خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے ہوتے ہیں ان کی توبہ جلد قبول ہو جاتی ہے نہ وہ گناہ جو انکار اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کئے جائیں (عملوا السؤ بجهالة ثم تابوا۔)

(۶) اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی قبولیت یقینی ہے۔(ان ۔۔۔ لغفور ۔۔) یہ جملہ اسمیہ ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ گناہ گار کی توبہ قبول کرنے کے علاوہ اس پر مہربان بھی ہے (لغفور رحیم)

آیت نمبر 120

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک اُمت تھے۔اللہ کے مطیع فرمان اور (اللہ کی طرف یکسوئی رکھنے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

نکات

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت ابراھیمؑ کی ذات کو ایک ''امت'' قرار دیا ہے۔چنانچہ تمام مفسرین نے اس جملہ کی تفسیر و تحلیل میں مختلف اقوال پیش کئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

(۱) چونکہ جناب ابراھیمؑ ایک ایسے دین پر قائم تھے جس پر ان کے علاوہ کوئی اور فرد قائم نہ تھا لہذا انہیں ایک امت کے ساتھ تعبیر کیا گیا (تفسیر صافی)

(۲) ان کے اندر ایک پورا امت کے کمالات اور خوبیاں موجزن تھیں وہ اس شعر کے مصداق تھے

(آنچہ خوبان همه دارند تو تنها داری) (تفسیر مراغی)

(۳) لفظ اُمت کا معنیٰ ہے ''خیر کے معلم'' اور آپ نیکی اور اچھائی کے معلم تھے۔ (تفسیر طبری)

(۴) اُمت سے مراد تمام موحدین کے رہبر اور مقصود اور امام ہیں (تفسیر فرقان)

(۵) ان کی شخصیت اور شعاع وجود ایک اُمت کے برابر تھی (تفسیر نمونہ)

(۶) چونکہ ایک امت کا دارومدار آپ کی ذات پر تھا لہذا آپ ایک امت تھے۔

(۷) آپ ایک عالم تھے اور ہر عالم ایک امت کا رہبر ہوتا ہے لہذا آپ ایک امت تھے۔

(۸) آپ نے اپنی زندگی میں وہ کارنامے انجام دیئے جو ایک پوری امت کو انجام دینے چاہئیں۔ آپ نے یہ سارا کام یکا وتنہا کیا۔ لہذا آپ ایک امت تھے (تفسیر مجمع البیان)

پیام

(۱) مردان خدا کی شان بیان کرنا اور موحدین کو بطور نمونہ پیش کرنا تربیت انسانی کا حصہ ہے۔ (ان ابراهيم)

(۲) کثرت اور کمیت مہم نہیں ہے بلکہ کیفیت اور حرکت آفرینی مہم ہے (اُمة)

(۳) حق وحقیقت کے راستے میں تنہائی سے نہیں گھبرانا چاہئے (ان ابراهيم كان اُمة)

(۴) انسان کو معاشرہ اور تاریخ مجبور نہیں کر سکتے (و لم يك من المشركين)

(۵) حضرت ابراھیمؑ اپنے عمل میں خالص ومخلص تھے (حنيفا) اس طرح عقائد میں بھی (و لم يك من المشركين)

(۶) حکمت عملی سے عقیدہ توحید متاثر نہیں ہوتا۔ حضرت ابراھیمؑ سورج پرستوں اور ستارہ پرستوں کے ساتھ کچھ دیر کیلئے حکمت عملی کے ساتھ چلتے رہے۔ اس دوران فرمایا میرے پروردگار سورج اور ستارے ہیں۔ لیکن جب وہ غروب ہو گئے تو فرمایا: ''میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے'' وہ ایک لمحہ بھی مشرک نہیں ہوئے (و لم يك من المشركين)

(۷) جو چیز انسانی قدر ومنزلت کو بڑھاتی ہے اس کی خلوص ومعرفت پر مبنی عبادت اور اطاعت ہے (قانتاً) اور اعتدال کے ساتھ ہر قسم کے انحراف سے پاک وپاکیزہ ہو۔ (حنيفا) اور خلوص قلب کے ساتھ ہو (و لم يك من المشركين)

آیت نمبر 121

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

اللہ کی نعمات کے شکر ادا کرنے والے تھے اللہ نے انہیں برگزیدہ کیا اور صراط مستقیم کی طرف ان کی ہدایت فرمائی۔

آیت نمبر 122

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

ہم نے انہیں دنیا میں اس کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہیں۔

نکات

(الف) لفظ ''اجتبیٰ'' ''جبابۃ'' سے لیا گیا ہے اس کا معنیٰ ہے ''جمع آوری'' اور ایک مرکز پر اکٹھا کرنا'' اللہ تعالیٰ کے ''اجتباً'' کا معنیٰ ہے ''افراد کو انتشار سے بچا کر اور مختلف اطراف کی توجہ سے محفوظ کر کے اپنی ذات کیلئے اسے مرکوز اور خالص کرنا۔

(ب) نام وری وحسن سیرت، پاک و پاکیزہ اولاد، بیت اللہ کی تعمیر طولانی عمر، مقبول و مستجاب دعا، مال کی کثرت حضرت ابراھیمؑ کیلئے دنیا میں ''حسنہ'' کے چند نمونے ہیں (اٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً)

(ج) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ کے پانچ کمال بیان فرمائے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے پانچ مقامات عالیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ پانچ کمال یہ ہیں۔ اُمۃ، قانتاً، لم یك من المشرکین، حنیفاً، شاکراً، اجتبیۃ، ھداہ، فی الدنیا حسنۃ ... فی الاخرۃ لمن الصالحین ... اور بعد والی آیت میں ہے (اتبع ملۃ ابراھیم علیہ السلام)

پیام

(۱) انتخاب خداوندی انسان کی اپنی شائستگی اور اہلیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ (قانتاً، حنیفا، شاکراً، حسنۃً)

(۲) جسے اللہ چن لیتا ہے وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ (اجتبیۃ ... ھداہ الی صراط مستقیم)

(۳) انبیاء علیہم السلام کی دعا مستجاب اور مقبول بارگاہ ہوتی ہے۔ حضرت ابراھیمؑ نے دعا فرمائی تھی کہ وہ ''صالحین میں سے ہو جائیں (ربنا ھب لی حکماً و الحقنی باصالحین) (شعراء ۱۳) اور اس آیت میں فرماتا ہے۔ (انہ فی الاخرۃ لمن الصالحین)

آیت نمبر 123

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسوئی کے ساتھ ملت ابراہیمی کی پیروی کرو اور ابراھیم مشرکین میں سے نہ تھے۔

پیام

(۱) اگرچہ انبیاء کے حالات ایک جیسے نہیں تھے لیکن ان سب کا راستہ ایک تھا وہ اپنے ماقبل انبیاء کی پیروی پر مامور تھے۔ (اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ)

(۲) پے در پے اور مسلسل چند آیات میں حضرت ابراھیمؑ کی تعریف وتوصیف ان کے کمال خلوص کی دلیل ہے۔ ان آیات میں دو مرتبہ "حنیفاً" اور "ما کان من المشرکین" کا تکرار ہے۔

آیت نمبر 124

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

رہی بات "السَّبْتُ" کی تو وہ ہم نے ان لوگوں پر مسلط کیا تھا جنہوں نے اس کے احکام میں اختلاف کیا اور یقیناً آپ کا رب قیامت کے روز ان سب باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

نکات

(الف) اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو انکی ہٹ دھرمی اور عداوت وعناد پر بار بار متنبہ کیا چنانچہ ان تنبیہوں میں سے ایک اسی سورہ کی آیت ۱۱۸ کا ذکر بھی ہو چکا ہے جو "علی الذین ھادوا حرمنا ..." کے ذیل میں ہے اور اس آیت کریمہ میں ایک دوسری تنبیہ سنیچر کے دن کی تعطیل کے بارے میں ہے ان میں سے کچھ لوگوں نے تو اس کی قدردانی کی اور کئی دوسرے لوگوں نے اس کی ناشکری کی اور مختلف حیلوں بہانوں پر اُتر آئے جس کے نتیجے میں شدید ترین عذاب میں مبتلا ہو گئے۔

(ب) سابقہ آیت کی روشنی میں اگر اس آیت میں غور کیا جائے تو اس کے معنیٰ کچھ اس طرح ہونگے۔ اے رسول آپ ملت ابراھیمی کی اتباع کرتے رہیں کہ جن کیلئے تعطیل کا دن جمعہ تھا اور ہفتہ کے دن کی تعطیل تو اہل یہود کیلئے بطور سزا کے تھی۔ ورنہ آئین حق کے مطابق تعطیل کا دن جمعہ ہے جو حضرت ابراھیمؑ کے زمانے سے چلی آرہی تھی۔

پیام

الٰہی برنامے کبھی محبت کی ترویج کیلئے ہوتے ہیں اور کبھی عذاب شدید کیلئے ہوتے ہیں۔ (جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ ....)

آیت نمبر 125

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ○

اے رسول! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور لوگوں سے بہتر انداز میں بحث کرو یقیناً آپ کا رب بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹک گیا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

نکات

(الف) اس آیت سے لیکر سورہ کے آخر تک دس جالب نظر اخلاقی احکام بیان ہوئے ہیں۔

(ب) یہ آیت کریمہ تمام مسئولین، تربیت کرنے والوں، معلمین، اساتذہ، علماء کرام کو ایک جامع دستور دے رہی ہے کہ ان احکام کو اپنا کر مختلف قسم کے مخاطب افراد کے ساتھ مختلف طریقے اپنا کر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جو خواص ہیں ان سے حکمت اور استدلال کے ساتھ گفتگو کی جاسکتی ہے اور جو عوام ہیں ان سے دلنشین نصیحت کے ساتھ اور جو مخالفین ہیں ان سے خوبصورت بحث و مباحثہ کے ساتھ تبلیغ کی جاسکتی ہے۔

(ج) "مَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" سے مراد یہ ہے کہ جو شخص واعظ ہے اور وہ جن اوامر کی نصیحت کرتا ہے وہ خود بھی اس پر عامل ہو "اَحْسَنُ جَادِلْ" یا خوبصورت بحث و مباحثہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں جذبات کی توہین نہ ہو اور جو تعبیرات پیش کی جائیں وہ بھی غلط نہ ہوں۔

پیام

(۱) انبیاء علیہم السلام کا اولین وظیفہ دعوت ہے (اُدْعُ)

(۲) دعوت اللہ کی طرف ہونی چاہئے (اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ)

(۳) دعوت کے مختلف مدارج و مراتب ہیں، یعنی حکمت، موعظہ، جدال احسن، کیونکہ حکمت عقلی راستہ ہے اور موعظہ شفقت و محبت بھرے جذبات کا دوسرا نام ہے۔

(۴) موعظہ کو "حسن" اور جدال کو "احسن" ہونا چاہئے (وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ... بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ) یعنی مطالب خوبصورت ہوں اور انداز بیان پیار و محبت سے لبریز ہو۔

(۵) اچھائیوں کے اثرات و برکات اور برائیوں کے نقصانات و خطرات دعوت اور تبلیغ کے ذریعے جانے جاتے ہیں۔ (بِالْحِكْمَةِ) حکمت کے معنیٰ ہیں علم اور عقل کے ذریعے مختلف اُمور کی اچھائیوں اور برائیوں سے واقفیت۔

(۶) آپ فرائض کی ادائیگی کے ضامن ہیں نتیجہ کے ضامن نہیں ہیں (اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ)

(۷) حکمت و بُرھان ہمیشہ ناقابل شکست ہوتے ہیں لیکن موعظہ و جدال میں نشیب و فراز کے امکانات ہوتے ہیں۔ (کبھی انداز

اچھا ہوتا ہے اور کبھی اس کا غیر بھی ہوتا ہے) اس لئے "حسن اور احسن" کا لفظ حکمت کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔
(۸) اسلام اپنے پیروکاروں کو فکری غذا بھی دیتا ہے (بِالْحِكْمَةِ) اور روحانی غذا بھی (الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ) اور مخالفین کے ساتھ منطقی طریقے سے پیش آنے کا درس دیتا ہے (جَادِلْهُمْ)

آیت نمبر 126

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○

اور اگر آپ لوگ بدلہ لینا چاہیں تو اس قدر بدلہ لیں جس قدر تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور اگر آپ نے صبر کیا تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔

نکات

روایات میں آیا ہے کہ جب جنگ اُحد میں حضرت حمزہؓ شہید کر دیے گئے اور ان کے لاشے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تو اس موقع پر رسول اللہؐ نے فرمایا تھا: "اگر ہم کفار پر غالب آ گئے تو ہم بھی ان کا مُثلہ کریں گے۔ (ان کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کریں گے)" تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ بوقت انتقام صبر اور عدالت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اور اس پر آپؐ نے فرمایا تھا۔ "میں صبر کروں گا میں صبر کروں گا)

جی ہاں! اسلام کی حقانیت کے تعارف کیلئے جنگ اُحد اور فتح مکہ کا تقابلی جایزہ لینا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہؐ کے عفو درگزر کا موازنہ بھی کرنا چاہئے۔

پیام

(۱) دشمنوں اور اذیت دینے والوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف سے کام لینا چاہئے (بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ)
(۲) اَدلے کا بدلہ ایک طبعی اور قدرتی حق ہے۔ (فَعَاقِبُوْا)
(۳) وہ لذت و مٹھاس جو صبر میں ہے وہ انتقام میں نہیں ہے (وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ)
(۴) جہاں پر غم و غصہ کے طوفان برپا ہوں تو وہاں پر اپنے وعدوں کو تاکید کے ساتھ بیان کرنا چاہئے (لھو خیرٌ) جو تاکید "لھو خیرٌ" میں ہے وہ "فھو خیرٌ" میں نہیں ہے۔
(۵) جنگ بھی اپنے دامن میں قوانین و اخلاقیات رکھتی ہے (بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ لَئِنْ صَبَرْتُ...)
(۶) اکیلا قانون کفایت نہیں کرتا اس کے ساتھ اخلاق کا ہونا بھی ضروری ہے (بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ) قانون ہے اور (وَلَئِنْ صَبَرْتُوَلَئِنْ صَبَرْتُمْ) اخلاق ہے۔
(۷) یہ خیال نہ کرنا کہ تمہارا صبر تمہارے مخالف کو فائدہ دے رہا ہے بلکہ یہ خود تمہارے فائدے میں ہوتا ہے ایک دن ایسا آئے گا۔

فتح و کامیابی کا سہرا تمہارے سر ہوگا اور مخالفین کا ضمیر بیدار ہوگا اور کائنات تمہارے حسن سلوک کا نظارہ کرے گی اور تمہاری عظمت و بزرگی کی تعریف کرے گی اور تمہارا دشمن خائب و خاسر ہوگا۔(لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ)

آیت نمبر 127

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ○

اور آپ صبر کریں اور آپ کا صبر اللہ کی نصرت سے ہے اور ان مشرکین کے بارے میں پریشان خاطر نہ ہوں اور نہ ہی ان کی مکاریوں سے تنگ ہوں۔

آیت نمبر 128

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ○

اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں۔

نکات

(الف) دعوت و تبلیغ از راہ حکمت و موعظہ و جدال احسن نہایت ہی مشکل کام ہے۔ کیونکہ لوگ ضدی اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں اور دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ جبکہ کچھ لوگ ہٹ دھرمی کے علاوہ اپنی سازشوں کے ذریعے اس دعوت کو ناکام بنانے کی بھرپور کاوش کرتے ہیں علاوہ ازیں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کیلئے تہمت، استھزاء، دھمکیاں سوشل بائیکاٹ جنگ و جدل وغیرہ جیسے وسائل استعمال کرنے سے ہرگز ہرگز دریغ نہیں کرتے۔ لہذا یہ دونوں آیات پیغمبر اکرمؐ کیلئے حوصلہ افزائی دلداری اور راہنمائی کی حیثیت رکھتی ہیں تاکہ آپ اپنی دعوت الٰہیہ کے پروگرام میں پریشان خاطر نہ ہوں۔

(ب) تفسیر نمونہ میں رقم ہے کہ اس سورت میں انسان کے اندر شکر گزاری کے جذبات کو تحریک دینے کیلئے بہت سی نعمتوں کا ذکر گیا گیا ہے۔ ہم ان میں سے صرف چالیس نعمتوں کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

تذکرہ نعمات خداوندی:

(۱) آسمان (خلق السموات)

(۲) زمین (و الارض)

(۳) چوپائے (و الانعام)

(۴) لباس (لکم فیھا دفٌ)

(۵) منافع حیوانات (و منافع)

(۶) گوشت (منها تاکلون)

(۷) جمال و زیبائی (فیها جمال)

(۸) نقل و حمل (تحمل اثقالکم)

(۹) ہدایت (علی اللہ قصد السبیل)

(۱۰) پانی (منها شراب)

(۱۱) مرغزار و چراگاہیں (فیه تسمیون)

(۱۲) میوہ جات (و من کل الثمرات)

(۱۳) شب و روز (سخر لکم اللیل و النهار)

(۱۴) آفتاب و ماہتاب (و الشمس و القمر)

(۱۵) ستارگان (و النجوم)

(۱۶) زمین کے مختلف موجودات اور نعمات (ذرأ لکم ما فی الارض مختلفاً الوانه)

(۱۷) سمندر اور سمندری جواہرات (سخر البحر ... تستخرجوا منه حلیةً)

(۱۸) کشتیوں اور بحری جہازوں کی آمد و رفت (تری الفلك مواخر)

(۱۹) پہاڑی سلسلے (و القی فی الارض رواسی)

(۲۰) دریا و ندی نالے (و انهار)

(۲۱) راستے (و سبلا)

(۲۲) طبعی و قدرتی علامات (و علامات)

(۲۳) ستاروں کے ذریعے راستوں کی پہچان (و بالنجم هم یهتدون)

(۲۴) زمینی سرسبزی و شادابی (فاحی به الارض بعد موتها)

(۲۵) خالص دودھ (لبنا خالصاً)

(۲۶) پھلوں کی مصنوعات (تتخذون منه سکراً و رزقاً حسناً)

(۲۷) شہد (فیه شفاءٌ)

(۲۸) بیوی (من انفسکم ازواجاً)

(۲۹) اولاد اور پوتے نواسے (من ازواجکم بنین و حفدة)

(۳۰) رزق وروزی (رزقکم من الطیبت)

(۳۱) کان (جعل لکم السمع)

(۳۲) آنکھ (و الابصار)

(۳۳) عقل وروح (و الافئدۃ)

(۳۴) مستقل گھر (من بیوتکم سکناً)

(۳۵) خانہ بدوش (جعل لکم من جلود الانعام بیوتاً)

(۳۶) مختلف قسم کے لباس (من اصوافھا و اوبارھا و اشعارھا اثاثا و متاعاً)

(۳۷) نعمت سایہ (جعل لکم مما خلق ظلالاً)

(۳۸) پہاڑوں کے اندر پناہ گاہیں (من الجبال اکناناً)

(۳۹) سردی وگرمی سے بچانے والا لباس (سرابیل تقیکم)

(۴۰) زرہ اور لباس جنگ (تقیکم باسکم)

یہ امر بھی پوشیدہ نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں کے بیان کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ اپنے احسانات جتلانا چاہتا ہے۔ یا اپنے نام کی بلندی چاہتا ہے یا اپنے آپ کو تسکین دینا چاہتا ہے کیونکہ وہ ان باتوں سے مبرا اور منزہ ہے۔

بلکہ اُس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر شکر گزاری کی روح بیدار ہوتا کہ وہ ان نعمات پر غور وخوض کرے اور اپنے خالق حقیقی کی معرفت حاصل کرے اور اس کے آگے سر تسلیم خم کردے۔

(لعلکم تشکرون) (آیت ۱۴)

(لعلکم تھتدون) (آیت ۱۵)

(لعلکم یتفکرون) (آیت ۴۴)

(لعلکم تسلمون) (آیت ۸۱)

(لعلکم تذکرون) (آیت ۹۰)

پیام

(۱) صبر اور اس طرح کی ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے (وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ)

(۲) مبلغ کو بہت زیادہ صابر ہونا چاہئے (اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَوَاصْبِر)

(۳) صبر وظفر کی آپس میں ازمنہ قدیم سے یاری وہمکاری ہے۔ صبر کی بدولت کامیابی قدم چومتی ہے (وَاصْبِرْ وَ ---- اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا)

(۴) ایمان الٰہی نصرت سے حاصل ہوتا ہے اور وہ کشادہ دلی اور صبر کا موجب بن جاتا ہے (وَاصْبِرْ ... اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ)

(۵) تقویٰ اور احسان نصرت پروردگار کے حصول کیلئے وسیلہ ہیں (اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ ... مُّحْسِنُوْنَ)

الحمد للہ ربّ العالمین